اسلامی بینکاری اور تکافل کے شعبے سے وابستہ ماہرین،
اساتذہ وطلبہ اور شائقین علوم اسلامیہ کے لیے مفید علمی تحفہ

سرمایہ کاری کے شرعی احکام

مفتی سیّد صابر حسین

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

اسلامی بینکاری اور تکافل کے شعبے سے وابستہ ماہرین،
اساتذہ وطلبہ اور شائقین علوم اسلامیہ کے لیے مفید علمی تحفہ

سرمایہ کاری کے شرعی احکام

مفتی سیّد صابر حسین

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	سرمایہ کاری کے شرعی احکام
مصنف	مفتی سید صابر حسین
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	مارچ 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ27

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

باب.........۱

اِسلام میں تجارت کی اہمیت وفضیلت اورتجارتی اَخلاقیات

باب.........۲

بیع وشراء (خرید وفروخت Sale/ Purchase)

باب.........۳

باب.........۴

باب............۵

باب نمبر............٦

باب............۷

باب............۸

باب.........۹

باب..........۱۰

باب.........۱۱

باب.........۱۲

باب..........۱۴

باب............۱۵

باب............۱۶

باب.........۱۷

☆☆☆

انتساب!

میں اپنی اِس حقیر سی تحریری کاوش کو اپنے والد ماجد سید مہدی حسن نور اللہ مرقدہ اور والدہ ماجدہ نسیمہ خاتون نور اللہ مرقدہا کے نام منسوب کرتا ہوں، جن کی مربیانہ و مشفقانہ تربیت کے اثرات اب تک میری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور میں جن کی روشنی میں کامیابی کا سفر طے کر رہا ہوں۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا☆

بندۂ ناچیز
سیّد صابر حسین

تقریظ!

مفتی سید صابر حسین نے ''سرمایہ کاری کے شرعی اَحکام'' کے نام سے نہایت مفید اور معلومات افزا کتاب مرتب کی ہے۔ یہ کتاب کثیر المقاصد ہے اور اس شعبے میں یہ ان کی دوسری کتاب ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اسلامی بینکنگ کے شعبے سے وابستہ ماہرین، بینکنگ کے طلباء اور فقہ المعاملات کے شعبے میں دلچسپی رکھنے والے عام قاری کے لئے یہ یکساں مفید ہوگی۔ مفتی سید صابر حسین چونکہ عملاً افتاء اور اسلامی بینکنگ کے شعبے سے وابستہ ہیں، اس لئے اُنہیں اس شعبے سے متعلق لوگوں کی مشکلات کا صحیح اندازہ ہے۔ اس لئے یہ کتاب اس شعبے سے متعلق معلومات اور آگہی کا بہتر ذریعہ بھی ثابت ہوگی اور اسلامی بینکاروں اور اُن کے کلائنٹس کو اسلامی پروڈکٹس میں استعمال ہونے والی اِصطلاحات کی تفصیلات اور احکام کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ میری دُعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی کاوش کو مقبول و ماجور فرمائے اور اِسے قبولِ عام عطا فرمائے، (آمین)۔

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن
چیئرمین مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی، پاکستان
مہتمم دار العلوم نعیمیہ، کراچی

تقریظ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على سيدالانبياء و المرسلين وعلى آله و اصحبه و اهل بيته اجمعين.

اسلامی طرزِ زندگی میں حصولِ علم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ لہذا مسلمان کی زندگی کا کوئی سا شعبہ ہو خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، اس کے مسائل پر درست طور پر عمل کرنے کے لئے علم کے بغیر چارہ کار

نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بازار کی طرف نکل جایا کرتے تھے اور دکانداروں سے خرید وفروخت کے مسائل دریافت کرتے اور مسائل نہ جاننے والوں کو یہ کہہ کر مسجد بھیج دیا کرتے تھے کہ جاؤ پہلے تجارت کے شرعی احکام سیکھو پھر ہمارے بازاروں میں آکر خرید وفروخت کرنا۔ آج اگر ہم موجودہ معاشرے کو دیکھیں تو ہمارے بازاروں میں شاید ہی کوئی ایسا ملے جو شرعی احکام کو جانتا ہو۔ اسی لئے ہمارے یہاں حلال وحرام کی تمیز کے بجائے نفع کے حصول پر بہت زور دیا جاتا ہے خواہ وہ نفع ناجائز ذرائع سے کیوں نہ حاصل ہو۔ بہر حال مفتی سید صابر حسین کی زیر نظر کتاب "سرمایہ کاری کے شرعی احکام" نہایت اہم اور ضروری بنیادی مسائل پر مبنی کتاب ہے۔ اگر اس علم کو عام کیا جائے تو نہ صرف علم کا نور پھیلے گا بلکہ لوگ حلال وحرام میں بھی تمیز کر سکیں گے۔ نیز یہ کتاب اسلامک بینکنگ سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے بھی نہایت مفید ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کی ترقی کے لئے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی سید صابر حسین صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور انھیں اس عظیم دینی خدمت کا اجر جزیل عطا فرمائے، (آمین)۔

محمد ابوبکر صدیق

رئیس دارالافتاء طوبیٰ

اظہارِ خیال!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء وسيد المرسلين وعلى آله واصحبه اجمعين

"سرمایہ کاری کے شرعی احکام" کے نام سے موسوم زیرِ نظر کتاب حضرت مفتی سید صابر حسین صاحب مدظلہ کی تصنیف اور تحقیق ہے۔ یوں تو اسلامی فقہ کے ہر شعبہ اور ہر باب میں علماءِ متقدمین اور متاخرین نے بہت بڑے پیمانے پر تحریری کام کیا ہوا ہے، مگر گزرتے زمانے کے ساتھ جس تیزی سے بیوع (خرید وفروخت) کے قدیم مسائل کی جدید شکلیں سامنے آرہی ہیں، ان کے پیشِ نظر اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اُردو میں کوئی ایسی مستند کتاب ہو، جس میں بیوع کے مختلف ابواب اور ان ابواب کے مسائل کو جدید مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہو اور قرآن وسنت سے دلائل کا بھی ایک جامع ذخیرہ موجود ہو۔ سو بحمدہ تعالیٰ مفتی سید صابر حسین صاحب نے موجودہ دور کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عملی قدم اُٹھایا اور بہت ہی عرق ریزی کے ساتھ زیرِ نظر کتاب رقم

فرمائی۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بیک وقت یہ علماء و مدرسین کے لئے بھی مفید ہے اور طلباء کے لئے بھی۔ اور ان شاء اللہ برسوں اس کی افادیت برقرار رہے گی۔ کیونکہ مفتی سید صابر صاحب صرف مدرس ہی نہیں بلکہ داؤد اسلامک بینک میں سینئر شریعہ کوآرڈینیٹر اور داؤد فیملی تکافل میں شریعت ایڈوائزر ہونے کی حیثیت سے عملی طور پر بھی شعبۂ مالیات کو دیکھ رہے ہیں۔اس لئے آپ کی تحریر اور تحقیق ہمارے لئے زیادہ مستند اور باعثِ اطمینان ہے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ آپ "Islamic Modes of Finance" کے مضمون میں میرے اُستاد بھی ہیں اور زیرِ نظر کتاب کا موضوع بھی کچھ یہی ہے، اس حیثیت سے آپ کی کتاب پر میرا تبصرہ کرنا مناسب تو نہ تھا مگر آپ ہی کے حکم پر کچھ سطور لکھنے کی جسارت کی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے تحریری، تقریری اور تدریسی فیوض و برکات میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور زیرِ نظر کتاب لکھ کر آپ نے دینِ متین کی جو خدمت انجام دی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے، (امین)۔

محمد اسمٰعیل نورانی

مدرّس و مفتی جامعہ انوار القرآن

گلشنِ اقبال، کراچی

نقطۂ نظر!

مفتی سید صابر حسین کی تصنیف کردہ کتاب ”سرمایہ کاری کے شرعی احکام“ اسلامی مالیاتی فقہ اور بینکاری کے خزانۂ معلومات میں بیش قیمت اضافہ ہے۔یہ کتاب اس موضوع پر نہ صرف مصنف کی بھرپور تحقیق اور تجربے کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اُردو زبان میں شائع ہونے کے باعث اسلامی فقہ اور بینکاری کے ہر طبقے کے لئے عام فہم بھی ہے۔اُردو زبان میں اشاعت کا سب سے بڑا فائدہ اسلامی بینکاری سے وابستگی کے خواہش مند طلبہ اور طالبات کو ہوگا، جو اس کو اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں اور اسلامی فنانس کے شعبے سے وابستہ لوگوں کے لئے ایک پریکٹیکل گائیڈ کا کام بھی دے گی۔

چونکہ مفتی صابر صاحب بذاتِ خود عملی طور پر شریعہ ایڈوائزری ڈیپارٹمنٹ سے منسلک ہیں۔اس لئے ان کی یہ کتاب اسلامی بینکاری کی نئی پراڈکٹس کی تیاری کے وقت ایک مشعلِ راہ ثابت ہوگی اور اس کی

Practical Approach سے پہلے شریعہ ایڈوائزر سے منظوری لینے میں بھی مددگار ثابت ہوگی۔اس کتاب کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، فروغ اسلامی بینکاری کے لئے مجھے اس کتاب کو داؤد اسلامی بینک لمیٹڈ کے تربیتی مواد میں شامل کرتے ہوئے نہایت خوشی محسوس ہورہی ہے، جسکا عملی فائدہ مجھے مستقبل قریب میں بہتر اسلامی بینکاروں کی صورت میں حاصل ہوگا۔

پرویز سعید

سابق چیف ایگزیکٹیو آفیسر / صدر داؤد اسلامی بینک لمیٹڈ

اظہارِ خیال!

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و علیٰ اله و اصحابه اجمعین.

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں انفرادی و اجتماعی تمام معاملات کے لئے رہنمائی موجود ہے۔یہ تعلیمات قیامت تک کے تمام ادوار کے لئے قابل عمل بھی ہیں اور خوش حالی اور ترقی کی ضامن بھی کیونکہ ان کی بنیاد اُن آفاقی اُصولوں پر ہے، جو اس کائنات کے خالق و مالک نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم کے ذریعے دنیا تک پہنچائے اور علمائے حق اور اولیائے کاملین کے ذریعے قیامت تک ان کو دوام بخشا۔ان ہستیوں نے زندگی کے ہر شعبے میں چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہو، سماجی ہو یا معاشی ہو، دنیاوی ہو یا روحانی ہو، سائنسی ہو یا سیاسی ہو الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی کے متعلق دین کے احکامات اور تعلیمات قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں تک پہنچائے ہیں۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ تقریباً پندرہویں صدی عیسوی تک یورپ میں سیاست و ریاست پر مذہب کا غلبہ رہا لیکن وہ کوئی قابلِ ذکر علمی و مادی ترقی نہیں کرسکے بلکہ اس دور کو تاریک دور **(Dark Age)** سے موسوم کیا اور اس کا ذمے دار مذہب کو گردانا۔اس کے بعد مذہب کو سیاست سے الگ کیا اور ترقی کے زینے طے کئے۔اس بات سے مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں یہ تصور پیدا ہوا کہ ہمیں بھی یورپ کی تقلید کرتے ہوئے مذہب کو سیاست سے الگ کردینا چاہئے تاکہ ہم بھی ترقی کرسکیں۔جبکہ اس کے مقابلے میں مسلمان جب تک دینی اقدار پر کاربند رہے انہوں نے تیزی سے ترقی کی، جس پر پورا عالم ورطۂ حیرت میں مبتلا ہوگیا اور جونہی انہوں نے دینی اقدار سے دوری اختیار کی وہ دنیاوی انحطاط سے دوچار ہوگئے لہٰذا یہ بات تاریخی تناظر سے پوری طرح عیاں ہوتی ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے تقریباً ہزار سالہ ترقی کے دور سے کہ اگر دنیا میں ترقی کرنی ہے خاص طور پر ایسی ترقی جس کی بنیاد اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ہو اور جو عدل اور مساوات کی آئینہ دار ہو، تو اس کی عملی صورت صرف اور صرف

اسلامی تعلیمات میں ہی مضمر ہے۔موجودہ دور کے عالمی مالیاتی بحران (Global Financial Crisis) اوراس سے پہلے کے تمام معاشی بحران بشمول 1931 کی عالمی کساد بازاری، 1997 کا ایشیائی کرنسی بحران وغیرہ وغیرہ کو غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ ان بحرانوں کا ذمہ دار ہوس پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام اور عدل سے عاری نظامِ معیشت ہیں۔ان بحرانوں سے بچنے کا راستہ اسلام کی آفاقی تعلیمات میں موجود ہے لیکن ان تعلیمات کی تدوین موجودہ دور کی **Faculties of knowledge** کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔اس بات کو مختصراً اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ جس دور میں مسلمان ترقی کی منازل طے کر رہے تھے اور یورپ اپنے تاریک دور سے گزر رہا تھا اس دور میں علوم کی درجہ بندی اور ترتیب کچھ اور انداز سے تھی مثلاً علم الفقہ، علم الاصول، علم الکلام، علم الطب اور علم الہیت وغیرہ وغیرہ اور ہمارا تمام علمی ذخیرہ ان علوم کے تحت مدون ہوا۔یورپ نے اپنی علمی ترقی کے لئے بنیاد تو انہی علوم کو بنایا مگر ان کی تدوین اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے مختلف انداز سے کی جیسے Physical Sciences اور Social Sciences اور انکی مزید تقسیم سے معاشیات، سیاسیات، صحافت، عمرانیات، نفسیات اور دیگر علوم مدوّن ہوئے۔ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمان اپنے علمی سرمائے کو بھی دوبارہ نئی تقسیم کے لحاظ سے مدوّن کرتے اور اس سلسلے میں چند قابلِ قدر کوششیں بھی کی گئیں لیکن ایک بنیادی خلا اس بنا پر پیدا ہو گیا کہ جن مسلمانوں نے جدید علوم حاصل کیے وہ ان علوم کے اسلامی پہلوؤں سے کما حقہ آگاہ نہیں تھے اور علمائے کرام نے ایک مروّجہ نصاب کے تحت دینی علوم تو حاصل کئے لیکن جدید علوم اور ریسرچ کی طرف اس طرح توجہ نہ فرمائی جتنی کہ ضرورت تھی۔اس کے ساتھ ساتھ ایک نہایت اہم جزو تزکیہ نفس کا ہے، جس کے بغیر حاصل کردہ علوم پر عمل دشوار ہے۔لیکن معدوودے چند اداروں کے علاوہ اس کی تعلیم اور تربیت عنقاء ہے۔لہذا جب تک ہم اسلام کی ایک علمی تصویر اور ماڈل اپنے کردار کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے اور ریسرچ کے ذریعے جدید علوم کے متعلق اسلامی نظریات اور احکام کی تدوین نہیں کرتے ہم انحطاط کا شکار رہیں گے۔

مفتی سید صابر حسین صاحب کی یہ کاوش اگرچہ اس سلسلے کی پہلی کڑی نہیں ہے لیکن اس میں ایک قابلِ قدر اضافہ ضرور ہے۔مفتی صاحب نے جتنی کم عمری میں یہ علمی کام سرانجام دیا ہے وہ یقیناً لائقِ تحسین ہے۔اور اپنی گوناگوں مصروفیات جن میں ایک اسلامی بینک اور تکافل کمپنی میں فل ٹائم خدمات، دارالعلوم امجدیہ میں تدریس اور دارالافتاء کی مصروفیات، تعلیمی اداروں یں تدریس، زونل رویتِ ہلال کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت، درسِ قرآن کی محافل، مختلف چینلز پر دینی پروگرامز اور مسجد کی خطابت جیسے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہونا یقیناً فضل ربی اور ان کے والدین اور اساتذۂ کرام کی تربیت کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو جملہ شرور سے محفوظ رکھے اور مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

اس کتاب کے سرسری جائزے سے ہی مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں، جو اس کو اس موضوع پر موجود دوسری کتب سے ممتاز کرتی ہیں:

اسلامی ذرائع تمویل (جو کہ اسلامی بینکاری میں رائج ہیں یا استعمال کئے جا سکتے ہیں) سے متعلق شرعی احکام کو

مستند مآخذ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری سے متعلق زیادہ تر کتب میں اسلامی ذرائع تمویل کے عملی استعمال پر زیادہ مواد ملتا ہے مگر اہلِ علم اور ریسرچ کرنے والوں کے لئے اس ذرائع تمویل سے متعلق شرعی احکام کو سمجھنے کے لئے یہ ایک قابلِ قدر کاوش ہے۔

۲۔ مختلف معاملات سے متعلق مسائل کو قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ مجلۃ الاحکام العدلیہ، OIC فقہ اکیڈمی کی قراردادیں، مختلف فتاویٰ جن میں عالمگیری، ہدایہ، فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ رضویہ جیسی مؤقر تصنیفات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور اس میں چند فتاویٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جیسے KIBOR کے استعمال سے متعلق فتاویٰ رضویہ سے ایک فتویٰ سے استنباط، بیع مرابحہ اور مال کی خریداری کے لئے کلائنٹ کو وکیل بنانے سے متعلق ایک فتویٰ وغیرہ نہایت قابلِ قدر ہیں۔

۳۔ اسلامی بینکوں، تعلیمی اداروں خاص طور پر جہاں اسلامی بینکاری کی کلاسز ہو رہی ہیں، مدارس کے اساتذہ اور طلباء اور اسلامی بینکاری پر ریسرچ کرنے والے اداروں کے لئے بھی یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ کیونکہ اس میں اسلامی بینکاری سے متعلق شرعی احکام کو مختصر اور جامع انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ بعض معاملات، جن میں علماءِ کرام مختلف رائے رکھتے ہیں، کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا، جس میں کچھ تشنگی کا احساس رہتا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں ان کے مختلف پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالی جائیگی۔

۵۔ تمام عنوانات سے متعلق شرعی اصطلاحات کا جامع انداز میں اردو ترجمہ کرنے کی نہایت احسن کاوش کی گئی ہے اور اہلِ علم حضرات سے امید ہے کہ اس میں جہاں بھی بہتری کی صورت نظر آئے۔ مصنف کی اس میں ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔ مدارسِ اسلامیہ کے طلباء اور اساتذۂ کرام کے لئے اس کتاب کا یہ پہلو خاص طور پر قابلِ قدر ہے اور اس سے ان کو فقہ المالیات سے متعلق کتب کو سمجھنے میں خاص مدد مل سکتی ہے۔ اگر چہ بینکار حضرات اس کو مشکل اور اضافی چیز خیال کر سکتے ہیں۔

۶۔ اس کتاب میں اسلامی بینکوں اور تکافل کمپنیوں میں استعمال ہونے والے اسلامی ذرائع تمویل کو ہی شامل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ عملی بینکاروں اور متعلقہ طلباء اور اساتذہ کے لئے ایک ریفرنس گائیڈ کے کام آسکتی ہے۔ اگر چہ تکافل سے متعلق مزید مواد اس میں ضرور شامل کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ شاید تکافل کمپنیوں کے لئے ایک ایسی کتاب زیادہ مفید ہو، جس میں صرف ان کے کاروبار کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہو۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے۔

یہ تو اس کتاب کے متعلق چیدہ چیدہ باتوں کا اظہار تھا، جو سرسری مطالعے سے ہی نظر آجاتی ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کچھ اہم چیزوں کا احاطہ وقت کی کمی کے باعث نہ کیا جاسکا ہو۔ بہر حال اسلامی بینکاری سے متعلق مختلف ممالک کے سفر اور خاص طور پر اردو وانگریزی زبانوں میں اس موضوع سے متعلق لٹریچر کے مطالعے کی روشنی میں راقم یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب اردو زبان میں اسلامی بینکاری سے متعلق لٹریچر

میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، جس سے اس کے شرعی پہلوؤں کو سمجھنے میں خاص مدد مل سکتی ہے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے طفیل اس کاوش کو مقبول فرمائے اور دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی کا ذریعہ بنائے۔

احقر العباد

محمود شفقت

ایڈیشنل ڈائریکٹر، اسٹیٹ بینک آف پاکستان

اظہارِ خیال!

سود بینکاری نظام کا جزو لاینفک اور اس کی بنیاد ہے، اس کے بغیر بینکاری نظام کا کوئی قابلِ عمل تصور نہیں، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جو عملی تجربے سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک ایسے متبادل نظام کا کامیاب تجربہ ہو رہا ہے، جس میں سود اور اس کی قبیل کا کوئی عنصر موجود نہیں۔ اس نظام کو بلاسود یا اسلامی بینکاری نظام کہا جاتا ہے۔ ستر کی دہائی میں شروع ہونے والا یہ نظام مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ اس کی مقبولیت کسی ایک علاقے یا ایک مذہب تک محدود نہیں رہی۔ نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم ممالک بھی اس کو اختیار کر رہے ہیں اور غیر مسلم ممالک میں بھی اسلامی بینکاری اداروں کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے اور اس کے نفاذ کے لئے متعلقہ قوانین بھی بنائے جا رہے ہیں۔

نوخیز اور تیزی سے ترقی کرتے ہوئے کسی بھی اور نظام کی طرح اس کے بھی کچھ اپنے مخصوص تقاضے ہیں، جس میں سب سے بنیادی بات اس نئے نظام کی منفرد اصطلاحات اور عملی معاملات میں اس کے اصولوں کی تطبیق کو سمجھنا ہے۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں اسلامی بینک قائم ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہاں اس کی نظریاتی و عملی تربیت کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے، جو کہ بہت ضروری ہے۔ تربیتی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ ضروری تربیتی مواد کی بھی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ اس جانب بھی یقیناً پیش رفت ہو رہی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں معیاری اور مستند مواد کی ابھی خاصی کمی محسوس ہوتی ہے، خصوصاً اردو زبان میں تو ایسا مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔

الحمدللہ "سرمایہ کاری کے شرعی احکام" کی تدوین کے ذریعے سے مفتی سید صابر حسین نے اس کمی کو پورا کرنے کی ایک کامیاب سعی کی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ یہ بہت عام فہم اور سہل ہے اور اسلامی بینکاری کی ضرورت کے مطابق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسے اسکالر کی تصنیف ہے جو نہ صرف شریعہ کے علوم پر عبور رکھتا ہے بلکہ ایک اسلامی بینک کے شریعہ بورڈ سے وابستگی کی بناء پر شریعہ کی بینکاری معاملات میں عملی تطبیق سے متعلق باریکیوں سے بھی احسن طریقے سے واقف ہے۔ مفتی سید صابر حسین نے غالبًا اپنے عملی تجربے کی روشنی میں ہی اس تصنیف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کو لکھنے کا ارادہ کیا ہوگا۔

مفتی صاحب نے نہایت سہل انداز میں مشکل اور ثقیل عربی فقہی اصطلاحات کی تعریف وتشریح کے ذریعے اسلامی بینکاری کے نوواردان، طلبہ، مربیین اور ٹرینیز کے لئے بہت آسانی کردی ہے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اسلامی بینکاری اور مالیات سے متعلق تربیتی اداروں سے وابستہ حضرات اس قسم کی کسی مفید اور مستند مواد پر مشتمل تصنیف کے منتظر تھے۔ میرے خیال میں اس کتاب نے اسلامی بینکاری کی تربیت سے متعلق ایک بہت اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، جس کے لئے مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ انہیں اس کے لئے اجر عظیم اور بینکاروں کو اس سے کماحقہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

منیر احمد منصوری
شعبہ اسلامی بینکاری
اسٹیٹ بینک آف پاکستان

نقطۂ نظر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے ہوئے شرماتا ہوں

ایک مسلمان کے گھرانے میں، مسلمانوں کے معاشرے میں اور ایک مسلمانوں کے ملک میں پیدا ہونے والے مجھ جیسے کروڑوں افراد آج بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس ملکِ خداداد کا قیام جن اصولوں کی بلندی کے لئے عمل میں لایا گیا تھا، آج بھی ان کا وجود اس معاشرے میں نہیں ہے۔ ماہر القادری اپنی مشہور نظم قرآن کی فریاد میں بھی اس طرف اشارہ کر گئے ہیں کہ

ہیں مجھ سے عقیدت کے دعوے ، قانون پہ راضی غیروں کے

جسمانی غلامی کے خاتمے کے بعد بھی گذشتہ تریسٹھ سال میں ایک ترقی معکوس کے عمل نے ہم کو اسلام سے دور اور مغربی معاشرے سے، اور ان کے دیئے ہوئے غیر اسلامی قوانین سے قریب تر ہی نہیں کر دیا بلکہ ان کا عادی بھی بنادیا۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ذہنی غلامی کچھ پہلے سے زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ اقبال نے صحیح ہی تو کہا تھا کہ

مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ

اپنے خورشید پہ پھیلا دیئے سائے ہم نے

اغیار کے انہی مٹی کے چراغوں میں ایک سودی نظام معیشت و بینکاری بھی ہے، جس نے پوری امت کو سود کے نہ ختم ہونے والے چنگل میں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی سے گذشتہ چند دہائیوں میں پوری اسلامی دنیا میں صحیح بنیادوں پر اسلامی بینکاری کے فروغ کا آغاز ہوا ہے۔ اس کام کے آغاز میں سب سے اہم کردار ان علمائے دین کا ہے جنھوں نے مسالک، فرقوں اور جماعتوں کے اختلافات سے بالاتر ہو کر اس نظام کی کامیابی کے لئے اور اس سے بڑھ کر اس نظام کو صحیح شرعی بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

مفتی سید صابر حسین صاحب بھی ایسے ہی علماءِ کرام میں سے ہیں، جنھوں نے اس دور میں اسلامی نظامِ مالیات اور نظامِ معاشیات کے احیاء کے لئے اپنا کردار سرانجام دینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ عملی کام کے ساتھ ساتھ اور اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وہ تدریس اور تصنیف کے میدانوں میں بھی اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بہترین اجر سے نوازے اور میدان عمل میں اپنی مدد ان کے شاملِ حال کردے، (آمین)۔

اسلامی نظامِ مالیات اور معاشیات کی بنیادیں فقہ اسلامی کی معاملات سے متعلقہ شاخ سے نکلتی ہیں۔ اس لئے یہ ایک نہایت اہم امر ہے کہ اسلامی مالیات اور بینکاری کے تمام تر متعلقین بشمول ملازمین، ماہرین اور طالب علم فقہ المعاملات کا معتد بہ علم رکھتے ہوں۔ لیکن زمینی حقائق یہ ہیں کہ بالعموم اسلامی بینکاری کے متعلقین فقہ میں مناسب حد تک نظر نہیں رکھتے اور نہ ہی اسلامی بینکاری کی تعلیم دینے والے ادارے اس کمی کو پورا کر پا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اسلامی بینکاری اور مالیات کے عملی معاملات میں خامیاں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور کمی یہ بھی نظر آتی ہے کہ لوگ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق کسی بھی شے کو اسلامی یا غیر اسلامی قرار دینا شروع کر دیتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ شریعت مطہرہ کے مأخذ اور فقہ اسلامی کی تعلیمات سے رجوع کریں۔ بالفاظِ دیگر، اپنی اپنی عقل کے مطابق ہر کوئی اپنا مفتی بن بیٹھتا ہے اور دوسروں پر بھی فتویٰ صادر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ان حالات میں مفتی سید صابر حسین صاحب کی یہ کاوش ایک بہت اہم ضرورت کو پورا کرتا دکھائی دے رہی ہے۔ میری ناقص رائے میں اس کتاب کا مطالعہ اسلامی بینکاری اور اسلامی مالیاتی نظام کے تمام متعلقین کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان ناقدین کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوسکتا

ہے جو فقہ کی بنیادوں میں جائے بغیر محض عقلی بنیادوں پر فیصلے صادر کرتے ہیں۔ایک اور اہم معاملہ یہ بھی ہے کہ اسلامی بینکاری اور مالیات کے فروغ نے علمی میدان میں پائے جانے والے جمود کو بھی توڑا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علمائے دین میں مذاہبِ اربعہ سے مفاد عامہ کی خاطر رجوع اور کسی حد تک اجتہاد کے فلسفے کو بھی دوبارہ زندہ کیا ہے۔ اسلامی بینکاری اور مالیات کے زیادہ تر معاملات میں علمائے امت کا اتفاق، اجماع کی حیثیت میں سامنے آرہا ہے جس کی اہم مثالیں AAOIFI کے معیارات شریعہ (Shari'ah Standards) اور OIC کی اسلامی فقہ اکیڈمی کی قراردادوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ دوسری جانب ان کاوشوں میں رکاوٹوں کا ایک سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے، جو کہ بلاشبہ خلوص نیت کے ساتھ ہے مگر اس میں کچھ اسلامی بینکاری نظام کی کمزوریاں اور کچھ فقہی اختلافات مل کر ایک ایسی صورتحال کو جنم دے رہے ہیں، جس میں امت کا بحیثیت مجموعی ایک نظام کی تبدیلی کی کوشش میں شامل ہونا شاید ممکن نہ ہو۔اس صورتحال میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کا سامنے آنا اور تحاریر وتقاریر کے ذریعے حق بات کو لوگوں تک پہچانا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نظام میں موجود فکری، فقہی، اور عملی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا نہایت اہم ہے۔اس اعتبار سے بھی یہ کتاب اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک سنگِ میل ثابت ہوتی ہے۔ میری ناقص رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام اسی طرح آگے بڑھیں اور صحیح خطوط پر اس نظام کی استواری کے لئے اپنا کردار بھی سرانجام دیں تا کہ نظامِ باطل کو اکھاڑ کر پھینکا جاسکے اور یہ بھی ثابت کریں کہ دین کے معاملات میں جزئی فقہی اختلافات اور مکاتبِ فکر کا اختلاف اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کی خاطر امتِ مسلمہ اور دین برحق کے وسیع تر مفادات کو تج کر اپنی الگ دنیا بسائے رکھی جائے۔

ایک اور نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ اسلامی بینکاری اور مالیات سے قطع نظر بھی ہمارے معاشرے میں دین کے علم کی کمی کی وجہ سے شریعت مطہرہ کے اصولوں کی حکمرانی کمزور پڑگئی ہے۔ دین کا سادہ اصول تو یہ ہے کہ ترکِ دنیا بھی نہ ہو، اور غرقِ دنیا بھی نہ ہو۔ساتھ ساتھ رزقِ حلال کا حصول عبادت کے مترادف قرار پایا بلکہ بعض صورتوں میں تو فرضِ عین کی حیثیت پائی۔ رزقِ حلال کے حصول کے طریقوں میں سے بالخصوص تجارت میں برکت تو احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔مگر ہمارے تاجر بھائی الا ماشاء اللہ شریعت کے تجارت سے متعلقہ احکامات سے بہت کم واقف ہیں، جس سے ان کی آمدن کا حلال ہونا ہی بسا اوقات مشکوک ہوجاتا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے تقویٰ پر کتاب لکھنے کے مشورے پر کہا کہ میں نے جو معاملات پر کتاب لکھی ہے اسی پر عمل کرلیا جائے تو تقویٰ خود بخود پیدا ہوگا۔بعض فقہا کرام کے نزدیک تو تجارت جائز ہی نہیں جب تک کہ تجارت سے متعلقہ دینی علم حاصل نہ کرلیا جائے۔یعنی بالفاظ دیگر تقویٰ کے لئے رزقِ حلال ایک شرط ہے اور رزقِ حلال کے حصول کے لئے علم ایک شرط ہے۔میری ناقص رائے میں یہ کتاب ایک عام تاجر اور ایک عام فرد

کے لئے بھی ضروری ہے تا کہ وہ اپنے عام کاروباری معاملات میں بھی شریعت کے اصولوں پر عمل کر کے اپنی آمدن کے حلال ہونے کا یقین کے ساتھ تعین کر سکیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مفتی سید صابر حسین صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اپنے فضل سے اس کو اپنے بندوں میں علم دین کے فروغ کا ایک ذریعہ بنادے اور ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس علمی سلسلے کو جاری رکھیں،(آمین)۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

عمر مصطفیٰ انصاری / ۱۴ اگست ۲۰۱۰

نقطۂ نظر!

برادر مکرمی مفتی سید صابر حسین صاحب کی گرانقدر تصنیف ''سرمایہ کاری کے شرعی احکام'' کا شرف مطالعہ حاصل ہوا۔ مجھ ناچیز کی رائے میں یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور اس قسم کی تصانیف نہ صرف اسلامی مالیاتی اداروں کے احباب کے لئے بلکہ طلباء اور دیگر شعبۂ معاشیات کے احباب کے لئے بھی انمول تحفہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انکی اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور آگے بھی اس قسم کے باہمت کام کرنے میں ان کی مدد فرمائے، (آمین)۔

فیضان احمد میمن
ہیڈ آف پروڈکٹ ڈیولپمنٹ
حبیب بینک لمیٹڈ۔ اسلامک بینکنگ

حدیثِ دل!

میں بفضلہٖ تعالیٰ گذشتہ نو سال سے دارالعلوم امجدیہ میں تدریس وافتاء کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ اِس دوران گذشتہ دو سال سے شیخ زاید اِسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی اور المنیب شریعہ اکیڈمی میں اِسلامی بینکنگ اینڈ فنانس کے شعبے میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کورس اور ماسٹرز کی سطح پر تدریس کا موقع ملا۔ مزید برآں الحمدللہ گذشتہ چار سال سے میں داؤد اسلامک بنک لمیٹڈ میں بحیثیت سینئر شریعہ کوآرڈینیٹر اور داؤد فیملی تکافل میں بحیثیت شریعہ ایڈوائزر خدمات انجام دے رہا ہوں۔ علاوہ ازیں جنرل بینکرز کو اسلامی بینکنگ کی تربیت دینے کا موقع بھی ملا اور اُن کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات

اور اُن کے تسلی بخش جوابات کا عملی تجربہ ہوا۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ کسی علمی شعبے میں بیک وقت نظریاتی اور عملی تجربات سے گذرنا پڑے، لیکن الحمدللہ مجھے یہ زریں موقع اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا کیا ،جس سے نہ صرف مزید سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا بلکہ اس سے اعتماد میں اضافہ بھی ہوا۔

اسلامی بینکنگ اور مالیات کے شعبے میں زیرِ تعلیم طلباء و طالبات کے لئے میں نے ایک کتاب بنام ''اِصطلاحاتِ اسلامی معیشت و وراثت'' مرتب کی، جو الحمدللہ تعالیٰ شیخ زاید اسلامک سینٹر کراچی یونیورسٹی سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر مارکیٹ میں آچکی ہے۔ یہ کتاب دراصل اس شعبے میں بنیادی تعلیم و تعلم اور عمومی آگہی کو پورا کرتی ہے۔ مذکورہ کتاب کی طباعت کے بعد میں نے اس شعبے میں ایک ایسی تفصیلی کتاب کی کمی محسوس کی، جو نہ صرف شیخ زاید اسلامک سینٹر کے ''فقہ المعاملات'' کے کورس کا احاطہ کر سکے بلکہ اسلامی بینکوں اور تکافل کمپنیوں میں اپنی خدمات انجام دینے والے احباب کو فقہِ مالی کے بارے میں مکمل معلومات بھی فراہم کر سکے۔ لہٰذا اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ''سرمایہ کاری کے شرعی اَحکام'' کے نام سے یہ کتاب مرتب کی۔ اس کتاب میں اس امر کو واضح کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ مالیات کے متعلق فقہی قواعد وضوابط کو جدید دور میں کس طرح منطبق کیا جارہا ہے ؟۔ علاوہ ازیں اِسلامی بنکاری، اقتصادیات اور فقہ المعاملات سے متعلق اِصطلاحات کی تعریفات سہل زبان میں درج کی گئی ہیں اور متبادل انگریزی اِصطلاحات بھی دے دی گئی ہیں تا کہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ اِس کتاب کو پڑھنے سے قارئین میں اِس شعبے میں مزید آگہی اور علمی اِرتقاء کا ذوق پیدا ہوگا اور جتنا مزید مطالعہ کرتے جائینگے اِس شعبے میں مزید اُنس، تجسس اور ذوقِ طلب پیدا ہوگا۔

میں اِس اعتراف کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں کہ اِس کتاب کی ترتیب کے تمام مراحل اور اِسلامی بینکنگ اینڈ فنانس کے شعبے میں عملی تجربے اور تدریس و اِفتاء کے دوران مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب نے بہتر انداز میں میری تربیت کی، ہر مرحلے پر میری حوصلہ افزائی کی اور اپنی مشفقانہ سرپرستی کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، (امین)۔ میں محترم ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر کراچی یونیورسٹی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے اِس شعبے میں تدریسی تجربے کا موقع فراہم کیا۔ علاوہ ازیں استاذ

محترم شیخ الحدیث مفتی محمد اسمٰعیل ضیائی صاحب رئیس دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ، مفتی محمد ابوبکر صدیق صاحب شریعہ ایڈوائزر برکت اسلامی بینک (فیصل بینک لمیٹڈ) محترم پروفیسر علامہ عامر بیگ صاحب پرنسپل المنیب شریعہ اکیڈمی، مفتی محمد اسمٰعیل نورانی صاحب مفتی جامعہ انوار القرآن، محترم مفتی سید زاہد سراج صاحب وائس پرنسپل المنیب شریعہ اکیڈمی، محترم پرویز سعید صاحب چیف ایگزیکٹو آفیسر داؤد اسلامی بینک لمیٹڈ، محترم محمود شفقت صاحب ایڈیشنل ڈائریکٹر اسٹیٹ بنک آف پاکستان، محترم منیر احمد منصوری صاحب جوائنٹ ڈائریکٹر شعبہ اسلامی بینکاری اسٹیٹ بینک آف پاکستان، محترم عمر مصطفیٰ انصاری صاحب پارٹنر Ernst & Young Ford Rhodes Sidat Hyder اور محترم فیضان میمن ہیڈ آف پروڈکٹ ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ حبیب بینک لمیٹڈ کا بھی شکرگذار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنی قیمتی آراء سے بھی نوازا۔ اخیر میں مادرِ علمی دارالعلوم امجدیہ کے مہتمم محترم مولانا ریحان امجد نعمانی اور اپنے بڑے بھائی محترم سید شبیر حسین کا بھی شکرگذار اور ممنون ہوں کہ کامیابی کے ہر سفر میں وہ میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اپنے اکابر کی شفقت و سرپرستی ہمیشہ میرے شاملِ حال رہے اور اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو قارئین کے لئے مفید بنائے۔

میں اس کتاب کی جملہ لغزشوں کو اپنی کوتاہی اور خصوصیات کو فضلِ ربی پر محمول کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا گو ہوں کہ وہ اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے وسیلۂ جلیلہ سے میری جملہ کتب کو مقبولِ عام و خاص بنا کر اسے میری، میرے والدین، میری اولاد، جملہ اساتذۂ کرام اور مشائخِ عظام کی نجات کا ذریعہ بنائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم)۔ اخیر میں قارئینِ کرام سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ باوجود انتہائی کوشش کے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو، تو وہ احقر کو ضرور آگاہ کریں۔ ہر مثبت مشورے پر بصد شکریہ عمل کیا جائیگا، (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اَلْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی

سید صابر حسین

اُستاذ الفقہ جامعہ انوار القرآن، گلشنِ اقبال، کراچی

باب......۱

اسلام میں تجارت کی اہمیت وفضیلت اور تجارتی اَخلاقیات

ابتدائیہ:

اِسلام وہ دینِ اکمل ہے، جو اہلِ ایمان کو بالخصوص اور تمام لوگوں کو بالعموم ایک ایسا مربوط ومنظم اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نظامِ حیات عطا کرتا ہے، جس میں انسانی زندگی سے متعلقہ جملہ شعبہ جات مثلاً اِعتقادات، عبادات، معاملات، مناکحات اور تعزیرات وغیرہ کے بارے میں کلیات (Macro Level) سے لے کر جزئیات(Micro level) تک کی رہنمائی موجود ہے۔اِن میں تجارت ومالیات انسانی زندگی کا وہ اہم شعبہ ہے، جس سے انسانوں کو سب سے زیادہ سابقہ پڑتا ہے اور اِسی پر مرورِ زمانہ کے سب سے زیادہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دورِ جدید میں اِسلامی اَحکام وقوانین کے نفاذ میں جو عملی مشکلات ہیں، وہ زیادہ تر قانونِ تجارت ومالیات کے شعبہ میں پیش آرہی ہیں۔اِس کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مالیات سے تعلق ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور اِجتماعی مفاد کو نظر انداز کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے مجموعی طور پر معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

شعبۂ تجارت ومالیات کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اِس کے بارے میں اَحکام ومسائل شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں۔علاوہ ازیں فقہاءِ کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے اُصول وضوابط وضع کئے ہیں، جن کی مدد سے قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کا حل تھوڑی سی کوشش سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

تجارت و مالیات کا تعلق چونکہ کسبِ مال سے ہے اور اس کی مختلف صورتیں دنیائے عالم میں مروّج و مستعمل ہیں، جن میں سے بعض صورتوں کو اِسلام نے جائز وحلال جبکہ بعض کو اُن کی ظاہری و باطنی خامیوں کی وجہ سے ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔ کسب میں حلال کو اختیار کرنا اور حرام سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ کسبِ مال میں حلال وحرام کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کے دوسرے معاملات مثلاً اعتقادات اور عبادات پر کبھی بالواسطہ (Direct) اور کبھی بلاواسطہ (Indirect) اِس کے مثبت ومنفی اثرات مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کے تن پر حرام لباس اور پیٹ میں حرام غذا ہو اُس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اگرچہ وہ کتنا ہی مجبور کیوں نہ ہو۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس معاملے کو ایک مثال کے ذریعے سے سمجھایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًاوَ قَالَ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَقُوْلُ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَ مَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَ غُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے، جس کا اس نے (اپنے) رسولوں کو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو“۔ اور ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اِن پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ، جو ہم نے تم کو عطا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اِسی

کی عبادت کرتے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا، جو طویل سفر کرتا ہے۔ اِس کے بال پراگندہ اور چہرہ گرد آلود ہے وہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہتا ہے، اے میرے ربّ! اے میرے رب! حالانکہ اُس کا کھانا حرام سے ہے، اُس کا پینا حرام سے ہے اور اُس کا لباس حرام سے ہے اور اُسے غذا بھی حرام سے حاصل ہوتی ہے، تو اُس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا، رقم الحدیث:1015)۔''

رزقِ حلال کا حصول لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رزقِ حلال کے حصول کو ہر ایک پر لازم قرار دیا ہے اور اِس کے لئے ضابطۂ اَخلاق بیان کر کے ہر قسم کے ظلم و استبداد، استحصال اور ارتکازِ دولت کو منع فرمایا تاکہ معاشرے میں تجارت کے ذریعہ نہ صرف ایک دوسرے کی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکے بلکہ آخرت کی ابدی و سرمدی فلاح کا حصول بھی ممکن ہو سکے۔ علاوہ ازیں تجارت کے معاملات کو انجام دینے کے لئے ہر قسم کے وسائل اللہ تعالیٰ نے کائناتِ عالم میں پیدا فرما دیئے چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

ترجمہ: ''(اللہ) وہی ہے، جس نے تمہارے نفع کے لئے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا، (سورۂ بقرہ، آیت:29)''۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ

ترجمہ: ''وہی (اللہ) ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم اور چلنے کے قابل بنا دیا، سو تم اُس کے راستوں میں چلو اور اُس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ، (سورۂ ملک، آیت

15)"۔

زمین کو اللہ ربّ العزت نے انسانوں کی خدمت کے لئے مسخر کر دیا ہے لہذا اس نعمت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اس کے پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کے فضل (رزقِ حلال) کے طالب بن کر دوڑ دھوپ کرنی چاہئے۔ ایسا شخص جسے اللہ ربّ العزت نے عقل وشعور اور صحت کی نعمتِ عظیمہ سے سرفراز کیا ہو، اُس کے لئے عبادت و ریاضت کے نام پر دنیا سے بے رغبت ہو کر رزقِ حلال کے حصول سے خود کو دور کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اُس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عبادات و ریاضت کے علاوہ رزقِ حلال کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ کیونکہ یہ نہ صرف بذاتِ خود عبادت ہے بلکہ محنت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا دوست قرار دیا گیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

ترجمہ: "ہاتھ سے محنت کر کے کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔"

اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ صدقات وخیرات کے مل جانے کی اُمید پر محنت ومشقت سے کنارہ کش ہو جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد فرمایا کہ:

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ

ترجمہ: "صدقہ کسی غنی (مالدار شخص) کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے لئے جو توانا اور تندرست ہو، (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، رقم الحدیث:1634)۔"

کاروبار کرنے والوں کی فضیلت:

ایماندار اور سچا تاجر نہ صرف اپنے عمل سے اِس دنیا میں خود کو اور معاشرے کو فیض

یاب کر رہا ہوتا ہے، بلکہ اپنی آخرت کی کامیابی کے لئے بہترین سامان آگے بھیج رہا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تاجروں کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جو ایمان داری اور صداقت کے ساتھ تجارت کا معاملہ کرتے ہیں۔ ذیل میں چند منتخب احادیث ضبطِ تحریر میں لائی جارہی ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الْاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: ''امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی الکسب، رقم الحدیث: 2139)۔''

ایک دوسری حدیث میں اِس سے زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ

ترجمہ: ''امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن اَنبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار تسمیۃ التی ایاھم، رقم الحدیث: 1209)۔''

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تاجروں کو مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر قرار دینا تعجب کی بات نہیں کیونکہ معمولی تامل سے بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جہاد صرف میدانِ جنگ میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بازارِ تجارت میں حرام سے بچتے ہوئے حلال کے انتخاب کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے۔

تاجروں کو اتنی بڑی عظمت دینے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عام حالات میں ایک شخص کے لئے سچ بولنا اور ایمانداری کو اختیار کرنا آسان ہوتا ہے لیکن تجارت جس کی وجہ سے عام طور پر انسان میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے اور مال سے مزید مال پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر کوئی سچائی اور ایمانداری کے دامن کو

مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھے تو یہ بہت مشکل امر ہے۔اور ایسا کرنے والا دراصل خواہشات کے خلاف جنگ جیت کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کی طرح ہو جاتا ہے

عصرِ حاضر میں تجارت ایک معاشی جہاد کے طور پر سامنے آیا ہے کیونکہ پوری دنیا میں اقتصادی ومعاشی جنگ لڑی جارہی ہے اور معاشی نظام کو اپنے قبضے میں لے کر دوسری اقوام کو اپنا غلام بنایا جارہا ہے۔اِن حالات میں اگر کوئی مسلمان تجارت کے ذریعے مسلمانوں کو مضبوط کرتا ہے اور یہود ونصاریٰ کے دست بُرد سے آزاد کراتا ہے،تو وہ بھی مجاہد کا ہی درجہ پائے گا۔

حرام سے اِجتناب:

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا کہ اِسلام نے تجارت کو حرام نہیں بلکہ پسندیدہ قرار دیا ہے،البتہ تجارت میں پائے جانے والے اُن تمام اُمور ومعاملات کو حرام قرار دیا ہے،جن کی وجہ سے ظلم،فریب،نفع اندوزی اور ممنوعاتِ شرعیہ کی ترویج واشاعت ہو۔اور اِن حرام اشیاء کو کتاب وسنت میں تفصیل کے ساتھ بیان بھی فرمادیا ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ**

ترجمہ:”حالانکہ حالتِ اضطرار (مجبوری) کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں،ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے،(سورۂ انعام،آیت:119)“۔

(سورۂ اَنعام،آیت 119)“۔

اور اُن بیان کردہ حرام سے بچنے کا صلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَ ارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ

ترجمہ:”حرام اشیاء سے بچو،اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے عبادت گذار شمار ہوگے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رزق کا جو حصہ مقرر فرمایا دیا ہے اِس پر خوش رہو،تو لوگوں میں غنی بن

جاؤ گے۔(سنن ترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم، باب من اتقی المحارم فھو اعبد الناس، رقم الحدیث:3205)۔"

آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے آج سے صدیوں پہلے یہ پیشنگوئی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ لوگ حلال وحرام سے لاپرواہ ہوکر زندگی گزارینگے۔جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:

يَاتِیُ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِرشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جس میں آدمی اِس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اُس نے جو مال حاصل کیا ہے، اُس کا ذریعہ حلال ہے یا حرام؟۔

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال، رقم الحدیث:2059)۔

خلافِ شرع تجارت کرنے والوں کے لئے وعید:

اِسلام نے شراب، خنزیر، مجسمہ سازی اور ہر اُس تجارت سے منع کیا ہے، جو خلافِ شرع اُمور پر مشتمل ہو۔شراب کی حرمت کے بارے میں سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 90 کے نزول کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ اَدْرَكَتْهُ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَعِنْدَهٗ مِنْهَا شَیْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کردی ہے لہذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اِس کے پاس شراب موجود ہو، تو وہ اِسے نہ پئے اور نہ فروخت کرے،(صحیح مسلم، کتاب

المساقات، باب تحریم بیع الخمر، رقم الحدیث:1578)۔"

ایک اور حدیث مبارک میں نہ صرف فروخت کرنے والے پر بلکہ اس کے کسی بھی معاملے میں معاونت کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔حدیث مبارک یہ ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَ شَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِیْ لَهَا وَالْمُشْتَرَاةَ لَهٗ

ترجمہ:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے معاملے میں دس (افراد) پر لعنت فرمائی ہے (اور وہ یہ ہیں) شراب نچوڑنے والا، نچڑوانے والا، پینے والا، اُٹھانے والا، جس کے لئے اُٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اُس کی قیمت کھانے والا، خریدنے والا اور وہ جس کے لئے خریدی جارہی ہے، اُن سب پر آپ صلی اللہ علیہ واسلم نے لعنت فرمائی ہے، (سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا، رقم الحدیث:1295)۔"

شراب کے علاوہ دوسری حرام اشیاء کی خرید وفروخت سے بھی روکا گیا ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے، (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام، رقم الحدیث:1207)۔"

ایک اور حدیث پاک میں حرام اشیاء کی قیمت کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا حَرَّمَ عَلٰى قَوْمٍ اَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهٗ

ترجمہ: ''اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے، تو اُن پر اُس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے، (سنن ابوداؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ، رقم الحدیث:3488)۔''

تجارت میں حرام کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ حرام اَشیاء کی خرید و فروخت اور ایک معنیٰ یہ ہے کہ حرام طریقوں مثلاً جھوٹ اور دھوکہ دہی سے فروخت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ایسے حرام اشیاء کی تجارت کرنے والے تاجروں کی شدید ترین الفاظ میں مذمّت کی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اَلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ

ترجمہ: ''تاجر قیامت کے دن فاجر (گناہ گار) کی صورت میں اُٹھائے جائیں گے سوائے اُن کے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، نیکی اختیار کی اور سچ بولتے رہے، (سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی التجار وتسمیۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلم ایاھم)۔''

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، اِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ

ترجمہ: ''تجارت کرنے والو! جھوٹ سے بچو، (المعجم الکبیر للطبرانی، باب الواو، من اسمہ واثلہ، رقم الحدیث:17628)۔''

دھوکہ پر مبنی خرید و فروخت کی حرمت:

اِسلام نے دھوکہ دہی کی مذمت بیان کرتے ہوئے اسے زندگی کے ہر معاملے میں ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اِس حوالے سے ایک عمومی اُصول یہ دیا کہ **لاضــــــرر**

ولاضــــــرار (یعنی نہ نقصان دو اور نہ ہی نقصان اُٹھاؤ)۔ چونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح تجارت سے واسطہ پڑتا رہتا ہے لہذا اِس کی اہمیت وضرورت کے پیشِ نظر اِسلام نے خرید وفروخت اور تجارت میں ہر اُس معاملے کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے، جس سے کسی کو دھوکہ دیا جاسکتا ہو۔

زمانۂ جاہلیت میں خرید وفروخت کے ایسے بہت سارے طریقے رائج تھے، جن میں دھوکہ کا عنصر پایا جاتا تھا مثلاً بیع نجش، ایسی شئے کی بیع، جو وجود میں نہ آئی ہو، جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی خرید وفروخت، غیر مملوکہ اشیاء اور پھلوں کے آنے سے پہلے اُن کی خرید وفروخت۔ اِسلام نے ان سب سے منع کیا ہے۔ اگرچہ حدیث شریف میں دھوکہ دہی پر مشتمل خرید وفروخت کے اِن تمام معاملات سے فرداً فرداً منع کیا گیا ہے لیکن ایک حدیث ایسی بھی ہے کہ جس میں عمومیت کیساتھ اِن سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ

ترجمہ: ''بے شک نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے، (سنن ابو داود، کتاب البیوع، باب فی بیع الغرر، رقم الحدیث: 3376)۔''

خرید وفروخت کے معاملہ میں دھوکہ کرنے والوں کے لئے اِس سے بڑھ کر وعید کیا ہوگی کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں: صحیح مسلم شریف میں ایک واقعہ درج ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گذر ایک غلہ فروش کے پاس سے ہوا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو (اُس کا غلہ) اچھا لگا لیکن جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے دیکھا تو اُس میں گیلا پن محسوس ہوا۔ لہذا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کی بارش کی وجہ سے گیلا پن پیدا ہو گیا ہے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: پھر اُسے غلہ کے اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے (اور دھوکہ نہیں کھاتے)۔ (سن لو) جو ہم

سے دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے ، (صحیح مسلم، کتاب الایمان ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا، رقم الحدیث :102)۔

بیع وشراء میں دھوکہ سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر کے طور پر خیار کی مختلف صورتوں مثلاً خیارِ عیب، خیارِ رویت اور خیارِ غبن وغیرہ کو متعارف کرایا گیا ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا تمام بیوع اور خیارات کے بارے میں تفصیلی احکام اُن کے عنوان کے تحت آئینگے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ذخیرہ اندوزی کی مذمت :

اگرچہ اِسلام افراد کو حصول نفع کے لئے بیع وشراء اور فطری مقابلہ کی آزادی دیتا ہے لیکن اِس شرط کے ساتھ کہ لوگ خودغرضی اور لالچ میں مبتلا ہو کر اپنی دولت میں اضافہ کرتے نہ چلے جائیں ۔ کیونکہ اگر تاجر کو اِس معاملے میں بالکل چھوٹ دے دی جائے تو وہ دولت ومنافع کے حصول میں بے خوف ہو جائیگا اور اپنے اِس مقصد کے لئے ہر طریقے کو اپنانے کی کوشش کرے گا خواہ وہ غذائی اجناس اور قوم کی دیگر اشیائے صرف ذخیرہ اندوزی ہی کے ذریعہ کیوں نہ سمیٹی جاسکے ۔ احادیث مبارکہ میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ذخیرہ اندوزی کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے ۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَ بَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ

ترجمہ: ”جس نے چالیس دن تک غلہ روکے رکھا، وہ اللہ تعالیٰ سے اور اُس سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہے، (مسندِ احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، رقم الحدیث :4865)۔“

دوسری حدیث میں ہے: **مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ**

ترجمہ:'' ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے، (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، رقم الحدیث:1605)۔''

ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفسیات کیا ہوتی ہے، اُسے ایک اور حدیث میں بیان کیا ہے۔ حدیث شریف یہ ہے:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ سَمِعَ بِرُخْصٍ سَاءَهُ وَاِنْ سَمِعَ بِغَلَاءٍ فَرِحَ

ترجمہ:'' بہت برا ہے وہ بندہ، جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، جب چیزیں سستی ہوتی ہیں، تو بُرا محسوس کرنے لگتا ہے اور جب مہنگی ہوتی ہیں، تو خوش ہو جاتا ہے، (المعجم الکبیر، باب المیم، من اسمہ معاذ، ما اسند معاذ بن جبل الانصاری، رقم الحدیث:186)۔''

نیز فرمایا: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ

ترجمہ:'' بازار میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الحکرۃ والجلب، رقم الحدیث:2153)۔''

کاروباری نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ تاجر اپنی اشیائے تجارت کا ذخیرہ کرلے تاکہ ضرورت کے وقت وہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر مہنگے داموں فروخت کرکے زیادہ سے زیادہ منافع کما سکے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تاجر اشیائے ضرورت بازار میں لے آئے اور تھوڑے منافع پر اُسے فروخت کردے اور پھر دوسرا مال بازار میں لے آئے اور اسی طرح منافع کماتا رہے۔ منافع کے حصول کے یہ دونوں طریقوں میں سے پہلے میں استحصال، ضرورت مندوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا اور طمع و لالچ نظر آتا ہے لیکن دوسرے میں تمدنی مصلحت بھی ہے اور برکت بھی اور ایسا تاجر رزق بھی حاصل کرتا ہے، جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ والہٖ

وسلم نے اپنی حدیث میں خوشخبری سنائی ہے۔

ذخیرہ اندوزی کے بارے میں ایک اہم حدیث حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لئے اموی حاکم عبید اللہ بن زیاد تشریف لائے، تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

جس نے مسلمانوں کے لئے گرانی پیدا کرنے کی غرض سے قیمتوں میں مداخلت کی، تو اللہ پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ پر بٹھائے، (مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ)۔"

بازار کی آزادی میں مداخلت کی ممانعت:

زمانہ جاہلیت میں خرید و فروخت کے معاملے میں ایک طریقۂ کار یہ بھی تھا کہ کوئی شہری شخص دیہاتی کا مال اس طرح فروخت کرے کہ دیہاتی کھلے بازار (Open Market) میں نہ آسکے۔ فقہی اصطلاح میں اس طرح کی خرید و فروخت کو "بیع حاضر لباد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جس کے تفصیلی احکام بیوع کے ضمن میں آئینگے۔ خرید و فروخت کے اس طریقۂ کار میں چونکہ بازار کی آزادی میں مداخلت پیدا ہوتی ہے کہ دیہاتی اگر اُس مال کو خود فروخت کرتا، تو چیز سستے داموں فروخت ہوتی، جس سے وہ خود بھی نفع کماتا اور دوسرے لوگ بھی فائدہ حاصل کرتے لہذا مذکورہ تجارت کی اِس خرابی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

نے اس سے منع فرمادیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

نُهِينَا اَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَوْ كَانَ اَخَاهُ اَوْ اَبَاهُ

ترجمہ:" (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا) کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا تھا کہ کوئی

شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت کرے خواہ وہ اس کا سگا بھائی یا باپ ہی کیوں نہ ہو، (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الحاضر للبادی، رقم الحدیث: 2808)۔"

اسی طرح کے مضمون پر مشتمل ایک اور حدیث ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ یَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ

ترجمہ: "کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑو۔ اللہ (تعالیٰ) ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دیتا ہے، (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث: 1522)۔"

بازار کی آزادی پر اثر انداز ہونے کا ایک اور طریقہ جسے "تلقی الجلب" کہا جاتا ہے، جس میں شہری آگے بڑھ کر دیہاتی سے مال کم قیمت پر خرید کر شہر میں منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتا ہے، اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

تجارت میں کثرت سے قسمیں کھانا:

عام طور پر خرید و فروخت کے معاملہ میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ تاجر حضرات بعض اوقات اپنے مال کو فروخت کرنے کے لئے قسم کا سہارا لیتے ہیں تاکہ خریدار اُن کی قسم پر اعتبار کر کے مال خرید لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کو کثرت سے قسم اُٹھانے خصوصاً جھوٹی قسموں سے منع کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَ کَثْرَةَ الْحَلِفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّهٗ یُنَفِّقُ ثُمَّ یَمْحَقُ

ترجمہ: "اپنے مال کو فروخت کرتے وقت زیادہ قسمیں کھانے سے اِجتناب کرو، کیونکہ یہ (وقتی طور پر) تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن اِس سے برکت ختم ہو جاتی ہے، (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب النھی عن الحلف فی البیع، رقم الحدیث: 1607)۔"

ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان شخص کا حق جھوٹی قسم اٹھا کر چھین لیا، اس کے لیے اللہ نے جہنم کی آگ واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر چہ وہ شئے معمولی سی ہی کیوں نہ ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی شاخ (مسواک) ہی کیوں نہ ہو، (صحیح مسلم)۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے جان بوجھ کر ایسی جھوٹی قسم کھائی، جس کے نتیجے میں اُس نے کسی مسلمان کا مال (ناحق) کھایا وہ اللہ (تعالیٰ) کو (قیامت کے دن) اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا۔''

زیادہ قسم اُٹھانے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اِس سے آدمی نہ صرف دوسروں کے سامنے بے اعتبار ہو جاتا ہے بلکہ اُس کے دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے اور وہ بے خوف ہو جاتا ہے۔

ناپ تول میں کمی:

دھوکہ دہی اور دوسروں کے مال کو ناجائز حاصل کرنے کا ایک طریقہ ناپ تول میں کمی بھی ہے، جس کی اسلام میں پر زور مذمت کی گئی ہے۔ قرآنِ مجید میں ایک نہیں بلکہ متعدد آیاتِ کریمہ ایسی ہیں، جن میں ناپ تول میں کمی سے روکا گیا ہے اور اِس کے مرتکب کیلئے شدید وعید بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ

ترجمہ: ''انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو، (سورۂ انعام، آیت:152)''۔

ایک اور مقام پر فرمایا!

اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا☆

ترجمہ: ’’ اور جب تم ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے اور اِس کا انجام بہت اچھا ہے، (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:35)‘‘۔

سورۂ المطففین کی ابتدائی آیاتِ کریمہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، جسے پڑھ کر ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس قدر بڑا گناہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ☆الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ☆وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ☆اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ☆لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ☆ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ☆

ترجمہ: ’’ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید عذاب ہے، وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں، کیا اِن لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اُٹھایا جائے گا؟ بہت بڑے دن میں جب سب لوگ ربُّ العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، (سورۂ مطففین، آیت: 1 تا 6)‘‘۔

قرآنِ مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا قصہ متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے، جن میں اُن میں موجود کئی بری خصلتوں کا تذکرہ موجود ہے۔اُن کی جملہ برائیوں میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اِس برے اور ناپسندیدہ فعل سے روکا لیکن وہ باز نہیں آئے اور عذابِ الٰہی سے دوچار ہوئے۔سورۂ شعراء میں حضرت شعیب کی تبلیغ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ ☆ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ☆وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ☆

ترجمہ: ''پیمانہ پورا بھر کردو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو، (سورۂ شعراء، آیت: 181 تا 183)''۔

☆☆☆

باب......۲

بیع وشراء (خرید وفروخت Sale/Purchase)

بیع وشراء کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

بیع کے لغوی معنیٰ ''خرید وفروخت'' کے ہیں اور اِصطلاحِ شریعت میں باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی غرض سے مال کے بدلے مال خریدنا/فروخت کرنا ''بیع'' کہلاتا ہے۔ اِس کے مقابلے میں عام طور پر شراء کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کے لغوی معنیٰ بھی ''خرید وفروخت'' ہی کے ہیں یعنی یہ دونوں الفاظ اَضداد میں سے ہیں لیکن اِصطلاح میں بیع کے معنیٰ کسی شئے کو ثمن (Agreed Price) کے بدلے میں اپنی ملکیت سے نکال کر دوسرے کی ملکیت میں دینے اور شراء کے معنیٰ ''کسی شئے کی قیمت ادا کر کے اُسے اپنے قبضہ (Possession) میں لینے'' کے ہیں۔ بیع وشراء کی درجِ بالا مختصر وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ اِن دونوں الفاظ کے معنیٰ ''خرید وفروخت'' کے ہیں، لیکن عام طور پر بیع کو فروخت کرنے اور شراء کو خریدنے کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں فروخت کنندہ (Seller) کو ''بائع'' اور خریدار (Purchaser) کو ''مشتری'' کہتے ہیں۔

بیع وشراء کی شرعی حیثیت:

بیع وشراء کی مشروعیت قرآن وحدیث اور اِجماعِ امت سے ثابت ہے۔ ذیل میں اِس حوالے سے چند آیاتِ کریمہ، اَحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اَقوالِ فقہاءِ کرام درج کئے جارہے ہیں:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط

ترجمہ: ''اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، (سورۂ بقرہ، آیت: 175)''۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ ص يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ☆

ترجمہ: ''وہ مرد جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اور وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں، جس میں دل اُلٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں، (سورۂ نور، آیت: 37)''۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ()

ترجمہ: ''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ تمہاری رضامندی سے تجارت ہو، (سورۂ نساء، آیت: 29)''۔

اِس کے علاوہ قرآنِ مجید کے متعدد مقامات پر تجارت و معاش کو ''اللہ تعالیٰ کا فضل'' قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ☆

ترجمہ: ''پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو، (سورۂ جمعہ، آیت 29)''۔

درجِ بالا آیتِ کریمہ میں ''فضل'' سے مراد تجارت و معاش ہے۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی تجارت کے فضائل مختلف انداز میں بیان کئے گئے ہیں، جو اِس کے مہتم بالشان ہونے پر دلیل ہے۔

عَنْ رَافِعِ ابْنِ خُدَيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ، قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِهٖ وَ کُلُّ بَیْعٍ مَّبْرُوْرٍ

ترجمہ: ''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم سے پوچھا گیا'' اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم! سب سے زیادہ اچھی کمائی کون سی ہے؟ آپ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:'' آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت، جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب البیوع، باب ای الکسب اطیب، رقم الحدیث:6210)۔''

اِس حدیث مبارک میں تجارت سے حاصل کردہ آمدنی کو سب سے بہترین اور پاکیزہ آمدنی قرار دیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ سچائی اور امانت داری کے ساتھ معاملہ کرنے والا تاجر نبیوں، صدِّیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار تسمیۃ التی ایاھم، رقم الحدیث:1252)

خرید وفروخت کے جواز (Validity) پر ہمیشہ سے اُمت کا اِجماع یعنی اِتفاق رہا ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ سلّم کے زمانۂ مبارک سے تا حال مسلمانوں کا اِس پر عمل بھی ہے۔ خود حضور صلّی اللہ علیہ سلّم نے اعلانِ نبوت سے قبل اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملکِ شام کی طرف کئے تجارتی سفر کئے اور اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مالِ تجارت کی غرض سے ملکِ شام لے گئے۔ اِسی طرح تجارت وکاروبار میں رہنمائی کے

لئے ہمارے پاس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ اُسوۂ کاملہ بھی موجود ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد نہ صرف نظامِ عبادت کو قائم کرنے کے لئے مسجد کی تعمیر فرمائی بلکہ بیع وتجارت کے لئے بھی نظام مرتب کیا اور خود اِس کی نگرانی بھی فرمائی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اِس عمل سے نہ صرف مسلمانوں کو مالی فائدہ حاصل ہوا بلکہ مدینہ منورہ کے بازار سے یہود ونصاریٰ کی اِجارہ داری (Monopoly) کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ چنانچہ جید صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرِ فاروق، حضرت عثمانِ غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اَجمعین نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ میں اور آپ صلّی اللہ علیہ سلّم کے وِصال فرما جانے کے بعد بھی تجارت کو بطورِ پیشہ اختیار کئے رکھا۔ فقہاءِ کرام میں سے اکثر تجارت کیا کرتے تھے، جیسے اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کپڑے کے تاجر تھے۔ بعض فقہاءِ کرام کے نزدیک جہاد کے بعد سب سے بہتر عمل ''تجارت'' ہے پھر زراعت اور پھر صنعت وحرفت ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تجارت جائز ہو، کیونکہ انسان فطری اعتبار سے مدنی بالطبع ہے یعنی اپنی تمام تر ضرورتوں کو خود پورا نہیں کرسکتا، بلکہ اُن کی تکمیل میں ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص کے پاس کوئی شئے ہوتی ہے، جس کی اُسے ضرورت نہیں ہوتی جبکہ دوسرے شخص کو اُس کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا پہلا شخص اپنی فاضل شئے کو ضرورت مند کے ہاتھوں فروخت کردیتا ہے اور اُس کا بدلہ ثمن یعنی قیمت کی صورت میں لے لیتا ہے، جس سے دونوں کو فائدہ ہوجاتا ہے اور تبادلۂ مال کا یہی عمل شرعی اعتبار سے ''تجارت'' کہلاتا ہے۔

عناصرِ بیع (Elements of Bai):

عناصرِ بیع مندرجہ ذیل ہیں:

۱...... بائع (Seller): فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں۔

۲...... مشتری (Buyer/Purchaser): خریدار کو کہتے ہیں۔

۳...... مبیع (Subject Matter/Commodity):

عقدِ بیع میں جو چیز متعین ہو اور فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو دی جائے، وہ مبیع کہلاتی ہے۔

۴...... ثمن/ثمنِ مسمّٰی (Agreed Price):

کسی شئے کی وہ متفقہ قیمت، جسے فریقین عقدِ بیع کے وقت باہمی رضامندی کے ساتھ بھاؤ تاؤ کے ذریعے طے کرلے، ''ثمن یا ثمنِ مسمیٰ'' کہلاتی ہے۔ ثمن مسمیٰ مبیع کی اصل قیمت کے برابر بھی ہوسکتی ہے اور کم یا زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔

۵...... ایجاب وقبول (Offer and Acceptance):

بائع یا مشتری کا کسی چیز کو بیچنے کے لئے یا خریدنے کے لئے پیشکش کرنا ''ایجاب'' کہلاتا ہے۔ جیسے بائع کا کہنا کہ میں نے یہ چیز آپ کو فروخت کی یا مشتری کا کہنا کہ میں نے فلاں چیز آپ سے خریدی۔ ہمارے ہاں ایجاب کے بارے میں ایک غلط تصور پایا جاتا ہے کہ ایجاب ہمیشہ بیچنے والے کی طرف سے ہی ہوتا ہے حالانکہ مشتری یا بائع میں سے جو بھی پہل کرے گا، اُسی کا قول ایجاب ہے، یعنی عقدِ بیع کی اِنشاء میں پہل کو ایجاب کہا جاتا ہے۔ بائع (Seller) نے ایک خاص ثمن پر کسی شئے کو فروخت کا ایجاب یا پیشکش (Offer) کی ہو اور مشتری اُسے تسلیم کرلے تو اصطلاحِ فقہ میں یہ قبول کہلاتا ہے، اِس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ مشتری ایک خاص ثمن پر مال خریدنے کی پیشکش (ایجاب) کرے اور بائع اسے تسلیم کرلے یا مال مشتری کے حوالے کردے، یہ بھی قبول کہلائے گا۔

مذکورہ بالا عناصر میں ایجاب وقبول ارکانِ بیع میں سے ہیں، جن کی عدم موجودگی

میں بیع منعقد ہی نہیں ہوگی۔

معاملۂ بیع میں استعمال ہونے والی چند اہم اصطلاحات:

اہمیت کے پیش نظر ذیل میں معاملۂ بیع میں استعمال ہونے والی چند اہم اصطلاحات درج کی جارہی ہیں:

ذوات الامثال(Common Goods/Fungible Goods):

ایسی اشیاء جن کے ہلاک یا ضائع ہو جانے کی صورت میں تاوان اُسی طرح کی شیئے کے ساتھ دیا جا سکے جو مقدار و معیار میں ہلاک یا ضائع شدہ اشیاء کی طرح ہوں یا جن اشیاء کی مثل بازار میں دستیاب ہو جیسے گندم، جو، چینی اور چاول وغیرہ۔

ذوات القیم(Rare Goods/Non-Fungible Goods):

ایسی اشیاء جن کے ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان اس جیسی اشیاء کے ساتھ نہ دیا جا سکے بلکہ اُن کی بازاری قیمت کا حساب لگا کر دیا جا سکے۔ جیسے بکری، گائے، بھینس اور معدودات متفاوتہ(Dis-similar countable things) وغیرہ کیونکہ اِن کی ہر اکائی دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

عددی متقارب (Closely Resembling Things Sold by Numbers):

ایسی معدودی اشیاء جو اپنے جیسی دوسری چیزوں سے زیادہ مختلف نہ ہوں بلکہ شکل وصورت کے اعتبار سے تقریباً ایک جیسی ہوں، وہ عددی متقارب ہیں، جیسے اخروٹ ،انڈے وغیرہ۔

عددی متفاوت(Dis-similar Things):

اگر عددی اشیاء کا ایک یونٹ دوسرے یونٹ سے بہت زیادہ مختلف ہو، ایسی

اشیاء ''عددی متفاوت'' کہلاتی ہیں جیسے بکری اور اُونٹ وغیرہ۔

قبضہ (Possession):

معاملۂ بیع وشراء میں قبضہ سے مراد یہ ہے کہ مبیع پر حقیقی یا حکمی اعتبار سے مشتری کو دسترس حاصل ہو جائے کہ وہ اُس پر بغیر کسی دقت اور رکاوٹ کے تصرّف کر سکے۔

قبضۂ حقیقی (Physical Possession):

اس سے مراد مال کو حسی یعنی جسمانی طور پر اپنے قبضے میں لے لینا، جیسے کسی چیز کو خرید کر اُسے استعمال کرنے لگنا یا اپنے ساتھ لے جانا وغیرہ ''قبضۂ حقیقی'' ہے۔

قبضۂ حکمی (Constructive Possession):

اگر مال جسمانی طور پر یعنی بالفعل کسی کے قبضے میں نہ آئے، لیکن اُس کی ملکیت (Ownership) دوسرے کے پاس اِس طریقے سے آ گئی ہو کہ وہ جس وقت چاہے اُس پر بغیر کسی روک ٹوک کے تصرف کر سکے, مثلاً کسی نے شوروم سے کار خریدی اور بائع (Seller) نے اُس کی ملکیت اور ضروری دستاویزات (Documents) مشتری کے حوالے کر دیئے ہوں، جبکہ کار ابھی شوروم میں ہی کھڑی ہے، اب مشتری جس وقت چاہے کار وہاں سے لے جا سکتا ہے یا اُسے کسی اور کو فروخت کر سکتا ہے یا ہبہ کر سکتا ہے، یہ حکمی قبضہ (Constructive Possession) ہے۔

عین/مال (Goods):

''مال'' سے مراد ہر وہ شئے ہے، جسے ضرورت کے لئے محفوظ کیا جائے، طبعیت اُس کی طرف مائل ہو اور اُس کا لینا دینا معتبر سمجھا جاتا ہو۔

مالِ غیر متقوم (Non-Valuable Goods):

اِس سے مراد وہ شئے ہے، جسے شریعت نے مال تسلیم نہ کیا ہو اگرچہ دوسرے مذاہب میں وہ مال سمجھا جاتا ہو، جیسے خنزیر کا گوشت یا شراب وغیرہ۔

مالِ مثمن (Priced Goods):

وہ مال، جسے کسی ثمن کے عوض فروخت کیا گیا ہو، وہ ''مالِ مثمن'' ہے۔

مالِ محرز (Protected Goods):

وہ مال جو کسی محفوظ جگہ پر یا کسی کی حفاظت اور نگرانی میں رکھا ہو، وہ ''مالِ محرز'' ہے۔ اِس طرح کے مال کی چوری کی صورت میں چور پر حدِ سرقہ (چوری کی سزا) نافذ کی جاتی ہے۔

مالِ نامی (Capital):

اِس سے مراد وہ مال ہے، جس میں بڑھوتری ہو رہی ہو۔ جیسے سونے چاندی یا اِن کی بنی ہوئی اشیاء۔ اِسی طرح مالِ تجارت بھی مالِ نامی ہے۔ واضح رہے کہ سونے اور چاندی پر ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، چاہے وہ استعمال میں ہو یا نہ ہو۔ بعض لوگ زیرِ استعمال سونے اور چاندی کو ضروریاتِ زندگی میں شمار کر کے اُن کی زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں، جو کہ شرعاً درست نہیں ہے۔

جائدادِ منقولہ (Moveable Property):

''جائدادِ منقولہ'' سے مراد ایسے اموال ہیں، جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔ جائدادِ منقولہ میں مکیلات (ماپ کر فروخت کی جانے والی اشیاء)، موزونات (وزن کے ذریعے فروخت کی جانے والی اشیاء)، عددیات (گن کر یا شمار کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء) اور مذروعات (گز یا میٹر کے حساب سے فروخت کی جانے والی

اشیاء) شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً سونا، چاندی، گندم، کپڑا اور گھریلو سازوسامان وغیرہ۔

جائدادِ غیر منقولہ (Immoveable Property):

اِس سے مراد وہ جائداد ہیں، جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جا سکے۔ مثلاً زمین، دکان اور مکانات وغیرہ۔

موزونی / وزنی (Things Estimated by measure of Weight):

جن اشیاء کو وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، وہ ''موزونی'' اشیاء کہلاتی ہیں۔ جیسے گندم، چاول اور مختلف اجناس وغیرہ۔

مکیلی / کیلی (Things Estimated by measure of Capacity):

جو اشیاء ماپ کر فروخت کی جاتی ہیں، وہ مکیلی اشیاء ہیں، جیسے دودھ وغیرہ۔ پرانے زمانہ میں اِن چیزوں کا ''صاع'' نامی آلے سے ماپ تول کیا جاتا تھا۔

شرائطِ بیع:

جوازِ بیع (Validity of Sale Contract) کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

فروخت کنندہ اور خریدار کے لئے شرائط:

۱...... فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کا عاقل و بالغ ہونا۔

۲...... فروخت کنندہ اور خریدار دونوں مختلف ہوں یعنی ایک ہی شخص فروخت کنندہ اور خریدار نہیں ہوسکتا، جیسا کہ بعض کاروبار میں ہوتا ہے۔ البتہ اگر کسی نابالغ یا یتیم کا ولی (Guardian) اُس کی چیز کو خرید رہا ہو، تو اِس صورت میں بحیثیت ولی وہ فروخت کنندہ اور بحیثیت خریدار وہ مشتری ہوسکتا ہے۔

۳...... ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے کلام (ایجاب و قبول) کو بلا واسطہ

(Direct) یا بالواسطہ (In-Direct) سننا۔

مبیع (Commodity/Subject Matter) کے متعلق شرائط:

ا...... مبیع (Commodity) کا موجود ہونا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ مبارک مروی ہے کہ:

نَهَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِیْ

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے اِس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے، میں اُس کی فروخت کا کسی سے معاملہ کروں، (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک، رقم الحدیث: 1233)۔"

بیع معدوم کے بارے میں ایک اور حدیث مبارک ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) یَاتِیْنِی الرَّجُلُ یَسْاَلُنِیْ مِنَ الْبَیْعِ مَالَیْسَ عِنْدِیْ اَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوْقِ ثُمَّ مَا اَبِیْعُهُ ،فَقَالَ لَاتَبِعْ مَالَیْسَ عِنْدَکَ

ترجمہ: "حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم میرے پاس ایک شخص آتا ہے۔ وہ مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے لہذا میں سودا کر لیتا ہوں اور وہ چیز اسے بازار سے خرید کر دے دیتا ہوں، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اسے فروخت نہ کرو، (سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ وسلم، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک، رقم الحدیث: 1232)۔"

درّ مختار میں کتاب البیوع باب البیع الفاسد میں معدوم شئے کے بارے میں لکھا

ہے:

لم یرد الشرع بجوازہ و قد نھیٰ رسول اللہ عن بیع ما لیس عندہ

ترجمہ: ''بیع معدوم کے جواز پر شرع وارد نہیں ہے اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے اُس چیز کی بیع سے منع کیا ہے، جو فروخت کنندہ کے پاس نہ ہو۔''

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوٰی رضویہ میں درِ مختار شرح تنویر الابصار کے حوالے سے لکھا: **بطل بیع المعدوم** یعنی معدوم شئے کی بیع باطل ہے (فتاوٰی رضویہ طبع جدید، جلد: 17، صفحہ نمبر: 321 بحوالہ در مختار شرح تنویر الابصار، کتاب البیوع، باب البیوع الفاسدہ)

۲۔ مالِ متقوّم (Valuable Goods) ہونا۔

مالِ متقوم دو معنیٰ میں مستعمل ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مالِ متقوم وہ مال یا شئے ہے، جس سے فائدہ حاصل کرنا شریعت میں جائز ہو، جیسے کمپیوٹر، گندم اور حلال جانوروں کا گوشت وغیرہ لہٰذا شراب اور خنزیر کا گوشت مالِ متقوم نہیں ہیں کیونکہ شریعت نے انہیں مال تسلیم نہیں کیا۔ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے اِس سے مراد وہ مال ہے، جس کو حفاظت کے ساتھ رکھا جاسکے، چنانچہ دریا میں موجود مچھلیاں اُس وقت مالِ متقوم ہونگی، جب انہیں شکار کرلیا جائے، (تلخیص از مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادہ نمبر: 127)۔

۳۔ مملوک ہونا۔

مملوک ہونے سے مراد یہ ہے کہ مبیع (Subject Matter) فروخت کے وقت بائع (Seller) کی ملکیت میں ہو، اگر کوئی چیز مستقبل کی کسی تاریخ میں ملکیت میں آنا متوقع ہو، تو اُس کی بیع جائز نہیں ہے البتہ اُس کی خرید یا فروخت کا وعدہ کیا جاسکتا ہے، جسے ''وعدۂ بیع'' کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ایسی شئے کی خرید و فروخت سے

منع فرمایا ہے، جو فروخت کنندہ کی ملکیت میں نہ ہو۔

۴۔ مقدور التسلیم / قابلِ حوالگی (Possess able) ہونا:

مقدور التسلیم کا مطلب یہ ہے کہ مبیع ایسی ہو، جسے مشتری (Buyer) کے حوالے کیا جا سکے۔ لہذا کوئی بھی ایسی شئے جسے خریدار کے حوالہ کرنا ممکن نہ ہو، اُسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگر چہ وہ شئے فروخت کنندہ کی ملکیت میں ہو۔ مثلاً کسی شخص کا اپنی مملوکہ گمشدہ کار کسی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ مبیع کا فروخت کنندہ کی ملکیت میں ہونے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فروخت کنندہ کے اِس طرح قبضے میں ہو کہ خریدار اُس پر قبضہ بھی لے سکے۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ!

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَنْ اِبْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا'' جو شخص غلّہ (وغیرہ) خریدے، تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اُس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے، (مسلم شریف، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، رقم الحدیث: 1525)۔''

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اِس حدیث میں اگر چہ خاص طور پر غلے کا ذکر ہے لیکن یہ حکم تمام اشیاء کے بارے میں ہے۔

حکماً مقدور التسلیم کی شرعی حیثیت:

کوئی شئے اگر حقیقی طور پر مقدور التسلیم نہ ہو، بلکہ حکمی (Constructive) ہو، تو بھی بیع جائز ہے مثلاً کسی ایسے جانور کی خرید و فروخت، جو وقتِ بیع فروخت کنندہ کے پاس نہیں ہے بلکہ چرنے کیلئے کھیت وغیرہ میں موجود ہے اور غالب گمان ہے کہ عادت کے مطابق وہ شام کو واپس آ جائیگا تو فی الحال مقدور التسلیم نہ ہونے کے باوجود بھی ایسے جانور کی

بیع جائز ہے کیونکہ حکماً وہ مقدور التسلیم ہے۔ اِسی طرح ایسے مالِ مغصوب کی بیع، جو غاصب کے پاس ہے لیکن مالک نے اُس کے حصول کے لئے دعویٰ دائر کیا ہو، جس پر ایسے عادل گواہ موجود ہوں کہ قوی اُمید ہے کہ مال مالک کو مل جائیگا تو ایسی شئے کی خرید وفروخت بھی حکماً مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

باع المغصوب من غير الغاصب ان كان الغاصب جاحدا يدعىٰ انه له ولم يكن للمغصوب منه بينة لايجوز بيعه و ان كا له بينةُ جاز بيعه

ترجمہ: ''اصلی مالک نے غصب شدہ مال کی بیع غیر غاصب کے ہاتھ کردی (تو اس صورت میں) اگر مالک کے پاس غصب شدہ مال کے لئے گواہ نہیں ہے، تو بیع جائز نہیں اور اگر اِس کے پاس گواہ ہو، تو بیع جائز ہے (فتاوٰی قاضی خان، کتاب البیوع، فصل فی البیع الباطلِ)۔''

یہی حکم اُس پرندے کا بھی ہے، جسے مالک نے پرواز کے لئے فضا میں چھوڑ دیا ہو، لیکن اپنی عادت کے مطابق وہ پرندہ واپس آجاتا ہے، تو اُس کی بیع بھی جائز ہوگی۔

درِ مختار شرح تنویر الابصار میں ہے:

فسد بيع طيرِ فى الهواءِ لا يرجع و أن يطير و يرجع صح

ترجمہ: ''اُس پرندے کی بیع، جو ہوا میں محوِ پرواز ہے اور اُس کے واپس آنے کی اُمید نہیں ہے تو (اُس کی بیع)، جائز نہیں ہے اگر وہ واپس آجائیگا تو جائز ہے، (درِّ مختار شرح تنویر الابصار، باب البیع الفاسد)۔''

ایجاب وقبول کے متعلق شرائط:

ا۔ایجاب وقبول میں موافقت (Similarities) ہونا۔

یعنی جس چیز کا ایجاب ہے اسی کو قبول کرنا یا جس چیز کے ساتھ ایجاب کیا ہو اسی کے ساتھ قبول ہو۔ مثلاً فروخت کنندہ نے آٹا فروخت کرنے کا ایجاب کیا اور مشتری نے کہا

کہ میں نے تم سے گندم خریدی، تو یہ بیع جائز نہیں کیونکہ ایجاب وقبول میں موافقت نہیں ہے۔اسی طرح ایجاب وقبول کی تاریخ میں بھی موافقت اور ترتیب ضروری ہے یعنی دونوں ایک ہی تاریخ میں واقع ہوں اور ایجاب پہلے اور قبول بعد میں ہو۔

2۔ایجاب وقبول کا ایک ہی مجلس میں ہونا۔

ایجاب وقبول کی عام طور پر چار صورتیں ہیں:

۱۔	قولی(Verbally)	۲۔	فعلی(By Indication)
۳۔	تحریری(In Written)	۴۔	ضمنی(By Default)

قولی ایجاب وقبول کی صورت میں ضروری ہے کہ دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں، اگر ایجاب ایک مجلس میں کیا جائے اور قبول دوسری مجلس میں ، تو شرعاً یہ درست نہیں ہے۔مجلس میں قبول کرنے کا اختیار اختتامِ مجلس تک ہوتا ہے جبکہ مجلس کے برخواست ہوجانے کے بعد یہ اختیار ختم ہوجاتا ہے۔اِس کی تفصیل آگے خیارِ قبول / مجلس کے تحت آئیگی ،(ان شاءاللہ تعالیٰ)۔

اگر ایجاب وقبول تحریری ہو،تو ضروری ہے کہ جس مجلس میں ایجاب کا پیغام ملا فوری طور پر اُسی مجلس میں قبول کیا جائے وگرنہ بیع منعقد نہیں ہوگی۔یہی حکم موجودہ زمانے میں فیکس ،ای میل اور اِس طرح کے دوسرے ذرائع کو استعمال کرنے میں ہے۔تحریری ایجاب وقبول میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ مبیع وثمن (Subject matter and Price) کے بارے میں تمام چیزوں کو واضح طور پر لکھ کر اور بیان کرکے ہر قسم کے ابہام(Ambiguity) کو دور کردیا جائے وگرنہ مستقبل میں فریقین کے درمیان تنازع (Dispute) پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

بیع تعاطی میں ایجاب وقبول فعلی ہوتا ہے۔ایجاب وقبول ضمنی سے مراد یہ ہے کہ

معاملۂ بیع میں واضح طور پر ایجاب وقبول نہ ہورہا ہو، بلکہ کسی اور معاملے کے ساتھ ضمناً یہ بھی منعقد ہوجائے، جیسے کسی نے دوسرے شخص کو یہ کہا کہ تم اپنی فلاں چیز میری طرف سے صدقہ کردو، اب اگر دوسرے شخص نے اپنی شئے کو اُس کے کہنے پر صدقہ کردیا تو کہنے والے پر اُس شئے کی قیمت لازم ہوجائے گی کیونکہ اُس کی جانب سے صدقہ تب ہی ممکن ہے، جب وہ شئے اُس کی ملکیت میں آئے لہذا ضمنی طور پر ایجاب وقبول کے ساتھ یہاں پر بیع کا معاہدہ بھی ہوجائیگا۔

۳۔ایجاب وقبول کے الفاظ۔

دونوں کے الفاظ ماضی کے ہوں یعنی ایک کہے کہ میں نے بیچا اور دوسرا کہے کہ میں نے خریدا یا دونوں حال کے ہوں یعنی میں فروخت کرتا ہوں اور دوسرا کہے کہ میں خریدتا ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو یعنی میں نے فروخت کیا اور دوسرا کہے کہ میں خریدتا ہوں۔ مستقبل کے صیغے کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوتی، چاہے بائع ومشتری میں سے دونوں کا قول مستقبل کا ہو یا ایک کا ہو، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ بائع یا مشتری میں سے کسی نے امر کا جملہ استعمال کیا اور دوسرے نے ماضی کے لفظ کے ساتھ قبول کرلیا ہو، تو بھی بیع ہوجائیگی۔ ایجاب وقبول میں اُن الفاظ کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، جو بیع کے معنیٰ میں مستعمل ہوں یا عرف میں اُس سے مراد بیع ہی لی جاتی ہو مثلاً مالک بنانا اور قیمت ادا کرنا وغیرہ۔

اِسلامی بنکوں میں ایجاب وقبول:

مروّجہ اسلامی بنکاری نظام میں مرابحہ، اجارہ اور دیگر عقود (Contracts) میں تحریری ایجاب وقبول کو ہی زیادہ استعمال کیا جارہا ہے اور اِس میں بذریعہ فیکس، ای میل اور عام میل کے ذریعہ تحریری ایجاب یا قبول ارسال کیے جاتے ہیں۔ تحریری ایجاب وقبول

میں عام طور پر یہ غلطی مشاہدے میں آئی ہے کہ ایجاب وقبول کی تاریخ میں موافقت نہیں ہوتی اور کبھی ترتیب کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے یعنی ایجاب کے آئے بغیر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اِس طرح معاملۂ بیع باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول ارکانِ بیع میں سے ہیں۔ لہٰذا اِسلامی بنکار کے لئے ایجاب وقبول کی اِس اہم شرط کو مدّ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر قبول پہلے کر لیا جائے یا تاریخ آگے پیچھے ہو جائے اور معلوم ہو جانے پر صرف کاغذات (Documents) میں تبدیلی کر دی جائے تو معاملہ درست نہیں ہو جاتا جیسا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ نئے سرے سے معاملہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اِسمیں بھی یہ شرط ہے کہ مبیع استعمال نہ ہوئی ہو۔

ثمن کے متعلق شرائط:

۱ ثمن کا اس طرح معلوم ہونا کہ بعد میں خریدار و فروخت کنندہ کے درمیان کوئی نزاع (Dispute) واقع نہ ہو۔

۲ ثمن کی جنس کا معلوم ہونا یعنی وہ روپے میں ہے یا ڈالر میں۔

۳ نوع کا معلوم ہونا مثلاً وہ امریکن ڈالر ہے یا آسٹریلین ڈالر

۴ ثمن کے وصف (Characteristics/Qualities) کا معلوم ہونا یعنی وہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

۵ اگر ثمن مؤجل (Deferred) ہو تو ادائیگی کے وقت (Payment Time) کا واضح طور پر معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ ثمن مؤجل کی صورت میں یہ بھی شرط ہے کہ اگر خریدار نے وقتِ مقررہ پر ثمن کی ادائیگی نہ کی تو اُس کی وجہ سے قیمت میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ میں وہ اضافہ سود ہوگا، جو کہ حرام ہے۔

بیع کا حکم:

بیع کا حکم یہ ہے کہ ایجاب وقبول ودیگر شرائط کی تکمیل کے بعد خریدار مبیع کا مالک ہوجاتا ہے اور فروخت کنندہ اس کے عوض طے شدہ قیمت کے لینے کا حقدار ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایجاب وقبول ودیگر شرائط طے پاجانے کے بعد کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، (سوائے چند صورتوں کے، جن کا تذکرہ خیار کے عنوان میں آئیگا ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

بیع کی بنیادی اقسام:

فقہ المعاملات میں فقہ حنفی کی معروف کتاب ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' میں بنیادی طور پر بیع کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بیع منعقد (Executed Sale)

۲۔ بیع غیر منعقد/ بیع باطل (Non-Concluded /Void Sale)

۱۔ بیع منعقد (Executed Sale)

بیع منعقد کی اقسام:

بیع منعقد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں!

۱۔ بیع صحیح (Valid Sale)　　۲۔ بیع فاسد (Invalid Sale)

۳۔ بیع نافذ (Executable Sale)　　۴۔ بیع موقوف (Conditional Sale)

۱۔ بیع صحیح (Valid Sale)

بیع صحیح سے مراد وہ بیع ہے، جس میں ارکانِ بیع اور اوصافِ بیع مکمل طور پر موجود ہوں یعنی وہ اپنی ذات وصفات دونوں لحاظ سے درست ہو۔

بیع صحیح کا حکم:

اس بیع کا حکم یہ ہے کہ اس سے مبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور مبیع کے بدلے بائع مشتری سے ثمن لینے کا حقدار ہوتا ہے۔ البتہ ثمن اُسی وقت یا فریقین میں طے شدہ وقت کے مطابق مستقبل کی کسی تاریخ میں بھی لی جاسکتی ہے۔

۲۔ بیع فاسد (Invalid Sale)

بیع فاسد ایسی بیع کو کہتے ہیں، جو ذات کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن اپنے اوصاف میں نامکمل ہو یعنی ایسی بیع جس کے ارکان تو مکمل ہوں لیکن کچھ بیرونی اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہو یعنی ایسی شرط عائد کرنا، جو مقتضائے بیع کے خلاف ہو مثلاً کسی نے اپنی کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کی کہ خریدار بھی اپنی کوئی شئے اس سے فروخت کرے، تو چونکہ اس شرط سے ارکانِ بیع (ایجاب وقبول) اور محلِ بیع (مبیع) میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی اس لئے اس کو بیع منعقد کی اقسام میں شمار کیا گیا، مگر اس شرطِ فاسد کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔ اسی طرح بیع میں شراب کو ثمن قرار دیا گیا، تو بھی بیع فاسد ہے۔

بیع فاسد کا حکم:

بیع فاسد کی صورت میں جب مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اس سے مبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت ہوجائے گی لہذا اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک یا ضائع ہوگئی تو مشتری پر ضمان (حقیقی نقصان کا ازالہ) لازم آئیگا۔

۳۔ بیع نافذ (Executable Sale)

بیع نافذ سے مراد ایسی بیع ہے، جس میں کسی تیسرے کا حق نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں:

......بیع لازم اور بیع غیر لازم

(ا) بیع لازم (Revocable)
اگر بیع نافذ میں کسی قسم کا خیار نہ ہو تو وہ ''بیع لازم'' کہلاتی ہے۔

(ب) بیع غیر لازم (Irrevocable):
اگر بیع میں خیار (option) کی بھی شرط ہو تو اسے ''بیع غیر لازم irrevocable'' کہتے ہیں۔ خیار والی بیع کے غیر لازم ہونے کیوجہ یہ ہے کہ اگر بائع یا مشتری نے اپنا خیار استعمال کیا تو یہ بیع منعقد نہیں ہوتی ہے۔

۴۔ بیع موقوف (Conditional Sale)

بیع موقوف وہ ہے، جو نافذ کی طرح ذات وصفات دونوں میں مکمل ہو لیکن اس کا نفاذ عاقدین (خریدار اور فروخت کنندہ) کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر موقوف ہو۔ جیسے کسی شخص کا ایسی شئے کو فروخت کرنا، جو اس کی اپنی نہ ہو بلکہ کسی اور شخص کی ہو، اب یہ بیع اس وقت درست ہوگی جب تیسرا شخص (جو مالک ہے) اجازت دے۔

۲۔ بیع غیر منعقد/ بیع باطل (Non-Concluded Void Sale)

بیع غیر منعقد یا باطل سے مراد ایسی بیع ہے، جو اصلاً ذات وصفات دونوں لحاظ سے درست نہ ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے مبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا ہو، تو اس صورت میں مبیع اس کے پاس بطورِ امانت ہوگی اور امانت کے تمام اصول اس پر لاگو ہونگے۔ مثال کے طور پر دورانِ قبضہ اگر مبیع مشتری کی لاپرواہی کے بغیر ضائع ہوگئی تو مشتری ضامن نہیں ہوگا۔

بیع مکروہ (Unpleasant Sale) کی تعریف:

بیع مکروہ سے مراد ایسی بیع ہے، جس سے شریعت نے منع کیا ہو، لیکن وجہِ ممانعت

بیع کی ذات یا اُس کے وصف میں نہ ہو بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور ہو، جیسے اذانِ جمعہ کے شروع سے اختتامِ نماز تک کی بیع یا چیزوں کو اِحتکار (ذخیرہ اندوزی) کے بعد بیچنا وغیرہ۔ بیع مکروہ بھی شرعاً ممنوع ہی ہوتی ہے اوراس کا کرنے والا گناہ گار۔ بیع مکروہ میں کراہیت کے ساتھ ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اذانِ جمعہ کے بعد کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، (سورۂ جمعہ، آیت:9)“۔

مبیع (Subject Matter) کے اعتبار سے بیع کی اقسام:

مبیع کے اعتبار سے بیع کی درجِ ذیل چار اقسام ہیں:

۱۔ بیع مطلق (Absolute Sale)

۲۔ بیع مقایضہ (Barter Sale)

۳۔ بیع صَرف (Sale by Exchange of Money for Money)

۴۔ سلم یا سلف (Sale on Advance Payment)

۱۔ بیع مطلق (Absolute Sale)

اشیائے صرف کو نقود کے عوض فروخت کرنا ”بیع مطلق“ کہلاتا ہے، جیسے روپے دے کر اناج خریدنا وغیرہ۔ بیع کی سب سے بہترین اور پسندیدہ صورت یہی ہے، اِس کی

وجہ سے معاشرے میں معاشی ترقی رونما ہوتی ہے اور دولت کی حقیقی گردش عمل میں آتی ہے۔
قرآن و حدیث میں جس بیع کا ذکر آیا ہے عام طور پر اُس سے مراد بیع مطلق ہے۔

۲۔ بیع مقایضہ (Barter Sale)

اس سے مراد ایسی بیع ہے، جس میں مال کو مال کے عوض فروخت کیا جاتا ہے، جیسے گندم کے بدلے میں چاول کو بیچنا۔ اس بیع کو "بیع مبادلہ" بھی کہتے ہیں۔ شرعی لحاظ سے یہ بیع بھی جائز ہے، بشرطیکہ بیچی جانے والی اشیاء ہم جنس وقدر نہ ہو وگرنہ پھر اُن میں کمی بیشی کی صورت میں سود کا اطلاق ہو جائیگا۔ پہلے زمانے میں جب درہم و دینار اور کرنسی نوٹ کا رواج نہیں تھا تو اُس وقت لوگوں میں بیع کا یہی طریقہ مروّج تھا۔

بخاری شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم غزوۂ حنین کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، تو میں نے ایک زرہ کے عوض بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا۔

۳۔ بیع صَرف (Sale by Exchange of Money for Money)

ثمن کو ثمن کے عوض بیچنا "بیع صرف کہلاتا" ہے، جیسے سونے چاندی اور اِن کے سکوں کی بیع۔

بیع صرف کے احکام:

بیع صرف کے درست ہونے کے لئے درج ذیل شرائط عائد کی جاتی ہیں:

۱۔ اگر بیچی جانے والی اشیاء ہم جنس اور ہم قدر ہوں، تو شرط یہ ہے کہ دونوں نقد اور برابر ہوں۔ اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت جائز نہیں۔

۲۔ مجلسِ عقد ہی میں دونوں پر قبضہ شرط ہے۔

۴۔ سلم یا سلف (Sale on Advance Payment)

سلم بیع کی ایک خاص قسم ہے، جس میں خریدار فروخت کنندہ کو مبیع کی قیمت پہلے ہی ادا کر دیتا ہے اور فروخت کنندہ طے شدہ خصوصیات کی حامل مبیع ایک مقررہ مدت پر خریدار کے حوالے کرتا ہے۔ بیع سلم کو "بیع سلف" بھی کہتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں بیع سلم کو "بیع آجل بعاجل" کہتے ہیں یعنی فوری قیمت کی ادائیگی کے ذریعے سے بعد میں ملنے والی چیز کو خریدنا"۔

بیع سلم کی ضرورت:

شریعت نے بیع سے متعلق اپنے عمومی اُصول سے ہٹ کر سلم کی اِجازت خاص طور پر کسانوں اور چھوٹے کاروباری حضرات کی سہولت کے لئے دی ہے تاکہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے وہ کاروبارِ زندگی میں دوسروں سے پیچھے نہ رہیں، بلکہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ملک وقوم کی معاشی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔ بیع سلم کے ذریعے چھوٹے کسانوں اور کاروباری حضرات کو آسان شرائط پر یہ سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ اس بیع کی وجہ سے نہ صرف تاجروں اور کسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے کہ انہیں پیشگی رقم مل جاتی ہے اور وہ اپنی مطلوبہ اشیاء اس رقم سے حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اس سے خریدار کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ عام طور پر بیع سلم کی صورت میں مبیع کی قیمت اس جیسی شئے کی بازاری قیمت سے کم ہوتی ہے لہذا خریدار کم قیمت پر اشیاء خرید کر زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ بیع سلم کی اجازت کسان اور چھوٹے کاروباری حضرات کے فائدے کے لئے دی گئی ہے تاہم اگر دوسرے کاروباری حضرات بھی اِس بیع کو کرنا چاہیں تو شرائط کو مدّنظر رکھ کر کرسکتے ہیں۔

ذیل میں بیع سلم کی شرعی حیثیت(Shariah Status)اوراس کے متعلق شرعی اُصول وضوابط کو اِختصار کے ساتھ قلم بند کیا جا رہا ہے۔

بیع سلم وسلف کی وجہ تسمیہ:

اِس بیع کے لئے اہلِ حجاز ''سلم'' جبکہ اہلِ عراق ''سلف'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔سلم کے لغوی معنیٰ ''سپرد کرنے'' کے ہیں لہذا اِسے سلم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مبیع کی پوری قیمت (رأس المال) مجلسِ عقد ہی میں فروخت کنندہ کے سپرد کردی جاتی ہے۔
اِسی طرح سلف کے معنیٰ ''مقدم کرنے'' کے ہیں لہذا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اس میں پوری قیمت معاہدے کے وقت ہی فروخت کنندہ کو دے دی جاتی ہے۔

بیع سلم کی مشروعیت:

بیع سلم کے جواز کو قرآن مجید،احادیثِ مبارکہ اور اجماعِ امت سے ثابت کیا گیا ہے۔لہذا انہیں ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

بیع سلم اور قرآنِ مجید:

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پورے وثوق سے فرمایا کہ قرآنِ مجید کی سب سے طویل آیتِ مداینہ بیع سلم کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔
آیتِ مداینہ ذیل میں درج کی جارہی ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا تَدَا یَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَا کْتُبُوْہُ ()

ترجمہ:''اے ایمان والو!جب تم کسی مقررہ مدّت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو،(سورۂ بقرہ،آیت:282)''۔

بن ابی اوفی کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم اور حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ خلافت میں گندم، جو، کھجور وغیرہ پر بیع سلم کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے زمانہ مبارک سے آج تک اُمت میں اس کے جواز پر اجماع ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیع سلم کو جائز قرار دیا جائے، جیسا کہ علامہ ابنِ قدامہ نے لکھا کہ ''سلم کرنے کی لوگوں کو حاجت بھی ہے۔ اِس لئے کہ کھیتی اور باغ والوں نیز تجارت کرنے والے لوگوں کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اُوپر اور اِس کھیتی پر رقم خرچ کریں تا کہ وہ پک جائے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوجاتے ہیں، تو شریعتِ مطہرہ نے ان کے لئے بیع سلم کو جائز قرار دے دیا تا کہ ان کے لئے سہولت ہو اور خریدار کو کم قیمت پر چیز ملنے کی سہولت حاصل ہوجائے۔

(المغنی لابن قدامہ، جلد ۶ صفحہ نمبر: 385)۔''

بیع سلم کے بنیادی عناصر:

بیع سلم کے مندرجہ ذیل عناصر ہیں:

۱۔ ایجاب وقبول (Offer and Acceptance):

۲۔ رأس المال (Capital/Price):

۳۔ مسلم فیہ (Subject Matter/Commodity):

۴۔ ربّ السلم (Buyer/Purchaser):

۵۔ مسلم الیہ (Seller):

بیع سلم کی درستگی کے لئے شرائط:

بیع سلم چونکہ عام بیع سے ذرا مختلف ہے اور اس کی اجازت نظریۂ ضرورت وحرج کے تحت دی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس کی درستگی کے لئے شریعتِ مطہرہ نے کچھ کڑی شرائط عائد کی ہیں، جن کو پورا کرنا از حد ضروری ہے اور ان شرائط کی عدم موجودگی میں بیع سلم درست نہ ہوگی۔ ذیل میں ان شرائط کو اِجمالاً بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ بیع سلم کی درستگی کی اولین شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (Commodity) کی پوری قیمت معاہدہ کے وقت ادا کی جائے۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ کچھ قیمت معاہدہ کے وقت ادا کر دی جائے اور کچھ بعد میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع سلم کا مقصد فوت ہو جائیگا کیونکہ اس کا مقصد چھوٹے کاروباری حضرات کو پیشگی رقم دے کر انہیں کاروبار کرنے کے قابل بنانا ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ فروخت کنندہ کو پیشگی پوری قیمت دے دی جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع سلم میں چونکہ مسلم فیہ مستقبل کی کسی تاریخ میں دیا جاتا ہے گویا وہ فروخت کنندہ پر قرض ہوتا ہے لہذا اگر رقم بھی روک لی جائے تو وہ بھی قرض کی صورت میں بعد میں ادا کی جائیگی اس طرح یہ عمل قرض کے بدلے قرض کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **بیع الدین بالدین** (قرض کے بدلے قرض کی بیع) سے منع کیا ہے۔

۲۔ اسی طرح بیع سلم کے جائز اور درست ہونے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ مسلم فیہ کی قسم، کوالٹی، نوعیت اور تعداد کا ذکر واضح طور پر معاہدہ میں کرلیا جائے، تاکہ حوالگی (Delivery) کے وقت فریقین میں مسلم فیہ کے بارے میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔

۳۔ بیع سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم الیہ (خریدار) کو مسلم فیہ کی سپردگی کے وقت اور مقام کی بھی وضاحت کی جائے کیونکہ اس کے بغیر بیع سلم درست نہیں۔

۴۔ بیع سلم صرف مکیلات (ماپ کر بیچی جانے والی اشیاء)، موزونات (وزن کر کے بیچی جانے والی اشیاء) اور مذروعات (گز کے حساب سے فروخت ہونے والی اشیاء) میں ہو سکتی ہے۔

۵۔ ہدایہ اخیرین میں ہے کہ بیع سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ معاہدہ کے وقت سے لے کر سپردگی (Delivery) کے وقت تک مارکیٹ میں دستیاب ہو، لیکن یہ احناف کا مؤقف ہے۔شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاءِ کرام کے نزدیک صرف سپردگی کے وقت اس کا مارکیٹ میں دستیاب ہونا ضروری ہے۔علماءِ معاصرین نظریۂ ضرورت کے تحت دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ مسلم فیہ کا سپردگی کے وقت بازار میں ہونا ضروری ہے۔

۶۔ بیع سلم کے جائز ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ کا ثمن مجلسِ عقد میں ہی ادا کردیا جائے۔اگر فریقین ثمن کی ادائیگی سے قبل جدا ہو جائیں تو بیع سلم کا معاہدہ منسوخ ہو جائیگا۔

صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بیع سلم کی شرائط کو جامعیت کے ساتھ ہدایہ میں بیان فرمایا ہے، جن کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے تاکہ تفصیلی شرائط کے ساتھ مختصراً بھی سمجھا جاسکے۔:

۱۔ جنس معلوم ہو جیسے گندم ہے یا جو۔

۲۔ نوع معلوم ہو جیسے باسمتی چاول ہے یا عام۔

۳۔ صفت معلوم ہو جیسے نیا ہے یا پرانا۔

۴۔ مقدار معلوم ہو جیسے معروف پیمانے سے اتنے کیل یا اس قدر وزن۔

۵۔ میعاد معلوم ہو جیسے 13 دسمبر کو مسلم فیہ (Commodity) حوالے کیا جائیگا۔

۶۔ رأس المال (Price/Capital) معلوم ہو۔

۷۔ مقام کا تعین یعنی مسلم فیہ کس جگہ حوالے کیا جائے گا۔

اسلامی بنکوں میں سلم اور متوازی سلم:

اپنی آسان ساخت اور شرعی اعتبار سے درست ہونے کی وجہ سے مرابحہ اور اِجارہ کی طرح بیع سلم بھی اسلامی بنکوں میں ایک اہم پروڈکٹ کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔تاہم کچھ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے اِس کا استعمال مرابحہ و اِجارہ سے کم ہے۔

اسلامی بنک بیع سلم کو عام طور پر دو مختلف طریقوں سے کرتا ہے۔پہلے مرحلے میں بنک اپنے کلائنٹ کے ساتھ ربّ السلم (خریدار) کی حیثیت سے معاہدہ کرتا ہے اور پھر دوسرے مرحلے میں کسی اور کلائنٹ کے ساتھ مسلم الیہ (فروخت کنندہ) کی حیثیت سے معاہدہ کرتا ہے۔اس طرح جب اسے مقررہ تاریخ پر مسلم فیہ (مبیع) مل جاتی ہے،تو وہ دوسرے کلائنٹ (جس کے ساتھ اُس نے متوازی سلم کیا ہوا تھا) کو مبیع دے دیتا ہے۔

متوازی سلم کے تحت بیع سلم کرنے میں یہ نہایت ضروری ہے کہ دونوں معاہدے جدا جدا ہوں اور ایک کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو وگرنہ مشروط معاہدہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوگا۔ذیل میں مرحلہ وار بیع سلم کو بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے بنک اپنے کلائنٹ کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے،جس کے تحت کلائنٹ مستقبل کی کسی مقررہ تاریخ میں بنک کو مسلم فیہ (مبیع) حوالہ کرنے کے وعدہ کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے۔اور اس کی پوری قیمت معاہدے کے وقت ہی لے لیتا ہے۔اِس مرحلے میں بنک ربّ السلم (خریدار) اور کلائنٹ مسلم الیہ (فروخت کنندہ) ہوتا ہے۔

۲۔ بنک اپنے کلائنٹ (ربّ السلم) کی بیان کردہ مقررہ تاریخ کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کسی دوسرے کلائنٹ کے ساتھ ایک اور سلم کا معاہدہ کرتا ہے۔چونکہ اِس سلم میں بنک

مسلم الیہ (فروخت کنندہ) اور کلائنٹ (ربّ السلم) ہوتا ہے لہٰذا بنک معاہدے کے وقت ہی مسلم فیہ (مبیع) کی پوری قیمت اپنے کلائنٹ سے لے لیتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بنک دوسرے کلائنٹ سے باقاعدہ سلم کا معاہدہ کرنے کی بجائے اُس سے بیع کا وعدہ لے لے۔ اِس صورت میں کلائنٹ کے لئے معاہدے کے وقت ہی پوری قیمت کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔

۳۔ پہلا کلائنٹ مقررہ وقت پر مسلم فیہ (مبیع) بنک کے سپرد کردیتا ہے۔

۴۔ بنک معاہدے کے تحت مسلم فیہ دوسرے کلائنٹ کے حوالے کردیتا ہے یا پھر دوسری صورت میں جس نے بنک سے خریدنے کا وعدہ کیا تھا اس سے بیچ دیتا ہے۔

نوٹ: متوازی بیع سلم میں نہ صرف یہ ضروری ہے کہ اس میں دونوں معاہدے (سلم اور متوازی بیع سلم) بالکل ایک دوسرے سے جدا ہوں بلکہ اس میں یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ تیسرا فریق، جس سے متوازی سلم ہورہا ہے وہ مختلف ہو یعنی بنک نے جس سے پہلے رب السلم بن کر معاہدہ کیا ہے وہ نہ ہو ورنہ یہ بیع عینہ ہوجائیگی، جس سے معاصر فقہاءِ کرام منع کرتے ہیں۔

بیع اِستصناع (Sale by Order to Manufacture)

استصناع بھی سلم کی طرح بیع کی عمومی صورت سے مختلف ایک خاص صورت ہے، جسے شریعت میں ضرورت، تعامل اور استحسان کی وجہ سے خلافِ قیاس جائز قرار دیا گیا ہے۔

ہدایہ اخیرین میں ہے:

وفی الاستحسان یجوز للتعامل فیه فصار کصبغ الثوب و للتعامل جوزنا الاستصناع

ترجمہ: ''لوگوں کے اس پر عمل کی وجہ سے بطور استحسان یہ جائز ہے۔ پس یہ کپڑے کی رنگائی کی طرح ہو جائے گا۔ اور فقہاءِ کرام کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے عوام الناس کے عمل کی وجہ استصناع (آرڈر دے کر تیار کروانے) کو جائز قرار دیا ہے۔''

اسی طرح فقہ الاسلامی وادلتہ میں ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

و ذهب الحنفية إلى انه يجوز الاستصناع استحسانا، لتعامل الناس و تعارفهم عليه في سائر الاعصار من غير نكير.

ترجمہ: '' احناف کا موقف (Point of View) یہ ہے کہ اِستصناع استحسان، تعامل الناس اور لوگوں میں متعارف ہونے کی وجہ سے بغیر کسی اختلاف کے ہر زمانے میں رائج رہا ہے (فقہ الاسلامی وادلتہ، جلد۵، صفحہ 3646)۔''

بیع اِستصناع دراصل مستقبل کی ایک بیع ہے۔ اسلام نے اگرچہ مستقبل کی تاریخ میں خرید و فروخت سے منع کیا ہے، لیکن اِستصناع کو اس عمومی حکم سے چند شرائط کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اِستصناع کے لغوی و اِصطلاحی معنیٰ:

اِستصناع کا لغوی معنیٰ ہے: ''کسی چیز کو تیار کرنے کا مطالبہ کرنا''، جبکہ شرعی اعتبار سے اِستصناع سے مراد ایسا عقد ہے، جس کے تحت کسی شئے کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خرید لیا جائے اور اُس کی تیاری کا آرڈر دے دیا جائے۔

بیع اِستصناع کے تحت خریدار اپنے فروخت کنندہ کو پہلے سے بیان کردہ خصوصیات کی حامل شئے تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے۔ مال کی تیاری سے قبل ہی قیمت کا تعین، صفات و تعداد وغیرہ کا معاہدہ کر لیا جاتا ہے، تاکہ بعد میں فریقین کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اِستصناع کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

الاستصناع عقد مقاولة مع اهل الصنعة على ان يعمل شيا، فالعامل صانع والمشترى مستصنع والشى مصنوع

ترجمہ: ''استصناع ایسا عقد ہے، جس میں کسی کاریگر سے کسی شئے کے بنانے کا معاہدہ کیا جاتا ہے۔ بنانے والے کو صانع کہا جائیگا اور بنوانے والا مستصنع کہلائیگا اور جو چیز بنائی جائے گی وہ مصنوع کہلائے گی، (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مادّہ نمبر:124)۔''

اِصطلاحاتِ اِستصناع:

۱۔صانع (seller): ۲۔مستصنع (Buyer/Purchaser)

۳۔مصنوع (Manufactured Goods):

اِستصناع کی مشروعیت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل سے بھی اِستصناع کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مسجدِ نبوی کے لئے منبر بنوایا اور اسی طرح اپنی انگوٹھی بھی اِستصناع پر یعنی آرڈر دے کر بنوائی۔ جیسا کہ درجِ ذیل اَحادیث مبارکہ سے اِس کا ثبوت ملتا ہے:

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک عورت کی طرف (پیغام) بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی بیٹے کو میرے لئے لکڑی کا منبر بنانے کا حکم دے تا کہ میں (خطبہ دینے کیلئے) اُس پر بیٹھوں، (بخاری شریف، باب الاستعانۃ بالنجار والصناع فی اعواد المنبر والمسجد)۔''

قیمت کی ادائیگی اور بیع اِستصناع:

اگرچہ شرعی اعتبار سے اِستصناع میں قیمت کی مکمل یا جزوی ادائیگی معاہدے کے وقت ضروری نہیں ہوتی، مگر عام طور پر مستصنع (خریدار) وقتِ معاہدہ کچھ رقم بطور ایڈوانس

دے دیتا ہے اور فلیٹ کے استصناع میں تو درمیان میں بھی قسطوں کی صورت میں رقم ادا کی جاتی ہے۔ایسا کرنے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

اِستصناع اور خیارِ رؤیت:

مال کی تیاری کے بعد کیا مستصنع یعنی خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خیار رؤیت کو استعمال کرتے ہوئے تیار شدہ چیز کو خریدنے سے انکار کردے؟۔ اِس بارے میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خریدار اِس بات کا مُجاز ہے کہ وہ شئے کو دیکھنے کے بعد خیار رؤیت استعمال کرتے ہوئے بیع کو منسوخ کرسکتا ہے۔لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر مال مستصنع (خریدار) کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق تیار کیا گیا ہے تو پھر وہ اس کو لینے کا پابند ہے اور اُسے خیارِ رؤیت حاصل نہیں ہوگا۔مجلۃ الاحکام العدلیہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ترجیح دی گئی ہے۔عبارت درجِ ذیل ہے:

اذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع واذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبنية ، كان المستصنع مخيراً

ترجمہ:"جب معاملۂ استصناع مکمل ہوگیا تو کسی فریق کو اِس سے روگردانی کا حق حاصل نہیں ہے البتہ مطلوبہ شئے ویسی نہ ہو جیسی کہ معاملہ میں بیان کی گئی تھی ،تو مستصنع یعنی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا،(مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر: 392)۔"

اِستصناع اور بیع سلم میں فرق:

ا۔ اِستصناع صرف اُن اشیاء میں ہوسکتا ہے، جنہیں تیار کیا جاتا ہے، جبکہ بیع سلم ہر طرح کی اشیاء میں ہوسکتی ہے۔

۲۔ اِستصناع میں قیمت کی ادائیگی معاہدے کے وقت ضروری نہیں، اِس کے برعکس بیع سلم میں پوری قیمت کا معاہدے کے وقت ادا کرنا ضروری ہے، وگرنہ بیع سلم درست نہیں ہوگی

۳۔ سلم کے معاہدے کی تکمیل کے بعد اِسے منسوخ نہیں کیا جاسکتا، جبکہ استصناع سامان کی تیاری شروع ہونے سے قبل منسوخ ہوسکتا ہے۔

اِستصناع اور اِجارہ میں فرق:

اِستصناع اور اِجارہ میں فرق یہ ہے کہ اِستصناع میں صانع (تیار کنندہ) کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ مصنوع (مطلوبہ شئے) کی تیاری میں استعمال ہونے والی تمام چیزوں کا خود انتظام کرے اور مستصنع (آرڈر دینے والا) سے اُن کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر شئے کی تیاری میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی کی ذمہ داری صانع پر نہ ہو بلکہ آرڈر دینے والے کی ہو، تو یہ اِستصناع نہیں بلکہ اِجارہ ہوگا۔ مختصراً اِن دونوں کا فرق یہ ہے کہ اِستصناع میں مال کی تیاری اور خام مال کی فراہمی دونوں صانع کی ذمہ داری ہوتی ہے اِس کے برعکس اِجارہ میں صرف مطلوبہ شئے کو تیار کرنا اَجیر کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ تمام ضروری خام مال کی فراہمی آرڈر دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے۔

اسلامی بنک اور اِستصناع:

سلم کی طرح استصناع کا استعمال بھی اسلامی بنکوں میں ہو رہا ہے۔ خاص طور پر درآمدات و برآمدات کے شعبوں کے لئے استصناع کی بنیاد پر بہترین پروڈکٹس مارکیٹ میں متعارف کروائی جارہی ہیں۔

ثمن (Price) کے اعتبار سے بیع کی اقسام:

ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی درجِ ذیل چار قسمیں ہیں:

۱۔ بیع تولیہ (At Cost Sale)

۲۔ بیع وضیعہ (Sale below Cost Price)

۳۔ بیع مساومہ (Agreed Price Sale)

۴۔ بیع مرابحہ (Cost Plus Profit Sale)

اِن میں سے ہر ایک کی تعریف اور احکام ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

۱۔ بیع تولیہ (At Cost Sale):

جس قیمت میں چیز خریدی گئی ہو، اُسی قیمت پر بغیر منافع لئے فروخت کرنا ''بیع تولیہ'' کہلاتی ہے۔ اس بیع کا جواز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو اونٹ خریدے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ (ان میں سے) ایک کا میرے ہاتھ تولیہ کرلو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے بغیر دام کے حاضر ہیں۔ لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: بغیر دام کے نہیں، (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ ۱۱، مرابحہ وتولیہ کا بیان، جلد دوم)۔''

حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْھِجْرَۃَ اِبْتَاعَ اَبُوْ بَکْرٍ بَعِیْرَیْنِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلِّنِیْ اَحَدَھُمَا قَالَ ھُوَ لَکَ بِغَیْرِ شَیْئٍ قَالَ اَمَّا بِغَیْرِ ثَمَنٍ فَلاَ (نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، کتاب البیوع، باب المرابحۃ و التولیۃ).

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلتَّوْلِیَۃُ وَالْاِقَالَۃُ

وَالشِّرْكَةُ سَوَاءٌ لَا بَأْسَ بِهِ

ترجمہ: ''سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تولیہ اور اِقالہ اور شرکت سب برابر ہیں، ان میں کوئی حرج نہیں۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب التولیۃ فی البیع والاقالۃ، رقم الحدیث:13840)۔''

۲۔ بیع وضیعہ (Sale below Cost Price):

اگر کسی چیز کو اُس کی قیمتِ خرید سے کم میں فروخت کیا جائے تو وہ ''بیع وضیعہ'' ہے۔عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شئے کو خریدنے کے بعد اُس کی ضرورت نہیں رہتی یا کسی اور کو اُس کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو اُسے قیمتِ خرید سے کم میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ بیع مساومہ (Agreed Price Sale):

ایسی بیع جس میں فروخت کنندہ اور خریدار باہمی رضامندی کیساتھ طے شدہ قیمت پر بیع کرتے ہیں، تو یہ بیع ''مساومہ'' کہلاتی ہے۔بیع مساومہ میں بائع کے لئے بیچی جانے والی شئے کی قیمت کا مشتری پر ظاہر کرنا لازم نہیں ہوتا ہے لہذا اس کے تحت ذوات الامثال اور ذوات القِیَم دونوں قسم کی اَشیاء کی خرید وفروخت ہو سکتی ہے۔ بازاروں اور مارکیٹوں میں جو بیع ہو رہی ہوتی ہے وہ عام طور پر بیع مساومہ ہی ہوتی ہے۔

۴۔بیع مرابحہ (Cost Plus Profit Sale):

مرابحہ بیع کا ایک ایسا طریقۂ کار ہے، جس میں فروخت کنندہ (Seller) اس معاہدے کے تحت خریدار (Buyer/Purchaser) کو اپنا مال فروخت کرتا ہے کہ وہ مبیع (commodity) کی اصل قیمت اور اُس پر حاصل ہونے والے منافع کو خریدار پر ظاہر کرے گا۔یہ بیع نقد اور ادھار دونوں طرح ہوتی ہے۔فقہاءِ کرام نے مرابحہ کو بیع

مطلق کی طرح ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، اور چونکہ بیع مطلق اور اس میں صرف اس قدر فرق ہے کہ بیع مطلق میں فروخت کنندہ اپنے خریدار کو مبیع کی قیمت بتانے کا پابند نہیں ہوتا، جبکہ مرابحہ میں قیمت کو ظاہر کرنا انتہائی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاءِ کرام اس کی مشروعیت پر قرآن مجید کی ان ہی آیاتِ کریمہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، جن سے عام بیع کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، وہ آیاتِ کریمہ مندرجہ ذیل ہیں:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ط

ترجمہ: ''اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، (سورۂ بقرہ، آیت: 175)''۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْكُلُوْا اَمْوٰلَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اِس کے کہ تمہاری رضامندی سے تجارت ہو، (سورۂ نساء، آیت: 29)''۔

اگرچہ فقہاءِ کرام نے مرابحہ کو بیع مطلق پر قیاس کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن عام بیع سے ہٹ کر اِس کی درستگی کے لئے چند ضروری شرائط عائد کی ہیں۔ لہذا فروخت کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیانت اور سچائی سے کام لیتے ہوئے مرابحہ کے تمام مراحل کو سرانجام دے وگرنہ سود کی طرح ہو جانے کی وجہ سے یہ ناجائز ہو جائیگا۔

مرابحہ کے اہم ارکان:

مرابحہ چونکہ بیع (sells) ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا بیع کے وہ بنیادی عناصر جو عام بیع کے لئے ضروری ہیں، مرابحہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

مرابحہ اور اسلامی بنکاری نظام:

مرابحہ اگرچہ مشارکہ و مضاربہ کی طرح باقاعدہ ایک تمویلی طریقۂ کار نہیں ہے بلکہ بیع کی ایک قسم ہے تاہم اس کی افادیت کے پیشِ نظر موجودہ اسلامی بنکاری نظام میں اسے ایک اہم پروڈکٹ کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے اور ایک سروے کے مطابق اسلامی بنکوں کے کل مالیاتی معاملات کا تقریباً 70% مرابحہ پر مشتمل ہے۔

اسلامی بنک درجِ ذیل مراحل میں مرابحہ کی سہولت اپنے کلائنٹ کو فراہم کرتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے کلائنٹ اپنی مطلوبہ شئے کے حصول کے لئے بنک سے مرابحہ کی سہولت لینے کی درخواست کرتا ہے۔

۲۔ بنک یا مالیاتی ادارہ تمام ضروری لوازمات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد ایک طے شدہ رقم تک مرابحہ کی سہولت اُپنے کلائنٹ کو دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں بنک اپنے کلائنٹ سے بھی یہ وعدہ لیتا ہے کہ وہ جب کلائنٹ کی مطلوبہ اشیاء خرید لے گا تو وہ بنک سے اُس شئے کو ضرور خرید لے گا۔ درجِ ذیل ضروری باتوں کو عام طور پر ''ماسٹر مرابحہ اگریمنٹ'' میں لکھ دیا جاتا ہے، جس پر بنک اور کلائنٹ دونوں کے دستخط ہوتے ہیں۔ اِس اگریمنٹ کی شرعی حیثیت ''وعدۂ بیع'' کی ہوتی ہے۔

۳۔ اِس کے بعد جب کبھی کلائنٹ کو اپنی مطلوبہ شئے کی ضرورت پڑتی ہے، تو وہ اپنی ضرورت سے بنک کو آگاہ کرتا ہے۔ جس فارم پر کلائنٹ بنک کو اپنی مطلوبہ شئے کی خریداری کے لئے درخواست کرتا ہے، اُسے ''درخواست برائے خریداریٔ مال Purchase Order Form'' کہتے ہیں۔ اِس میں عام طور پر شئے کا نام، اُس کی مقدار، قسم، قیمت اور فروخت کنندہ کمپنی یا ادارے کا نام درج ہوتے ہیں۔

۴۔ اب بنک اپنے کلائنٹ کے لئے مطلوبہ شئے اپنے کلائنٹ کو وکیل مقرر کر کے

"درخواست برائے خریداریٔ مال" میں درج کردہ کمپنی سے خرید لیتا ہے۔ بنک عام طور پر کلائنٹ کو اپنا وکیل ایک وکالت نامہ (Agency Agreement) کے ذریعے پہلے ہی مقرر کردیتا ہے۔ تاہم جب کبھی اُسے کلائنٹ کی طرف سے درخواست موصول ہوتی ہے بنک دوبارہ سے اُسے بطورِ وکیل بنک کی جانب سے شئے کو خریدنے کے لئے کہتا ہے۔

۵۔ اِس کے بعد کلائنٹ بنک کے وکیل کی حیثیت سے مطلوبہ چیز خرید کر اُس پر قبضہ کرلیتا ہے، چونکہ وہ بنک کا وکیل ہے لہذا اُس کا قبضہ بنک کا قبضہ شمار ہوتا ہے۔ بنک اُس شئے کا مالک بن جاتا ہے لہذا کلائنٹ کی خریداری سے قبل اُس شئے کے تمام خطرات بنک کی طرف منتقل ہونگے یعنی کسی بھی قسم کا نقصان بنک کو برداشت کرنا ہوگا۔

۶۔ کلائنٹ اپنی مطلوبہ شئے کو خرید کر اور اُس پر قبضہ حاصل کر کے بنک کو آگاہ کرتا ہے کہ اُس نے بنک کے وکیل کی حیثیت سے فلاں چیز خرید لی ہے۔

۷۔ اس کے بعد کلائنٹ بنک کو ایجاب (Offer) کے ذریعے اُس شئے کو خریدنے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایجاب کلائنٹ کی بجائے بنک کرتا ہے۔

۸۔ ایجاب (Offer) کے آنے کے بعد اُسے قبول (Acceptance) کرلیتا ہے اور اِس طرح مرابحہ کا عمل مکمل ہوجاتا ہے۔ بنک جیسے ہی ایجاب کو قبول کرتا ہے تو شئے کی ملکیت بنک سے کلائنٹ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور اس کے خطرات وفوائد (Risk and Reward) بھی کلائنٹ کو منتقل ہوجاتے ہیں۔

۹۔ مال کے فروخت کئے جانے کے بعد بنک اور کلائنٹ کے درمیان دائن (Creditor) اور مدیون (Debtor) کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔

مرابحہ کے متعلق چند اہم اُمور:

۱۔ مبیع کا وجود ضروری ہے، ایسی چیز، جو وجود میں نہیں آئی ہے، اُس کا مرابحہ نہیں ہوسکتا ہے۔

۲۔ اگر مال کلائنٹ کے ذریعے خریدا جارہا ہے، تو ضروری ہے کہ پہلے کلائنٹ کو ایجنٹ بنایا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ مال پہلے سے کلائنٹ کی ملکیت میں نہ ہو ورنہ یہ بیع عینہ ہو جائیگی جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔

۳۔ مبیع کو فروخت کرنے سے پہلے بنک کی ملکیت میں آنا۔ اگرچہ بنک کے پاس یہ ملکیت ایک لمحے کے لئے کیوں نہ ہو۔

۴۔ ایجاب وقبول کے تمام لوازمات کا پورا کرنا ضروری ہے۔

۵۔ خریدار پر منافع کو ظاہر کرنا بیع مرابحہ کی اہم خصوصیت ہے لہذا یہ بھی ضروری ہے کہ مبیع پر آنے والا منافع کلائنٹ پر ضرور ظاہر کیا جائے ورنہ یہ بیع مساومہ ہو جائیگی۔

۶۔ کلائنٹ کو ایجنٹ بنانا اور مال کا بیچنا دونوں عمل بالکل جدا جدا ہوں۔

۷۔ قیمت کا تعین خرید وفروخت کے وقت ہو اور ایک دفعہ قیمت کے مقرر کردینے کے بعد دوبارہ اسے تبدیل (Rollover) نہیں کیا جاسکتا۔

۸۔ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں کلائنٹ کی طرف سے خیراتی فنڈ میں رقم جمع کرانے کا یکطرفہ وعدہ بھی لیا جاسکتا ہے۔

بیع کی مزید قسمیں اور اُن کی شرعی حیثیت:

۱۔ بیع تعاطی (Sale by Indication)

ایسی بیع جس میں قولی وفعلی ایجاب وقبول تو نہ ہو لیکن عملاً لین دین ہو جائے اور فریقین مبیع

اور ثمن پر قبضہ کرلیں، "بیع تعاطی" کہلاتی ہے۔عصرِ حاضر میں لوٹ سیل وغیرہ پر جو چیزیں فروخت کی جاتی ہیں، وہ بیع تعاطی ہی کی صورت ہے کہ جس میں ہر چیز پر اُس کی قیمت درج ہوتی ہے، خریدار قیمت پڑھ کر فروخت کنندہ کو رقم ادا کر کے شئے لے لیتا ہے جبکہ فروخت کنندہ بغیر کلام کئے اُس کی قیمت وصول کر لیتا ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک لوگوں کے تعامل اور عرف کیوجہ سے ہر قسم کی اَشیاء میں بیع تعاطی جائز ہے۔علاوہ ازیں اگر اس سے روکا جائے تو لوگ حرج میں مبتلا ہوجائیں گے کیونکہ عام طور پر بازاروں میں اِس طرح کی بیع کا بہت زیادہ رواج ہوتا ہے۔البتہ امام شافعی علیہ الرّحمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں کیونکہ اُن کے مطابق بیع ایجاب وقبول کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جبکہ تعاطی میں یہ نہیں ہوتے ہیں لہذا یہ جائز نہیں۔

۲۔بیع عینہ (Buy Back/Double Sale)

بیع عینہ بیع کی ایسی صورت ہے، جسے سود سے بچنے کا ایک حیلہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو رقم کی ضرورت ہے، وہ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسرے شخص کے پاس جاتا ہے، وہ شخص اُسے قرضِ حسن نہیں دینا چاہتا بلکہ کچھ منافع کا متمنی ہوتا ہے، لہذا وہ ایک تدبیر یہ کرتے ہیں کہ پہلے وہ شخص اُس ضرورت مند شخص پر اپنی کوئی چیز ادھار لیکن زائد قیمت پر فروخت کرتا ہے اور بعد میں اُسی چیز کو کم قیمت پر اُس ضرورت مند سے نقد خرید لیتا ہے۔اس طریقے سے ضرورت مند کو دفع الوقتی کے لئے مطلوبہ رقم مل جاتی ہے اور دوسرا فریق بلا معاوضہ منافع حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اِس کی اصل چیز تو واپس مل گئی ہے اِسے کہتے ہیں "ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔

بیع عینہ اور فقہاءِ کرام:

امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے اِسے سود سے بچنے کا حیلہ قرار دیکر

جائز کہا ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر اچھی نیت ہو، تو اِس میں حرج نہیں بلکہ بیع کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے۔ جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ناجائز اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ بیع عینہ کرنے والا صرف نفع کے حصول کے لئے قرض دینے اور حسنِ سلوک سے بچتا ہے۔

اِسلامی بنک اور بیع عینہ:

برصغیر پاک و ہند میں بیع عینہ کے جواز و عدمِ جواز پر علماءِ کرام کے درمیان اگرچہ اختلاف ہے تاہم یہاں کے اِسلامی بنک کے چند مالیاتی معاملات میں بیع عینہ کو کچھ شرائط کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے۔ خاص طور پر Sale and Lease Back میں اِس کا استعمال عام ہے۔ ملائشیا اور فقہِ شافعی پر عمل کرنے والے چند دوسرے ممالک کے اِسلامی بنکوں میں بیع عینہ کی بنیاد پر کئی پروڈکٹس متعارف کرائی گئی ہیں اور وہاں پر اِس کی بنیاد پر کریڈٹ کارڈ بھی جاری کیا جارہا ہے۔

بیع تورّق کی تعریف:

تورّق سے مراد کسی ضرورت مند کو کوئی چیز اُدھار پر اس طرح بیچنا کہ خریدار اس چیز کو کسی تیسرے شخص سے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرلے۔ اس طریقے کے تحت عام طور پر مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز کی قیمت اس جیسی چیز کی بازاری قیمت سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے فروخت کنندہ کو منافع کی صورت میں کچھ فائدہ حاصل ہوجاتا ہے اور خریدار کی وقتی ضرورت پوری ہوجاتی ہے اور اس طرح دونوں سود میں ملوث ہونے سے بھی بچ جاتے ہیں

بیع تورّق اور بیع عینہ میں فرق:

تورّق اور بیع عینہ میں فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں پہلے مبیع خریدار سے زیادہ قیمت میں اُدھار پر فروخت کردی جاتی ہے اور پھر بعد میں فروخت کنندہ دوبارہ وہی چیز خریدار سے کم قیمت پر نقد خرید لیتا ہے یعنی مبیع دوبارہ اس کے اصل مالک سے ہی فروخت کی جاتی ہے۔ جبکہ بیع تورق میں شئے اصل مالک کی بجائے کسی تیسرے شخص سے فروخت کی جاتی ہے۔

بیع تورّق اور اسلامی بینکاری(Commodity Murabaha):

عام طور پر یہ سوال آتا ہے کہ بیع تورّق کا اِستعمال اسلامی بنکوں میں ہے یا نہیں ؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی بنک اپنے سرمایہ کی ضرورت کو پورا کرنے یا زائد سرمائے کو دوسرے بنکوں کو دینے کے لئے بیع تورّق کو استعمال کرتا ہے، جسے بنکوں میں Commodity Murabaha Transaction کہتے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ بیع تورّق کے اِس طریقہ کار پر معاصر علماءِ کرام کے بہت سارے تحفظّات ہیں اور اکثر اسے ختم کردینے یا کڑی شرائط کے ساتھ کرنے کی رائے دیتے ہیں۔

قسطوں پر خرید وفروخت:

3

قسطوں پر خریدوفروخت سے مراد ایک ایسا معاملہ ،جس میں فروخت کنندہ (Seller) اپنا مال فوری طور پر خریدار کے حوالے کردیتا ہے لیکن خریدار (Buyer) اُس شئے کی قیمت فوری ادا کرنے کی بجائے مستقبل کی طے شدہ تاریخوں میں قسطوں کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ فقہاءِ کرام نے قسطوں پر خریدوفروخت کو

جائز قرار دیا ہے۔
قسطوں پر خرید وفروخت کے معاملے میں شئے کی قیمت عام طور پر نقد کے مقابلے میں زائد ہوتی ہے۔

مدّت کے مقابلے میں قیمت میں اضافہ:

قسطوں کی خرید وفروخت کے معاملے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں شئے کی جو زائد قیمت لی جاتی ہے وہ مدّت کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ آیا یہ سود ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کا موقف یہ ہے کہ چونکہ یہ زیادتی مدّت کے مقابلے میں ہوتی ہے اور ثمن کی وہ زیادتی، جو مدّت کے عوض لی جائے وہ سود ہے لہٰذا یہ حرام ہے۔

اس کے برعکس ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ادھار خرید وفروخت کے معاملہ میں نقد کے مقابلے میں قیمت میں زیادتی کرنا جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ فریقین (بائع و مشتری) خرید وفروخت کرتے وقت ہی کسی ایک قیمت پر متفق ہو جائیں۔ اور ایک دفعہ قیمت کے متعین ہو جانے کے بعد اس میں کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، رقم الحدیث:1231)۔''

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ ، قَالُوْا بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ اَنْ يَّقُوْلَ اَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَ بِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ وَلَا يُفَارِقُهُ عَلٰى اَحَدِ الْبَيْعَيْنِ فَاِنْ فَارَقَهُ عَلٰى اَحَدِهِمَا فَلَا بَاسَ اِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمَا

ترجمہ: ”بعض اہلِ علم نے اِس حدیث پاک کی وضاحت یوں بیان کی ہے کہ ”بیعتین فی بیعة“ کا مطلب یہ ہے کہ فروخت کنندہ اپنے خریدار کو یہ کہے کہ ”میں یہ کپڑا تم کو نقد دس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور اُدھار بیس روپے میں بیچتا ہوں“ اور پھر کسی ایک قیمت پر اتفاق کئے بغیر وہ جدا ہو گئے تو یہ ممنوع ہے لیکن اگر ان دونوں قیمتوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہو جانے کے بعد جُدا ہوئے تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی معاملہ درست ہے کیونکہ یہ ایک صورت پر طے ہو گیا ہے، (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، رقم الحدیث: 1231)۔“

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی اور قسطوں پر بیع:

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی نے اپنی قرارداد نمبر ۵۱ (۶/۲) میں قسطوں کی خرید وفروخت کے حوالے سے درجِ ذیل شقوں کو بیان کیا ہے۔

اوّل: نقد فروخت کے مقابلے میں ادھار فروخت کی صورت میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بیچنے والا خریدار کو نقد اور ادھار دونوں کی قیمتوں کا فرق بتادے۔ لیکن جب تک بیچنے والا اور خریدار نقد یا ادھار میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہ کرلیں، اس وقت تک بیع درست نہ ہوگی۔ لہٰذا اگر نقد اور ادھار کے درمیان تردّد اور شک کے ساتھ اس طرح بیع ہو جائے کہ ایک معیّن ثمن پر اتفاقِ قطعی نہ ہوا ہو، تو اس صورت میں یہ بیع شرعاً ناجائز ہوگی۔

دوم: ادھار فروخت کی صورت میں یہ شرعاً جائز نہیں ہے کہ فروخت شدہ سامان کی ایک قیمت مقرر کرلی جائے، پھر اس قیمت پر قسط وار ادائیگی کے سود کا، قیمت سے الگ اس طرح ذکر کیا جائے کہ یہ سود مدّت کے ساتھ مربوط ہو۔ خواہ شرح سود فریقین نے باہمی رضا مندی سے طے کی ہو یا اسے رائج شرح سود سے منسلک کیا ہو۔

سوم: اگر خریدار قسطوں کی ادائیگی میں مقررہ مدّت سے تاخیر کردے تو اس پر سابقہ شرط کی بنیاد پر یا بغیر شرط کے قرض کے علاوہ کچھ اضافی رقم لازم کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ "ربا" ہے، جو حرام ہے۔

چہارم: جن قسطوں کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو، ان کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا صاحبِ استطاعت خریدار کے لئے حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود ادائیگی کے مؤخر ہونے کی صورت میں کسی قسم کے معاوضے کی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں۔

پنجم: یہ شرعاً جائز ہے کہ ادھار بیچنے والا بیع میں یہ شرط لگادے کہ اگر خریدار چند قسطوں کی ادائیگی وقت پر نہ کرے تو باقی ماندہ قسطوں کی ادائیگی بھی فوراً واجب ہوجائے گی بشرطیکہ خریدار اس شرط پر عقد کے وقت راضی ہوگیا ہو۔

ششم: بیع ہوجانے کے بعد سامان کی ملکیت اپنے پاس رکھنے کا بائع کو کوئی حق نہیں ہے لیکن اس کے لئے جائز ہے کہ خریدار سے آئندہ قسطوں کی وصولی کی گارنٹی کے طور پر سامان کو رہن رکھنے کی شرط لگادے، **(فقہی جدید مسائل اور اُن کا مجوزہ حل، صفحہ نمبر:136)**۔"

علاوہ ازیں قرارداد میں اِس بات کی سفارش بھی کی گئی ہے کہ "قسطوں پر بیع" سے متعلق بعض دوسرے مسائل کی مزید تحقیق کی جائے، تاکہ کافی بحث و تمحیص کے بعد اس کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا جاسکے۔

بیع فضولی(Un-authorized Sale):

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز اُس کی اجازت کے بغیر اس اُمید پر بیچ دے کہ وہ (مالک) اِسے فروخت کرنے پر راضی ہوجائے گا یا کسی کے لئے چیز اس اُمید پر خریدے کہ وہ اِس سودے پر راضی ہو جائیگا، ایسی خرید وفروخت کو ''بیع فضولی'' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اِس کا نفاذ اُس تیسرے شخص کی رضامندی پر موقوف ہوگا، جس کے لئے چیز خریدی یا بیچی گئی ہے کہ اگر وہ اجازت دے تو بیع منعقد ہوگی وگرنہ بیع فاسد ہو جائیگی ہے۔ بیع فضولی میں یہ بھی ضروری ہے کہ تیسرے شخص کا قبول کرنا مبیع کے استعمال سے قبل ہو، اگر مبیع استعمال ہو جائے، پھر تیسرے شخص کی طرف سے رضامندی کا اظہار ہو تو بیع نافذ نہیں ہوگی

بیع من یزید/بولی کے ذریعے خرید وفروخت (Auction/Bid)

اس کا مفہوم ہے: ''برائے فروخت چیز'' جبکہ اصطلاح میں اِس سے مراد ''بولی دے کر کسی چیز کو فروخت کرنے'' کے ہیں۔ اِس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے، تو وہ اپنا سامان کھلے بازار میں لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور اُس کو خریدنے کی دعوت دیکر بولی لگاتا ہے۔ لوگ مختلف قیمت لگاتے ہیں لہذا جو سب سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہوتا ہے، اُس سے سامان فروخت کردیا جاتا ہے۔ اگر اِس میں کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے اور ہر کام ایمانداری کے ساتھ سرانجام دیا جائے تو یہ شرعی اعتبار سے جائز ہے۔

بولی کے بارے میں بین الاقوامی اِسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد:

بین الاقوامی اِسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۷۳ (۸/۴) میں بولی کے بارے میں درج

ذیل قرارداد پاس کی گئی ہیں:

اوّل: نیلامی سے مراد وہ عقدِ معاوضہ ہے، جس میں خواہش مندوں کو زبانی یا تحریری طور پر کسی جگہ بولی لگانے کی دعوت دی جاتی ہے اور بائع کی رضامندی سے وہ انجام پاتا ہے۔

دوم: چیزوں کے لحاظ سے نیلامی کی مختلف صورتیں بیع یا اجارہ جیسی ہوتی ہیں اور نوعیت کے لحاظ سے وہ کبھی اختیاری ہوتی ہے اور کبھی لازمی۔ اوّل الذکر کی مثال نیلامی کی عام صورتیں ہیں، جن میں لوگ بولی لگاتے ہیں اور مؤخر الذکر کی مثال وہ نیلامی ہے، جو عدالت کی طرف سے لازم کی جائے۔ نیلامی کی ضرورت عوامی اور پرائیویٹ اداروں، حکومتی شعبوں اور افراد سب کو ہوتی ہے۔

سوم: ضروری ہے کہ نیلامی سے متعلق ہونے والی تمام کاروائیاں (مثلاً ان کی تحریر و ترتیب، انتظامی یا قانونی شرائط وقواعد) شریعتِ اسلامیہ کے احکام سے متعارض نہ ہوں۔

چہارم: نیلامی میں شرکت چاہنے والے سے ضمانت طلب کرنا شرعاً جائز ہے، مگر ضروری ہے کہ جس کے ہاتھ وہ سامان نہ آئے اُسے ضمانت کی رقم لوٹا دی جائے اور جس کے ہاتھ لگے اس کی دی ہوئی رقم اصل قیمت میں شامل کر لی جائے۔

پنجم: نیلامی میں شرکت کے لئے اتنی فیس لینے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں، جو شرائط کی کاپی کی قیمت کے برابر ہو اور کسی صورت میں اس کی واجبی قیمت سے زیادہ نہ ہو۔

حقوق کی خرید وفروخت:

عصرِ حاضر میں خرید وفروخت میں کئی نئے اور پیچیدہ معاملات وجود میں آئے ہیں، جن میں سے ایک حقوق کی بیع ہے۔ اِس سے مراد ایسے حقوق کی خرید وفروخت ہے، جو ''اعیان یعنی مال'' میں سے نہ ہوں لیکن اُن کی خرید وفروخت بالکل مادّی وحقیقی مال کی طرح

بازار میں ہو رہی ہو، جیسے تجارتی نام، ٹریڈ مارک، حقِ تصنیف واشاعت اور حقِ ایجاد وغیرہ کی خرید و فروخت۔ اِن حقوق کی بیع اگرچہ ملکی و بین الاقوامی قانون کی رو سے منع نہیں ہے لیکن شرعی اعتبار سے اِن کا کیا حکم ہے، اس بارے میں علماءِ متقدمین اور متاخرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ متقدمین علماء کے نزدیک اِس کے مادّی شیئے نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جبکہ متاخرین میں سے کئی ایک کے نزدیک عرف میں مال تسلیم کئے جانے کی وجہ سے جائز ہے۔ لہٰذا اِس مسئلے کو اختصار کے ساتھ واضح کرنے کے لئے ذیل میں بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی وہ قرارداد اُس کے تمام شقوں کے ساتھ، جو حقوق کی بیع کے بارے میں پاس کی گئی درج کی جا رہی ہے:

اوّل: تجارتی نام، تجارتی پتہ، ٹریڈ مارک، حقِ تالیف، حقِ ایجاد یا حقِ اختراع (Patent) ایسے حقوق ہیں، جو ان کے مالکان کے لئے مخصوص ہیں، موجودہ عرف میں مالی اعتبار سے ان کی ایک قیمت ہوگئی ہے، اِس لئے کہ لوگوں نے ان حقوق کو مال قرار دے دیا ہے۔ شرعاً ان حقوق کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا ان پر ظلم و زیادتی کرنا جائز نہیں۔

دوم: تجارتی نام، تجارتی پتہ اور ٹریڈ مارک میں تصرف کرنا اور ان کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا مالی معاوضے کے بدلے میں جائز ہے بشرطیکہ اس منتقلی میں دھوکہ، فریب اور جعل سازی نہ پائی جائے۔ اس لئے کہ یہ ایک مالی حق کی صورت اختیار کرچکے ہیں۔

سوم: حقِ تالیف اور حقِ ایجاد و اختراع شرعاً محفوظ حقوق ہیں اور ان کے مالکان کو ان میں تصرّف کا حق حاصل ہے اور ان حقوق پر ظلم و زیادتی جائز نہیں۔

(جدید فقہی مسائل اور اُن کا مجوزہ حل، صفحہ نمبر:125، قرارداد نمبر:43(5/5) ۔

شیئرز کی خرید وفروخت:

فقہاءِ کرام نے شیئرز کے کاروبار کو مطلقاً (Absolutely) حرام قرار نہیں دیا ہے بلکہ چند شرائط کیساتھ اِس کو جائز قرار دیا ہے، جنہیں نکات کی صورت میں درج کیا جارہا ہے۔

۱۔ کمپنی کا کاروبار:

شیئرز کی خریداری کے لئے سب سے پہلی شرط یہ عائد کی جاتی ہے کہ جس کمپنی کے شیئرز فروخت ہورہے ہیں، اُس کا کاروبار حلال وطیب ہو مثلاً ٹیکسٹائل، سیمنٹ اور دوائی کی کمپنی وغیرہ۔ ایسی کمپنی، جوسود اور شراب یا اِن جیسے حرام کاروبار کررہی ہو، اس کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۲۔ کمپنی کا جامد اثاثہ (Fixed Asset):

کسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ کمپنی کے تمام اثاثہ جات (Assets) نقدی کی صورتمیں نہ ہوں بلکہ کچھ حصہ جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) مثلاً مشینری، بلڈنگ یا زمین کی صورت میں ضرور ہو۔ اگر کمپنی کا تمام اثاثہ نقدی کی صورت میں ہوگا، تو شیئرز کو اُس کی درج قیمت (Face Value) سے کم یا زائد میں فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ درج قیمت پر فروخت کرنا لازم ہوگا وگرنہ یہ سود ہوجائیگا۔ ہمارے ہاں علماءِ کرام عام طور پر جامد اثاثہ جات کے لئے کل اثاثہ کا کم ازکم 20% ہونا لازمی قرار دیتے ہیں۔

جامد اثاثہ جات کی شرط لگانے کی حکمت:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کمپنی میں اپنی رقم شروع میں شامل کی ہے، اُن کی اس رقم سے ابھی تک کوئی جامد اثاثہ مثلاً بلڈنگ، مشینری یا زمین وغیرہ نہیں خریدا

گیا بلکہ ابھی تک وہ تمام پیسے نقدی کی شکل میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپے کا شیئرز دس روپے کی نمائندگی کر رہا ہوگا۔ لہذا اس شیئرز کو گیارہ روپے میں فروخت کرنے کی صورت میں ایک روپیہ سود ہو جائیگا، جو قطعاً ناجائز ہے۔

لیکن اگر کمپنی نے کچھ جامد اثاثے بنا یا خرید لئے ہیں، تو شیئرز کی خرید وفروخت میں زیادتی اُس جامد اثاثہ کے مقابلے میں ہو کر جائز ہو جائیگی۔

۳۔ کمپنی کی غیر شرعی لین دین کے خلاف آواز بلند کرنا:

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر کمپنی حلال وطیب اشیاء کو پیدا تو کر رہی ہو لیکن اپنے مالی معاملات کو پورا کرنے یا فاضل رقم سے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے سودی لین دین میں ملوث ہو رہی ہو، تو اُس کے خلاف آواز بلند کرنا اور حتی الامکان اُس کو روکنے کیلئے اقدام کرنا

اِس حوالے سے فقہاءِ کرام نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ کمپنی اگر بنکوں سے سود پر قرض لے رہی ہو، تو اُس کا تناسب %40 فیصد سے زائد نہ ہو۔ اِسی طرح اگر بنکوں میں رقم رکھوانے کی وجہ سود کی مدّ میں کچھ آمدنی ہو رہی ہو، تو وہ کل آمدنی کے %5 سے زائد نہ ہو

۴۔ ناجائز آمدنی کا بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کرنا:

اسی طرح جب شیئرز کی آمدنی آجائے اور اُس میں کچھ رقم سود کی بھی شامل ہو جائے تو کمپنی کے ''گوشوارہ برائے آمدنی یعنی Income Statement'' سے معلوم کر کے اُن کو بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کر دیا جائے۔

شیئرز کی خرید وفروخت میں درجِ بالا چار شرائط کے علاوہ اُن تمام شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جو دوسری چیزوں کی خرید وفروخت میں لازمی قرار دی گئی ہیں۔ فرضی (قبضہ لئے بغیر) دوسرے سے فروخت کرنا اور سٹہ کے ذریعے اِس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی۔

کیپیٹل گین (Capital Gain) اور شیئرز کی خرید و فروخت:

بعض لوگ شیئرز کو اِس لئے خریدتے ہیں کہ جب اُن کی قیمت مارکیٹ میں بڑھ جائیگی، تو وہ اُنہیں فروخت کر کے منافع کمالینگے۔ کمپنی کے کاروبار میں شرکت کرنے کی نیت نہیں ہوتی۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے شیئرز کو خریدنا اور منافع حاصل کرنے کے لئے اُنہیں فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ اُن جملہ شرائط کو پورا کیا جا رہا ہو، جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

نئی کمپنی کے شیئرز کی شرعی حیثیت:

عام طور پر جب کمپنی تشکیل پانے کے لئے جا رہی ہوتی ہیں، تو اُن کو کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے لہذا سرمایہ کے حصول کے لئے وہ کثیر تعداد میں شیئرز جاری کرتی ہیں اور لوگوں کو اپنے جاری کردہ شیئرز خریدنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اب جو لوگ کمپنی کی دعوت پر شیئرز خریدتے ہیں وہ کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اور اُن کے خریدے گئے شیئرز کمپنی میں اُن کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ناجائز بیع کی صورتیں اور اُن کے شرعی احکام:

ا۔ بیع الوفاء/ بیع الامانہ/ بیع الاطاعہ/ بیع المعامل

:(sale subject to a right of redemption)

اپنا مکان یا کوئی اور چیز اِس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ چھ مہینے یا سال کے بعد بائع مشتری کو پیسے واپس کر کے مبیع دوبارہ واپس لے لیگا، اِسے ''بیع الوفاء'' کہتے ہیں۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اِس کی تعریف اور احکام درجِ ذیل الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں:

هو البيع بشرط أن البائع متى ردّ الثمن يردّ المشترى اليه المبيع وهو فى حكم البيع الجائز بالنظر الى انتفاع المشترى به و فى حكم البيع الفاسد

بالنظر الی کون کل من الطرفین مقتدراً علی الفسخ و فی حکم الرّھن بالنظر الی ان المشتری لا یقدر علی بیعہ الی الغیر

ترجمہ: ''یہ ایک ایسی بیع، جس میں یہ شرط ہو کہ خریدار جب قیمت فروخت کنندہ سے واپس لے گا تو اسے بیع شدہ شئے واپس کردے گا۔ ایسی بیع اِس اعتبار سے جواز کا حکم رکھتی ہے کہ خریدار مبیع سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اس اعتبار سے بیع فاسد ہے کہ دونوں فریقوں کو اس معاملۂ بیع کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور چونکہ خریدار اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے اس لئے بیع الوفاء کا حکم رہن کا ہوتا ہے، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر118)۔''

لہذا فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ یہ بیع حقیقت میں بیع نہیں ہے، بلکہ یہ رہن ہوتا ہے۔ اِس کا حکم رہن ہی کا ہے، لہذا اِس پر رہن کے تمام احکام کا اطلاق ہوگا۔

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر: 66(7/4) میں بیع وفاء کی حقیقت درجِ ذیل شقوں میں بیان کی گئی ہے:

اوّل: ''بیع الوفاء'' کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا قرض ہے، جو نفع کا موجب ہوتا ہے۔ لہذا یہ سودی معاملے کا ایک حیلہ ہے اور جمہور علماء اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

دوم: یہ عقد شرعاً ناجائز ہے۔

(جدید فقہی مسائل اور اُن کا مجوزہ حل، صفحہ نمبر: 176)۔

۲۔ بیع تلجیہ/فرضی بیع (Simulative Sale/Protective Sale):

ایسی بیع جہاں حقیقت میں بیع نہ ہو رہی ہو بلکہ اُسے کسی ضرورت کے تحت محض فرضی طور پر سرانجام دیا جا رہا ہو۔ آج کل یہ صورت بہت زیادہ رواج پا رہی ہے کہ کسی ممکنہ

فائدے کے حصول کے لئے محض فرضی طور پر بیع کرلی جاتی ہے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ یہ منعقد نہیں ہوتی ہے یعنی خریدار شئے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ بائع یعنی اصل مالک ہی کی ملکیت میں رہتی ہے۔

۳۔ بیع ملاقیح (Sale of Lambkin before it is born):

جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہو، پیدا ہونے پہلے اُسے فروخت کرنا'' بیع الملاقیح'' ہے۔ شریعت کی رو سے یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ اس میں مبیع کے بارے میں غرر(غیر یقینی کیفیت) پایا جاتا ہے۔ اِسے ''**بیع حبل الحبلہ**'' بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ''لاقحہ'' ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں، جو عنقریب بچہ جننے والی ہو۔

۴۔ بیع محاقلہ

: (Sale of Wheat still in rears for Pure wheat While in Growth)

گندم یا چاول وغیرہ کو اُس کی بالیوں میں ہی کٹائی سے پہلے فروخت کردینا ''بیع المحاقلہ'' کہلاتی ہے۔ غرر کے پائے جانے کی وجہ سے اِسے ناجائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اِس امر کا احتمال ہے کہ کسی آفت سماوی (اولے، آندھی، طوفان) یا کسی اور سبب سے فصل ضائع ہوجائے اور غلے کی صحیح مقدار کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ کسی ایک فریق کو اُس کا پورا حق نہیں ملتا اور اُسے یقیناً نقصان اُٹھانا پڑتا ہے لہذا اِسے ممنوع قرار دے دیا گیا۔

۵۔ بیع بالاکراہ (Sale by Force):

کسی کو جان سے ماردینے یا کسی عضو کے ضائع کردینے کی دھمکی دے کر زبردستی جو بیع کی جاتی ہے، اُسے ''بیع بالاکراہ'' کہتے ہیں۔ یہ بیع فاسد ہے لہذا جبر واکراہ کے اُٹھ

جانے کے بعد مکرَہ (جس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے) کو اختیار ہوگا کہ وہ اِس بیع کو قائم رکھے یا فسخ کردے۔اکراہ کے تفصیلی احکام باب نمبر میں اکراہ کے عنوان کے تحت درج ہیں

۶۔بیع ہزل (Sale by Joke):

ہزل کے لغوی ''مذاق کرنے'' کےہیں۔فقہ میں اِس سے مراد یہ ہے کہ کسی سے مذاق کے طور پر کسی چیز کو فروخت کرنا یعنی حقیقت میں اُسے بیچنے کا ارادہ نہ ہو۔ہزل کا حکم اُس وقت دیا جائے گا کہ ہزل کا لفظ واضح طور پر عقد میں موجود ہو یا پہلے سے ان دونوں نے باہم طے کرلیا ہو کہ لوگوں کے سامنے مذاق کے طور پر بیع کریں گے۔اِس طرح کی بیع کرنے والے بائع و مشتری دونوں گناہ گار ہونگے۔

بیع نجش(Sale by Artificial Bid):

بعض اوقات تاجر حضرات کسی شئے کی قیمت بڑھانے کے لئے اپنے پاس کچھ دلاّل رکھتے ہیں اور پھر بولی دیتے ہیں، وہ دلاّل پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت چیز کی قیمت کو بڑھانے کے لئے بڑھ چڑھ کر بولی لگاتے ہیں۔اس طرح کی بیع کو ''بیع النجش'' کہا جاتا ہے۔شرعی اعتبار سے یہ بیع حرام ہے، کیونکہ اِس میں غرر (دھوکا) پایا جاتا ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسی بیع سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔نجش کے معنیٰ ''برانگیختہ کرنے یا جوش دلانے'' کے ہیں۔کیونکہ اِس میں دلال کا ارادہ خریدنے کا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے خواہشمند لوگوں کو برانگیختہ کرکے قیمت بڑھانا مقصود ہوتا ہے اور یہ ضرار و غرر ہے۔

نجش اور بین الاقوامی اِسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد:

بین الاقوامی اِسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر 73(8/4) کی شق نمبر ۷ میں درجِ ذیل باتوں کو بیان کیا گیا ہے:

نجش حرام ہے، اس کی بعض صورتیں درج ذیل ہیں:

(الف) سامان کی قیمت میں وہ شخص اضافہ کرے، جو اسے خریدنا نہیں چاہتا ہو تاکہ دوسرے خریدار کو رغبت ہو۔

(ب) جو شخص اس سامان کو خریدنا نہ چاہتا ہو وہ اس کی تعریف، اس سے اپنی واقفیت، تجربہ اور پسندیدگی کا اظہار کرے تاکہ خریدار دھوکے میں مبتلا ہو کر قیمت میں اضافہ کردے

(ج) سامان کا مالک یا اس کا وکیل یا دلال جھوٹا دعویٰ کرے کہ سامان کی اتنی قیمت دی جارہی تھی تاکہ اس کا بھاؤ تاؤ کرنے والے دھوکہ کھاجائیں۔ (فقہی جدید مسائل اور اُن کا مجوزہ حل، صفحہ نمبر: 201-200)۔

نجش کی ایک جدید صورت:

نجش کی ایک جدید صورت یہ ہے کہ مختلف ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ مال کی ایسی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح اِن کے ذریعہ شئے کی قیمت اتنی بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی ہے کہ وہ غبنِ فاحش کے زمرے میں آجاتی ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

بیع بالشرط (Conditional Sale):

اگر بیع میں بائع یا مشتری کی طرف سے کوئی شرط (جو بیع کے ارکان وصفات سے الگ ہو) لگائی گئی ہو، تو اسے ''بیع بالشرط'' کہتے ہیں۔ فقہاءِ کرام اس کے لئے صفقة فی صفقة (یعنی ایک سودے میں دوسرا سودا) کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بیع کی ممانعت ارشاد فرمائی ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا مکان کسی سے اِس شرط پر فروخت کرے کہ مشتری اُسے مکان میں ایک ماہ تک رہنے کی اجازت دیگا یا مشتری اپنی کوئی چیز اُسے فروخت کرے گا۔

بیع قبل القبض (Sale before Possession):

اگر شئے بائع کے قبضے میں آنے سے پہلے فروخت کردی جائے تو اُسے "بیع قبل القبض" کہتے ہیں، جیسے دریا سے مچھلی پکڑنے سے پہلے اُس کی بیع یا درخت پر پھل آنے سے قبل پھل کو فروخت کرنا وغیرہ، یعنی مچھلی پکڑنے کے لئے جال پھینکنے سے پہلے یہ کہے کہ اس جال میں جتنی مچھلی آئے گی، وہ اتنی قیمت پر تمھاری ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے کیونکہ ہوسکتا ہے جال میں کچھ نہ آئے، اگر آجائے تو پہلے سے مقدار کا اندازہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح پھل پر کوئی بیماری یا آفت سماوی کا احتمال رہتا ہے اور صحیح مقدار کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔

بیع حاضر لباد (Urbanite's for Nomadic):

اِس کی صورت یہ ہے کہ ایک دیہاتی معمول کے مطابق اپنا مال فروخت کرنے کے لئے شہر کی طرف لاتا ہے، مگر کوئی دلاّل راستے میں مل کر اُسے یہ کہتا ہے کہ اپنا سامان میرے پاس رکھ دو، تو میں یہ سامان زیادہ قیمت پر فروخت کردونگا، تاکہ تمہیں زیادہ منافع مل سکے، اِسے "بیع حاضر لباد (یعنی ہوشیار شہری تاجر کا دیہاتی کے مال کو فروخت کرنا)" کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ سلّم نے اِس سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ سلّم نے فرمایا:

لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ یعنی شہری تاجر دیہاتی کے مال کو فروخت نہ کرے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ

ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دیتا ہے، (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم البیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث:3902)۔"

اِس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ بازار میں اشیاء کی قیمت طلب و رسد کے فطری قانون کے مطابق طے ہو سکے اور صارفین کو اشیاء مناسب قیمت پر مل سکیں۔ جب کہ اس بیع کی وجہ سے نہ صرف اشیاء کی قیمتیں بڑھتی ہیں بلکہ اِستحصالی طبقے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

بیع ملامسہ (Sale by Touching Subject Matter):

ایسی بیع جو صرف مشتری کے مبیع کو چھو دینے سے واقع ہو جائے، اُسے "بیع ملامسہ" کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع اپنے مشتری سے یہ کہے کہ میں نے یہ مبیع اتنے روپے میں فروخت کی، لہٰذا جب تم مال کو چھو لو گے تو بیع منعقد ہو جائیگی یا خریدار فروخت کنندہ سے یہ کہے کہ میں نے مبیع اتنی قیمت میں خریدی اور جب میں مبیع کو ہاتھ لگا دوں تو بیع منعقد ہو جائیگی۔ زمانۂ جاہلیت میں بیع ملامسہ کی اِن کے علاوہ اور بھی کئی صورتیں مروّج تھیں

بیع منابذہ (Sale by Throwing the Subject Matter):

بیع منابذہ ایسی بیع کو کہا جاتا ہے، جس میں فروخت کنندہ مبیع کو مقررہ قیمت پر خریدار کی جانب پھینک دے اور اِس سے یہ بیع لازم قرار پائے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کی بیع کا رواج عام تھا۔ چونکہ بیعِ ملامسہ اور بیعِ منابذہ دونوں میں غرر (دھوکہ) کا غالب عنصر پایا جاتا ہے، لہٰذا احادیثِ مبارکہ میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اِسلام کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ لا ضرر و لا ضرار یعنی کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی نقصان اُٹھایا جائے مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْمُلَامَسَۃِ وَ الْمُنَابَذَۃِ

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع کیا ہے،(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب ابطال بیع الملامسۃ والمنابذۃ، رقم الحدیث: 1511)۔''

بیع غرر (Deceptive Sale):

ایسی بیع جس میں کسی قسم کی جہالت ہو، چاہے مبیع میں ہو یا ثمن میں ہو یا مبیع کی سپردگی کی قدرت میں ہو، ''بیع غرر'' کہلاتی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دھوکے ساتھ خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے،(سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی کراھیۃ بیع الغرر، رقم الحدیث:1230)۔''

بیع الحصاۃ (Sale by Throwing Stone):

زمانۂ جاہلیت میں بیع وشراء میں یہ طریقۂ کار بھی مروّج تھا کہ فروخت کنندہ اور خریدار جب کسی مبیع مثلاً کپڑے کی قیمت پر متفق ہوجاتے تو خریدار کپڑے کے ڈھیر پر کنکری پھینکتا، وہ کنکری جس کپڑے پر گرتی مشتری کو اُسے لینا پڑتا تھا۔اسے ''بیع الحصاۃ'' یعنی کنکری کے ذریعے بیع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے، کیونکہ اِس میں بھی غرر کا غالب ترین احتمال موجود ہے، جس کی وجہ سے فریقین کے درمیان نزاع کا خدشہ ہے۔

بیع مصرّاۃ:

مصرّاۃ کے لغوی معنیٰ ''روکنے اور جمع کرنے'' کے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں اِس سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری وغیرہ کے تھنوں کو باندھ کر چند دنوں تک اُن کا دودھ نہ دد

جائے، تاکہ جب اُس جانور کو بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا جائے تو مشتری اس کے تھن کو دیکھ کر یا دودھ دوہ کر، جو یقیناً اس وقت زائد ہوگا، یہ خیال کرے کہ یہ روزانہ اتنی ہی مقدار میں دودھ دیتا ہے اور اس طرح فروخت کنندہ کو زیادہ قیمت وصول ہو جائے۔ دھوکے کے پائے جانے کی وجہ سے اِسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

بیع مزابنہ:

اِس سے مراد ایسی خرید وفروخت کا ایسا معاملہ ہے، جس میں درخت میں موجود کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں یا درخت کے انگور منقے کے بدلے میں فروخت کئے جائیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس طرح کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلًا وَ اِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا وَ اِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذَالِكَ كُلِّهٖ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کا باغ ہو، تو جو کھجوریں درخت میں ہیں ان کو خشک کھجوروں کے بدلے میں فروخت کرنا اور انگور کا باغ ہو، تو درخت کے انگوروں کو منقے کے بدلے میں ناپ کر فروخت کرنا اور کھیت میں جو غلّہ ہے اسے غلّے کے بدلے میں ناپ کر فروخت کرنا ان سب سے منع فرمایا، (السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب البیوع، باب من اجار قسمۃ الثمار بالخرص)۔''

بیع مجازفہ (Speculated Sale):

ایسی بیع، جو اندازے اور قیاس کی نبیاد پر کی جائے، اُسے ''بیع مجازفہ'' کہا جاتا

ہے۔ غرر کے پائے جانے کی وجہ سے یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ کا کاروبار بھی اندازے اور قیاس پر ہوتا ہے لہذا وہ بھی ناجائز ہے۔

☆☆☆
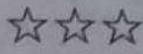
باب ۔۔۔۔۔۳

خیار (Option):

بیع وشراء کے معاملات میں ہر ممکن کوشش کے باوجود بسا اوقات دانستہ یا نادانستہ طور پر کبھی بائع اور کبھی مشتری کی طرف سے مبیع یا ثمن یعنی قیمت کے بارے میں غلط معلومات دے دی جاتی ہیں، جس سے فریقِ ثانی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔لہذا شریعت نے **لَا ضَرَرَ وَ لَاضِرَارَ** (نہ نقصان کرو اور نہ نقصان اُٹھاؤ) کے اُصول کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور بائع ومشتری دونوں کے مفاد کے تحفظ کے لئے بیع وشراء کے معاملے میں فریقین کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ سودا منسوخ کر دیں یا اُسی سودے پر بیع کو نافذ العمل رہنے دیں۔بائع ومشتری کو حاصل ہونیوالے اِس اختیار کو اصطلاحِ شرع میں ''خیار'' کہا جاتا ہے

بیع وشراء کے معاملات میں خیار کو اپنا کر مستقبل کے کئی مسائل حل کئے جاسکتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں اکثر لوگ شریعت کی دی ہوئی اِس آسانی سے نا آشنا ہیں، جس کی وجہ سے بعد میں آپس میں تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں۔

خیار کی تعریف:

خیار سے مراد بائع یا مشتری کا وہ حق شرعی ہے، جس کی وجہ سے وہ چند شرائط کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بیع کو منسوخ / نافذ کر سکتا ہے۔

خیار کی صورتیں:

۱۔ خیارِ قبول (Option for Acceptance)

۲۔ خیارِ شرط (Optional Condition)

۳۔ خیارِ تعیین (Option for Selection)

۴۔ خیارِ رؤیت (Option to Inspect)

۵۔ خیارِ عیب (Option of Defect)

۶۔ خیارِ وصف (Option for Description)

۷۔ خیارِ نقد (Option As to Payment)

سطورِ ذیل میں ہر ایک کی تعریف اور شرعی احکام درج کیے جا رہے ہیں:

۱۔ خیارِ قبول (Option for Acceptance)

اگر کسی نے دوسرے شخص کو کسی شئے کے خریدنے یا فروخت کرنے کی ایجاب کی ہو، تو فریقِ ثانی اُس ایجاب کو قبول کرنے یا رد کرنے کا کلی اختیار رکھتا ہے، فریقِ ثانی کے اس اختیار کو خیارِ قبول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا تَبَایَعَ الرَّجُلَانِ، فَکُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا فَکَانَا جَمِیْعًا

ترجمہ: ''جب دو اشخاص بیع وشراء یعنی خرید وفروخت کا معاملہ کریں، تو اُن میں سے ہر ایک کو جدا ہونے سے پہلے اختیار ہے کہ وہ ایجاب کو قبول کرے یا رد کردے، (مسند امام احمد بن حنبل ،مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ ،مسند المکثرین من الصحابۃ، رقم الحدیث 5844)۔''

حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک اور حدیث میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْبَیِّعَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا بِالْخِیَارِ عَلٰی صَاحِبِہٖ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اِلَّا بَیْعَ الْخِیَارِ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فروخت کنندہ اور خریدار میں سے

ہر ایک کو خیار حاصل ہے، جب تک وہ جُدا نہ ہوں مگر بیع خیار کی صورت میں (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین، رقم الحدیث: 1531)''۔

خیارِ قبول کے لئے شرائط:

خیارِ قبول کے جواز کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱..... مجلس کے بدلنے سے پہلے قبول کرلیا جائے کیونکہ مجلس کے اختتام کے بعد خیار قبول نہیں رہتا بلکہ نئے سرے سے ایجاب کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲..... ایجاب کرنے والا زندہ ہو، یعنی اگر عاقدین میں سے ایجاب کرنے والا انتقال کر جائے تو اب دوسرے کے لئے خیارِ قبول نہ رہا۔

۳..... قبول سے پہلے موضوع تبدیل نہ ہو۔

۴..... قبول کرنے سے پہلے موجب (ایجاب کرنے والا) کو اختیار ہے کہ ایجاب کو واپس کرلے کیونکہ فریقِ ثانی کے قبول کر لینے کے بعد واپس لینے کا اختیار نہیں۔

۲۔خیارِ شرط (Optional Condition):

اِصطلاحِ شرع میں خیارِ شرط سے مراد یہ ہے کہ فروخت کنندہ اپنی کوئی شئے اِس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے اختیار ہے کہ بیع کو قائم رکھوں یا فسخ کردوں۔ بائع یا مشتری کا یہ اختیار ''خیارِ شرط'' کہلاتا ہے۔ اِس میں اختیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے اور کم سے کم کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جسے خیار حاصل ہے بیع کو منسوخ (Cancel) کر سکتے ہیں، جبکہ مقررہ مدت گذر جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے اور فریقین میں سے کسی کے پاس معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ خیارِ شرط کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ عقد کے وقت ہی خیار کا ذکر کیا جائے بلکہ عقد

کے مکمل ہوجانے کے بعد بھی دونوں نے یا کسی ایک نے خیار کا کہہ دیا تو خیار حاصل ہوجائے گا۔ البتہ عقد کے منعقد ہونے سے پہلے خیار کی شرط لگانا باطل ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے خیارِ شرط کے جواز پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قولی حدیث سے دلیل دی ہے کہ حضرت حبان بن منقذ بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرید وفروخت کے معاملات میں (اپنی ذہنی کمزوری کی وجہ سے اکثر) نقصان اُٹھالیا کرتے تھے، لہذا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے کہا کہ جب کبھی بھی تم خرید وفروخت کا معاملہ کرو، تو کہہ دیا کرو کہ میری طرف سے دھوکا نہیں ہے یا میرے ساتھ دھوکا نہ کیا جائے اور مجھے تین دن تک خیار حاصل ہے، (ہدایہ اخیرین، جلدِ دوم، باب خیار الشرط)۔ اِس حدیث مبارک سے نہ صرف خیار کے جواز بلکہ اِس کی زیادہ سے زیادہ مدّت کا بھی پتا چلتا ہے۔ اِسی طرح حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ قال (صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم) اَلْخِیَارُ ثَلٰثَةُ اَیَّامٍ یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خیار تین دن تک ہے، (کنز العمال، باب بیع الخیارِ)۔

خیارِ شرط اور تعینِ مدّت:

خیار شرط میں یہ ضروری ہے کہ مدّت زیادہ سے زیادہ تین دن تک مقرر کی جائے، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اگر فریقین میں کسی ایک یا دونوں نے اِس طرح سے خیار لیا کہ اُسے چند ایام یا ہمیشہ کے لئے خیار حاصل ہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اِسی طرح کسی نے تین دن سے زائد مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ یا اس سے زائد کا خیار لیا تو اِس میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک فاسد ہے، جبکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اگر مدّت کا تعین کردیا جائے تو تین دن سے زائد بھی جائز ہے۔ صاحبین اپنے موقف کی دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ ابنِ عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث لاتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ماہ کے لئے بھی خیار کو جائز قرار دیا ہے۔

مکمل یا جزوی خیار:

خیار شرط مکمل مبیع میں بھی ہو سکتا ہے اور جزو میں بھی۔ اگر کئی چیزوں کو ایک ہی عقد میں فروخت کیا یا خریدا جائے اور اُن میں سے بعض میں خیار شرط لیا جا رہا ہو، تو ضروری ہے کہ جن اشیاء میں خیارِ شرط لیا جا رہا ہے، اُن کو اُن کی قیمت کے ساتھ متعین کر دیا جائے تا کہ بعد میں نزاع کا باعث نہ بنے۔

فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ بیع کے علاوہ درج ذیل مالی معاملات میں بھی فریقین کو خیار حاصل ہوتا ہے:

(۱) اِجارہ (۲) مال میں صلح (۳) رہن میں راہن کو خیارِ شرط حاصل ہے۔ (۴) معاملۂ کفالہ میں مکفول لہ اور کفیل دونوں کو خیار حاصل ہے۔ (۵) اِبراء میں یعنی ابراء کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ میں اپنا ارادہ ملتوی کر دوں۔ (۶) شفعہ کے معاملے میں طلبِ مواثبت کے بعد خیار ہو سکتا ہے۔ (۷) حوالہ (۸) مزارعت (۹) اور مساقات۔

نوٹ: اِجارہ، مال میں صلح، رہن، معاملۂ کفالہ، اِبراء، شفعہ، معاملۂ حوالہ، مزارعت اور مساقات کی تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

خیارِ شرط کی صورتیں اور اُن کے احکام:

(۱) خیارِ شرط کبھی بائع، (۲) کبھی مشتری، (۳) اور کبھی دونوں کی جانب سے ہوتا ہے۔

اگر خیار کا حق صرف فروخت کنندہ کو حاصل ہو، تو اِس صورت میں ''مبیع'' اُس کی ملکیت سے

خارج نہیں ہوگی اور چونکہ زمانہ خیار میں مبیع پر خریدار کی ملکیت نہیں ہوتی اس لئے وہ مبیع کو کسی اور شخص سے فروخت نہیں کرسکتا ہے اگر چہ اُس نے فروخت کنندہ کی اجازت سے مبیع پر قبضہ بھی کرلیا ہو۔

اگر خریدار کے قبضے میں مدّتِ خیار میں مبیع ضائع ہوجاتی ہے تو خریدار پر اُس کی حقیقی قیمت کی ادائیگی لازم آئیگی اور اگر مدّتِ خیار کے بعد مبیع ضائع ہوتی ہے تو پھر ثمن (Agreed Price) کی ادائیگی ضروری ہوگی کیونکہ مدّتِ خیار کے بعد مبیع خود بخود بائع کی ملکیت سے نکل مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور مشتری پر ثمن کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

اگر خیار مشتری کو حاصل ہو، تو پھر مبیع بائع کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ لہذا خیارِ مشتری کی صورت میں اگر مبیع خریدار کے قبضے میں ہلاک ہوجاتی ہے تو اُس پر ثمن (Agreed Price) کی ادائیگی لازم ہوگی۔

نوٹ: قیمت سے مراد مبیع کی حقیقی قدر ہے جبکہ ثمن سے مراد وہ قیمت ہے، جس پر فروخت کنندہ اور خریدار دونوں متفق ہوجائیں۔

۳۔ خیارِ تعیین (Option for Selection):

خیارِ تعیین سے مراد یہ ہے کہ مشتری نے کسی غیر معین چیز کو خریدا اور یوں کہا کہ ان میں سے ایک کو خریدتا ہوں، تو مشتری جس ایک کو چاہے گا متعین کرلے گا مشتری کے اس اختیار کو ''خیارِ تعیین'' کہتے ہیں۔ فقہاءِ کرام نے خیارِ تعیین کے لئے چند شرائط بیان کی ہیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں۔

ا...... مشتری مختلف چیزوں میں سے کسی ایک کو خریدے گا، یہ نہیں کہ وہ سب کو خریدے گا۔

۲۔۔۔۔۔ دو یا تین میں سے ایک لینے کی شرط لگائے، تین سے زائد چیزوں میں خیارِ تعیین جائز نہیں ہے۔

۲۔۔۔۔۔ اِس اختیار کی زیادہ سے زیادہ مدت تین دن ہو۔

۳۔۔۔۔۔ مبیع ذوات القیم میں ہو مثلی اشیاء میں سے نہ ہو۔

خیارِ تعیین جس طرح مشتری کو حاصل ہوتا ہے، اِسی طرح بائع کو بھی حاصل ہوسکتا ہے، مثلاً کسی نے بائع کو یہ اختیار دے دیا کہ اِن دو یا تین چیزوں میں سے جسے تم متعین کردو، میں خرید لونگا تو بائع کو اختیار ہے کہ وہ کسی ایک کو متعین کردے۔ اِس صورت میں مشتری پر اُس چیز کا لینا لازم ہوجائیگا بشرطیکہ اُس میں کوئی عیب نہ ہو۔

۴۔ خیارِ رؤیت (Option to Inspect):

خیارِ رویت سے مراد یہ ہے کہ اگر مشتری کسی چیز کو بغیر دیکھے خرید لے اور یہ شرط عائد کرے کہ دیکھنے کے بعد اگر مبیع پسند نہ آئی تو وہ نہیں خریدے گا، مشتری کے اس اختیار کو ''خیارِ رویت'' کہتے ہیں۔ خیارِ رویت کے لئے کسی وقت کی تحدید نہیں ہے، بلکہ مشتری جس وقت دیکھے گا، اسے فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن ایک مرتبہ رضامندی یا مبیع پر تصرف کے بعد مشتری کا یہ اختیار ختم ہوجاتا ہے۔

حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنِ اشْتَرىٰ شَيْئًا لَّمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِذْ رَاٰهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَهُ

ترجمہ: ''جس نے ایسی چیز خریدی، جسے دیکھا نہ ہو، تو دیکھنے کے بعد اُسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے یعنی سودا نافذ کردے یا فسخ کردے'' (المقاصد الحسنۃ فیما اشتہر علی الالسنۃ، باب من اشتریٰ شیئا لم یرہ فھو بالخیار)''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی زمین (جو کہ بصرہ میں تھی) فروخت کی۔ کسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ کو اِس خرید وفروخت میں نقصان ہے، تو اُنہوں نے کہا کہ مجھے اِس خرید وفروخت میں خیار حاصل ہے کہ میں نے بغیر دیکھے خریدی ہے اور حضرت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کسی نے کہا کہ آپ کو اِس معاملے میں نقصان ہے تو اُنہوں نے بھی کہا کہ مجھے خیار حاصل ہے کیونکہ میں نے بغیر دیکھے بیع کر دی ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں دونوں حضرات نے حضرت جبیر بن مطعم کو اپنا حَکَم (ثالث) بنایا اُنہوں نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ واقعہ صحابہٗ کرام کے زمانے میں واقع ہوا اور کسی نے اِس پر انکار نہیں کیا لہٰذا یہ بمنزلۂ اجماعِ صحابہ کے بھی ہے۔ (تلخیص از بہارِ شریعت، حصہ ۱۱، بحوالہ ہدایہ، تبیین ودرر غرر)۔

خیارِ رؤیت صرف مشتری کو حاصل ہوتا ہے، لہٰذا بائع نے ایسی شئے فروخت کی جسے اُس نے نہیں دیکھا ہے مثلاً اُسے ترکے میں کوئی چیز ملی اور بغیر دیکھے اُس نے فروخت کر دی تو اب اِس کو یہ اختیار نہیں رہے گا کہ دیکھنے کے بعد بیع فسخ کر دے۔

خیارِ رؤیت کا تعلق چونکہ دیکھنے سے ہے، لہٰذا اگر مشتری مبیع دیکھے بغیر اپنے اِس خیار سے دستبرداری کا اعلان بھی کر دے تو پھر بھی یہ خیار ختم نہیں ہوگا بلکہ دیکھنے کے بعد وہ اُسے استعمال کر سکتا ہے۔

۵۔ خیارِ عیب (Option of Defect):

بیع کی درستگی کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ فروخت کنندہ مبیع میں پائے جانے والے عیوب خریدار پر اور خریدار ثمن میں موجود عیب فروخت کنندہ پر ظاہر کر دے۔ اگر انہوں نے عیب ظاہر کیے بغیر معاملہ کر لیا تو معلوم ہونے کے بعد وہ بیع کو منسوخ کر سکتے ہیں

فریقین کے اس اختیار کو اِصطلاحِ فقہاء میں "خیارِ عیب" کہتے ہیں۔ خیارِ عیب میں یہ ضروری نہیں ہے کہ فریقین خریدتے وقت عیب ہونے کی صورت میں واپس کرنے کی شرط لگائے، بلکہ شرط لگائے بغیر بھی عیب پائے جانے سے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی عیب دار چیز کے عیب کو ظاہر کئے بغیر فروخت کرنے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ

ترجمہ: "جس شخص نے عیب دار چیز عیب ظاہر کئے بغیر فروخت کی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں ہے یا فرمایا کہ ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں،

(سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ، رقم الحدیث 2247)۔"

ایک اور حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اِذَا بَاعَ مِنْ اَخِيْهِ بَيْعًا فِيْهِ عَيْبٌ اِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور جب مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے، جس میں کوئی عیب ہو، تو اُس عیب کو چھپانا اُس کیلئے حلال نہیں، (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ، رقم الحدیث:2246)۔"

شرائط:

فقہاءِ کرام نے خیارِ عیب کی درستگی کے لئے مندرجہ ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱...... مبیع میں وہ نقص یا عیب عقدِ بیع کے وقت موجود ہو یا بعد عقد مشتری کے قبضہ سے پہلے پیدا ہو لہٰذا مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد جو عیب پیدا ہو اس کی وجہ سے خیار حاصل نہ ہوگا

۲...... مشتری کے قبضہ کے بعد بھی وہ عیب باقی رہے، اگر قبضے میں آنے کے بعد وہ عیب نہ رہا تو خیار بھی نہ رہے گا۔

۳...... مشتری یا بائع کو قبضہ کے وقت عیب کا علم نہ ہو، اگر عیب جاننے کے باوجود قبضہ لے لیا تو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

۴...... بائع نے عیب سے برأت نہ کی ہو، اگر اس نے کہہ دیا کہ میں اِس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں تو خیار ثابت نہیں۔

۶۔خیارِ وصف(Option for Description):

اگر بائع نے فروخت کرتے وقت مبیع کی خصوصیات بیان کی اور بعد میں وہ خصوصیات مبیع میں نہ پائی جائیں تو مشتری کو اختیار ہے کہ وہ معاہدہ فسخ کر دے، مشتری کے اس اختیار کو ''خیارِ وصف'' کہتے ہیں۔مثلاً کسی نے اپنی گائے بیچی اور کہا کہ یہ دودھ دیتی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے یا کسی نے رات کے وقت کوئی چیز فروخت کی اور کہا کہ اس کا رنگ سبز ہے، صبح معلوم ہوا کہ رنگ سرخ ہے تو ان صورتوں میں مشتری مبیع واپس کرسکتا ہے۔

۷۔خیارِ نقد(Option As to Payment):

اگر مشتری نے ایک مقررہ وقت پر قیمت کی ادائیگی کا وعدہ کیا، لیکن بروقت ادائیگی نہ کرسکا تو بائع کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، بائع کے اِس اختیار کو اِصطلاحِ فقہ

میں "خیارِنقد" کہتے ہیں۔

خیارِ نقد کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ بعض اوقات مشتری ثمن ادا کرنے میں بلاوجہ تاخیر کرتا ہے، جس کی وجہ سے بائع کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ لٰہذا مشتری کی اِس کوتاہی سے بائع کو نجات دینے کیلئے خیارِ شرط کی طرح خیارِ نقد کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

غبن و غرر (Misrepresentation and Uncertainty):

غبن اور غرر بھی ایسے عناصر ہیں، جن کی وجہ سے بعض اوقات فریقین میں سے کوئی ایک یا دونوں بیع کو فسخ کر سکتے ہیں۔ اِسلام نے خرید و فروخت اور دوسرے تمام معاملات میں اِس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ ہر قسم کے غبن اور غرر سے پاک ہو۔ اِس حوالے سے ایک عمومی حدیث درج کی جارہی ہے، جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ شَاقَ شَاقَ اللّٰہُ عَلَیْہِ

ترجمہ: "حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نہ خود نقصان اُٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ جو دوسرے کو نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اُسے ضرر پہنچائے گا اور جو دوسرے پر مشقت ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اُس پر مشقت ڈالے گا، (کنز العمال، کتاب البیوع، جلد:2، صفحہ نمبر:59)۔"

لٰہذا ذیل میں قدرے تفصیل سے اِن کی وضاحت اُن کے شرعی احکام کے ساتھ درج کی جارہی ہے:

غبن/دھوکہ (Misrepresentation in Price):

غبن کے لغوی معنیٰ "دھوکہ" کے ہیں، جبکہ اصطلاح میں اِس سے مراد ہے:

دھوکے کے ساتھ کسی چیز کی قیمت اِس قدر لے لینا کہ وہ تجارت کے ماہرین کے نزدیک اُس کی اصل قیمت سے بہت زیادہ ہو۔

غبن کی قسمیں:

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱…… غبنِ فاحش (Major Misrepresentation):

۲…… غبنِ یسیر (Minor Misrepresentation):

غبنِ فاحش (Major Representaion):

اگر کسی نے دھوکے کے ساتھ اپنی چیز کی قیمت اُس جیسی قیمت سے بہت زیادہ لے لی ہو تو وہ غبنِ فاحش ہے۔ فقہاءِ کرام نے عام طور پر دوگنی قیمت کو غبنِ فاحش قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ بھی دھوکے ہی کی ایک صورت ہے لہذا شرعاً اِس کی ممانعت ہے اور غبنِ فاحش میں خریدار سودے کو منسوخ کر سکتا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں غبن کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

الغبن الفاحش: علی قدر نصف العشر فی العروض والعشر فی الحیوانات والخمس فی العقار او زیادة

ترجمہ: ''غبنِ فاحش سامان میں پانچ فیصد، حیوانات میں دس فیصد، جائیداد غیر منقولہ مثلاً زمین و مکان وغیرہ میں بیس فیصد یا اس سے زائد غبن کو کہتے ہیں (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر:165)۔''

غبنِ یسیر (Minor Representation):

اگر کسی نے دھوکے سے قیمت زیادہ لی ہو، لیکن وہ اتنی زیادہ نہ ہو بلکہ معمولی ہو

مثلاً 8 یا 9 روپے کی چیز کو 10 روپے میں فروخت کی تو یہ غبن یسیر ہے۔ غبن یسیر میں بھی اگرچہ دھوکہ موجود ہوتا ہے اور یہ بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے تاہم اس میں مشتری بیع کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

غرر (Uncertainty):

غرر کے لغوی معنی ''غیر یقینی کیفیت'' کے ہے، اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کاروبار وغیرہ میں کسی ایک فریق کے مفاد کا کسی ایسے امر پر موقوف ہونا، جو غیر یقینی ہو اور اس پر اُسے اختیار بھی حاصل نہ ہو۔ مثلاً بائع کا مشتری کو یہ کہنا کہ اس دفعہ میرے جال پھینکنے پر جو مچھلیاں آئینگی وہ میں تم سے اِتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں وغیرہ۔ غبن کی طرح غرر کی بھی دو قسمیں ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) غررِ کثیر (Major Uncertainty):

(۲) غررِ یسیر (Minor Uncertainty):

ذیل میں ہر ایک کی تعریف بیان کی جارہی ہے:

(۱) غررِ کثیر (Major Uncertainty) :

اگر غرر اِس نوعیت کا ہو، جس کی وجہ سے فریقین میں تنازع یقینی ہو تو اِسے غررِ کثیر کہتے ہیں۔ جیسے کسی ایسی چیز کو فروخت کرنا، جس کا ابھی وجود ہی نہ ہو۔ اگر کسی مالی معاملے میں غررِ کثیر واقع ہو، تو وہ معاملہ شرعاً باطل ہوگا۔

(۲) غررِ یسیر (Minor Uncertainty):

اگر معمولی درجے کا غرر ہو، جس میں جھگڑے (Dispute) کا امکان نہ ہو تو اِسے غررِ یسیر کہتے ہیں۔ جیسے مشتری کا یہ کہنا کہ آج مجھے جو اُجرت ملے گی، اُس سے میں مبیع

کی قیمت ادا کردونگا۔ یہ بیع جائز ہے۔

اِقالہ (Rescission):

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیع کا معاہدہ مکمل ہو جانے کے بعد بائع یا مشتری میں سے کوئی ایک کسی عذر (جیسے جو سامان خریدا تھا، اب اُس کی ضرورت نہ رہی ہو وغیرہ) کی وجہ سے معاہدہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہے، اور وہ دوسرے فریق کو اِسے منسوخ کرنے کی پیشکش کرتا ہے۔ اگر دوسرا اُس کی اِس پیشکش یا خواہش کو قبول کر کے معاہدہ فسخ کرنے پر راضی ہو جائے، تو فریقین کے اِس عمل کو اِصطلاحِ شریعت میں ''اِقالہ'' کہا جاتا ہے۔ کسی کی مجبوری پر اقالہ کرنے والے کو حدیث میں مستحقِ ثواب قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کی سہولت اور رعایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: ''جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی لغزش دور فرمائے گا، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقالۃ، رقم الحدیث: 2283)۔''

اِقالہ کی قسمیں:

۱...... اِقالۂ صحیحہ (Valid Rescission):

۲...... اِقالۂ فاسدہ (In-Valid Rescission):

۱...... اِقالۂ صحیحہ (Valid Rescission):

اِقالہ کی صورت میں اگر بیع بغیر کسی شرط کے فسخ کردی جائے تو، اُسے ''اِقالۂ صحیحہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲...... اِقالۂ فاسدہ (In-Valid Rescission):

اگر اِقالہ کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا جائے تو، اِسے ''اِقالۂ فاسدہ'' کہتے ہیں۔

اِقالۂ بیع کی شرائط:

(الف) ایجاب وقبول کے لئے شرائط:

اِقالۂ بیع میں یہ ضروری ہے کہ وہ فریقین کی جانب سے ایجاب وقبول کے ساتھ ہو یعنی ایک فریق معاملہ کو منسوخ کر دینے کی درخواست کرے اور دوسرا اُس کی درخواست کو قبول کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فروخت شدہ چیز کو واپس کر کے اپنی قیمت واپس لے لینا بھی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے۔

اقالہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بیع کو فسخ کرنے کا ایجاب اور قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہو۔

(ب) مبیع (فروخت شدہ مال) کے بارے میں شرائط:

مبیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اِقالہ کے وقت موجود ہو۔ اگر مبیع ضائع ہو گئی یا کسی تیسرے شخص کو فروخت کر دی گئی تو ہر دو صورت میں اِقالہ درست نہیں۔

اگر فروخت شدہ مال کا کچھ حصہ ضائع یا استعمال ہو چکا ہو، تو جتنا حصہ باقی ہے، اُس پر اِقالہ ہو سکتا ہے۔ مبیع کے برعکس ثمن (قیمت) کے ضائع یا استعمال ہو جانے پر اِقالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ثمن خرید وفروخت کے معاملے میں متعین نہیں ہوتا لہٰذا اُس کی جگہ کوئی اور چیز دی جا سکتی ہے۔

خرید وفروخت میں منافع کی تحدید:

قرآن وحدیث اور قواعدِ شرعیہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ لوگوں کو خرید وفروخت اور اپنی مملوکہ اشیاء کے تصرّف کے معاملہ میں چند شرائط کے

ساتھ آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنی صوابدید پر بہتر انداز میں معاملات سرانجام دے سکیں۔ لہٰذا اس عمومی اصول کے پیشِ نظر خرید و فروخت میں منافع کی شرح کی باقاعدہ کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ اسے تجارت کے عام حالات، ضرورت، اور تاجر کی نوعیت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم میں صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم سے یہ درخواست کی کہ آپ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کی قیمتوں کو متعین کر دیں تاکہ لوگ اُن ہی قیمتوں پر فروخت کرنے کے پابند ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت متعین کرنے والا ہے، وہی چیزوں میں کمی اور زیادتی کرنے والا ہے اور وہی رزق دینے والا ہے، (سنن ابوداؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی التسعیر، رقم الحدیث: 3451)۔''

تاہم اس سلسلے میں شریعت کے بیان کردہ جملہ اَخلاقی پہلو مثلاً نرمی، رعایت، حسنِ تدبیر اور قناعت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نفع کے حصول میں اِس قدر توجہ نہ ہو کہ اِس سے ضرورت مندوں کا استحصال ہونے لگے۔

فقہاءِ کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عام حالات میں حکمران قیمتوں کے تعین میں مداخلت نہیں کر سکتے لیکن اگر وہ یہ دیکھیں کہ تاجر حضرات ذخیرہ اندوزی یا دھوکہ دہی اور جعل سازی سے قیمتوں کو بڑھا کر لوگوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں، تو وہ اِس کی روک تھام کے لئے بہتر انتظام کرتے ہوئے بازاری نرخ کا تعین کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

باب......۴

اِجارہ وعاریت

اِجارہ (Leasing/Hiring):

اِجارہ اِسلامی معاشیات کی ایک ایسی اِصطلاح ہے، جس کے ذریعہ کسی شئے کے منافع کو استعمال کرنے کا حق (Right to use Usufruct) ایک مخصوص رقم (Rentals) کے عوض مقررہ مدت تک کسی کو دیا جاتا ہے اور مدّت کے اختتام پر شئے دوبارہ اصل مالک کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص اپنی خدمات مخصوص وقت کے لئے کسی دوسرے کو طے شدہ اُجرت کے بدلے میں دیتا ہے، تو یہ بھی اجارہ ہی ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں درج اجارہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف درجِ ذیل ہے:

اجارۃ فی اللغۃ: بمعنیٰ الاجرۃ وقد استعملت فی معنیٰ الایجار أیضاً و فی اصطلاح الفقھاء: بمعنیٰ بیع المنفعۃ المعلومۃ فی مقابلۃ عوض معلوم

ترجمہ: ”اجارہ کے لغوی معنیٰ ہیں اجرت ومزدوری۔ یہ لفظ اُجرت پر کسی چیز کو دینے کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فقہ کی اِصطلاح میں کسی معلوم شئے سے معینہ منافع حاصل کرنے کو (اجارہ) کہتے ہیں، (مادّہ نمبر ۴۰۵)۔“

اِجارہ کے لغوی معنیٰ اور وجہِ تسمیہ:

صاحب ہدایہ اِجارہ کے لغوی معنیٰ یہ تحریر کرتے ہیں کہ **”اجارۃ فی اللغۃ بیع المنافع“** یعنی اِجارہ کے لغوی معنیٰ ”منافع بیچنے“ کے ہیں۔ چونکہ معاہدۂ اجارہ میں

اجیر (Employee /Lessor) اپنی شئے یا محنت کو دوسرے سے فروخت کرتا ہے

لہٰذا اس مناسبت سے اِسے ''اِجارہ'' کہتے ہیں۔

فقہِ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق میں اجارہ کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

الاجارۃ بیع منفعۃ معلومۃ باجر معلوم

ترجمہ: ''منفعتِ معلومہ کو مدّتِ معلومہ تک فروخت کرنا ''اِجارہ'' کہلاتا ہے۔''

اِجارہ کی مشروعیت:

اِجارہ کی مشروعیت قرآنِ مجید اور اَحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے، ذیل میں اِس حوالے سے چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ درج کی جارہی ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے متعلق شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کے قول کو قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے، جس میں اِجارہ کا تذکرہ ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ☆ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ج فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ج وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ط سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ☆

ترجمہ: ''ان دونوں خواتین (شعیب علیہ السّلام کی بیٹیوں) میں سے ایک نے کہا: اے اباجان! آپ اِن کو اُجرت پر رکھ لیجئے، بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے، ان میں بہترین وہی ہے، جو طاقت ور اور امانت دار ہو، اُنہوں نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ

سال تک اُجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا، آپ ان شاء اللہ مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے،، (سورۂ قصص، آیت: 27،26)''۔

●......اسی طرح سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں مسکین بھائیوں کا ذکر ہے، جس سے بھی اجارہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا ☆

ترجمہ: ''رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکین لوگوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے، اِس لئے میں نے چاہا کہ اِس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا، جو ہر (صحیح وسالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا، (سورۂ کہف، آیت: 79)''۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے اشارۃً اجارۃ الاعیان (اَشیاء کا اِجارہ) کا ثبوت بھی ملتا ہے، کیونکہ وہ لوگ نہ صرف اپنی خدمات بلکہ اپنی کشتی بھی اُنہیں فراہم کیا کرتے تھے۔

نوٹ: اجارۃ الاعیان کی تعریف ''اِجارہ کی اقسام'' کے تحت آرہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اُعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَجِفَّ عَرَقُہٗ

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الرھون، باب اجر الاجراء، رقم الحدیث: 2537)''۔

صحیح میں ہے:

اِسْتَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ رَجُلًا مِنْ

بَنِیُ الدِّیْلِ ھَادِیًا خَرِیْتًا

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی علیہ والہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کی خدمات حاصل کی، جس کا تعلق بنی دیل سے تھا اور وہ راستے کی رہنمائی کرتا تھا، (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اذا استاجر اجیرا لیعمل لہ بعد ثلاثہ ایام، رقم الحدیث:2264)۔''

اِسی طرح ایک حدیثِ قدسی میں بھی اِجارہ کا ذکر آیا ہے، حدیث مبارک یہ ہے:

ثَلاثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ : رَجُلٌ اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَہٗ وَ رَجُلٌ اِسْتَاجَرَ اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْہُ وَلَمْ یُعْطِہٖ اَجْرَہٗ

ترجمہ: ''(رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں تین آدمیوں کی طرف سے مخاصمت (اپنی شان کے لائق جھگڑا) کرتا ہوں۔

۱۔۔۔۔۔ جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر بھی عہد شکنی کی۔

۲۔۔۔۔۔ جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے قیمت کھالی۔

۳۔۔۔۔۔ جس نے کسی سے مزدوری کروا کر یا کام پورا لینے کے بعد اُس کی مزدوری نہ دی، (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اثم من منع اجر الاجیر، رقم الحدیث:2270)۔''

اِجارہ کی اقسام:

اِجارہ کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

(۱) اِجارۃ الاعیان(Leasing of specific property):

(۲) اِجارۃ الاشخاص(Services Ijara):

(۱) اِجارۃ الاعیان(Leasing of specific property):

اجارہ کے معنی ''کرایہ پر دینا'' اور الاعیان عین کی جمع ہے، جس کے معنی ''سامان یا خارج میں موجود اشیاء'' کے ہیں، جبکہ اصطلاح میں اِجارۃ الاعیان سے مراد ہے ''کسی چیز کے حقِ استعمال کو طے شدہ مدّت کے لئے کرائے پر دینا'' مثلاً مکان یا گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دینا۔ اِجارہ پر دی جانے والی چیز کی ملکیت اُس کے مالک (Lessor) کے پاس ہی رہتی ہے مستاجر اُس سے فائدہ حاصل کرنے کا حقدار ہوتا ہے۔

اِجارۃ الاعیان عام طور پر درجِ ذیل تین اقسام کی چیزوں پر ہوتا ہے:

۱۔۔۔۔ جائیدادِ غیر منقولہ مثلاً زمین، مشینری اور مکانات وغیرہ۔

۲۔۔۔۔ سامان مثلاً کپڑے اور برتن وغیرہ۔ ۳۔۔۔۔ جانور وغیرہ۔

(۲) اِجارۃ الاشخاص (Services Ijara):

ایسا اِجارہ، جس میں کوئی شخص/ادارہ اپنی خدمات کسی کو طے شدہ معاہدے کے تحت دیتا ہے اور اُس کا معاوضہ (Consideration) اُجرت کی صورت میں لیتا ہے، جیسے مزدوری پر کام کرنا وغیرہ۔ اِجارۃ الاشخاص کو ''اجارۃ الخدمت'' بھی کہتے ہیں۔

اِجارہ کی مزید چند قسمیں:

اِجارۂ منجزہ (Executed Lease):

اگر اِجارہ عقد طے پاتے ہی نافذ العمل ہو جائے، تو اِس طرح منعقد ہونے والا اِجارہ فقہی اصطلاح میں ''اِجارۂ منجزہ'' کہلاتا ہے۔

اِجارۂ مضافہ (Deferred Lease):

اگر اِجارہ فریقین کی باہمی رضا مندی سے وقتِ عقد کی بجائے مستقبل کی کسی تاریخ پر نافذ العمل قرار دیا گیا ہو، تو وہ ''اِجارۂ مضافہ'' کہلائے گا۔

اِجارۂ باطلہ (Void Lease):

ایسا عقدِ اجارہ جو اپنی اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے درست نہ ہو، وہ "اجارۂ باطلہ" ہے۔ جیسے کسی شخص کا شراب کشید نے والے ادارے میں بطور اَجیر کام کرنا وغیرہ۔

اِجارۂ فاسدہ(Invalid Lease):

اگر عقدِ اجارہ اپنی ذات واصل کے اعتبار سے تو درست ہو لیکن کسی امرِ خارج کی وجہ سے درست نہ ہو، تو یہ اجارۂ فاسدہ ہے اور اُس امرِ خارج کے دور ہو جانے تک ناقابلِ عمل رہے گا۔ جیسے کسی نے اپنی کوئی مملوکہ چیز دوسرے کو اِس شرط پر اجارہ پر دیا کہ موجر بھی اپنی کوئی چیز اُسے استعمال کرنے کے لئے دے تو اِس شرطِ فاسد کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

اجارہ فاسدہ کی صورت میں اجیر اُجرتِ مثل کا حقدار ہوتا ہے بشرطیکہ اُجرتِ مثل طے شدہ اُجرت سے کم یا برابر ہو۔ اُجرتِ مثل سے مراد وہ اُجرت ہے، جو عام طور پر اُس جیسے کئے جانے والے کام میں دی جاتی ہو۔ جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

أجر المثل: هو الأجرة التى قدرتها أهل الخبرة السالمين من الغرض

ترجمہ: "اجرتِ مثل سے مراد اُجرت کی وہ مقدار، جو بے غرض واقف کاروں نے متعین کردی ہو، (مجلۃ الاحکام العدلیۃ)۔"

اجارہ کے بنیادی عناصر:

۱) اجیر/مؤجر (Employee/Lessor)

۲) مستاجر (Employer/Lessee)

۳) ایجاب وقبول (Offer and Acceptance)

۴) اُجرت/کرایہ (Wages/Rent)

۵) اَثاثہ (Leased Asset/Property)

اِجارہ کی درستگی کے لئے شرائط:

عقدِ اِجارہ کی درستگی کے لئے درجِ ذیل شرائط ہیں، اِن شرائط میں سے کچھ شرائط اِجارۂ خدمت اور کچھ اِجارۂ اعیان کی ہیں جبکہ چند ایسی شرائط بھی ہیں جن کا تعلق دونوں سے ہے۔

۱...... عاقدین (Parties) عاقل ہوں، اِجارے میں عاقدین کا بالغ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر سمجھدار نابالغ بچے نے اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت سے اپنے لئے اِجارۂ خدمت یا اپنے مال کے لئے اِجارۂ اَعیان کیا، تو یہ جائز ہے۔

۲...... دونوں فریق کی باہمی رضامندی سے عقدِ اِجارہ منعقد ہوا ہو۔

۳...... اجارہ کرنے کا اختیار حاصل ہو یعنی جو اجارہ کررہا ہے، اُسے ملکیت یا ولایت (سرپرستی) حاصل ہو، اگر کسی نے کسی دوسرے شخص کی خدمت یا چیز پر اُس کی اجازت کے بغیر اِجارہ کرلیا، تو وہ اِجارہ دوسرے شخص کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ موقوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس تیسرے شخص کی اجازت سے اِجارہ نافذ العمل اور منع کرنے پر نافذ العمل نہیں ہوگا۔

۴...... شئے (Leased Property) مستاجر (Lessee) کے سپرد کردی جائے، تاکہ وہ اُس سے آزادی کے ساتھ منافع حاصل کرسکے۔

۵...... اُجرت معلوم ہو۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَاجَرَ اَجِيْرًا فَلْيُعْلِمْهُ اَجْرَهُ

ترجمہ: ''جو شخص کسی کی خدمت حاصل کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ اُس (اَجیر) کی اُجرت متعین کرلے۔''

۶...... منفعت (Benefits/Usufructs) کا تعین ہونا تاکہ مستقبل میں منفعت کے حوالے سے فریقین میں کسی قسم کا تنازع پیدا نہ ہو۔

۷...... مدّت کا تعین یعنی جتنی مدّت کے لئے اِجارہ کیا جارہا ہے، اُسے واضح طور پر بیان کردیا جائے۔

۸...... جس کام یا جس چیز پر اِجارہ ہورہا ہے، وہ قابلِ انتفاع ہوں اور شرعاً انہیں تسلیم بھی کیا گیا ہو۔ گناہ کے کاموں اور ایسی شئے جو گم ہوگئی ہو یا اپنی منفعت کھو چکی ہو، اُس کا اجارہ درست نہیں۔

۹...... جس شئے کا یا جس کام پر اِجارہ ہو رہا ہو، اُس کی منفعت کو اِجارے کی اُجرت نہ بنائی جائے۔

۱۰...... کسی ایسے کام کا اِجارہ نہ ہو جو بندے پر ازروئے شرع فرض ہو جیسے نماز یا روزہ رکھنے کا اِجارہ۔

۱۱...... مذکورہ بالا تمام شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ معاہدے میں کوئی ایسی شرط عائد نہ کی گئی ہو، جو شرعی عقد کے خلاف ہو۔

اِجارہ کا حکم:

اِجارہ کا حکم یہ ہے کہ اِس میں فریقین میں سے ایک منفعت جبکہ دوسرا اُس کے بدلے میں اُجرت کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اُجرت کا مستحق یکدم نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً (Gradually) یعنی جیسے جیسے شئے استعمال ہوگی یا کام ہوتا جائیگا اُس کے اعتبار سے

بالترتیب کرایہ اور اُجرت بھی لازم ہوتی جائیگی۔اس حوالے سے شرعی اُصول یہ ہے کہ **الاجارۃ تنعقد تدریجا** یعنی اجارہ تدریجا منعقد ہوتا ہے۔

اِجارۂ خدمت میں اَجیر کی صورتیں:

اِجارۂ خدمت میں اَجیر کی دوصورتیں ہوتی ہیں،جودرجِ ذیل ہیں:

ا۔اَجیرمشترک یاعام (Public Employee):

اَجیرمشترک وہ ہے،جومقررہ وقت میں ایک ہی شخص کے کام کوسرانجام دینے کا پابند نہ ہو بلکہ ایک وقت میں کئی دوسرے لوگوں کے کام بھی کرسکتا ہو جیسے ہیئر ڈریسر، خدمات فراہم کرنیوالے تمام ادارے،تشہیر (Advertisement) کے ادارے ،وکلاء وقانونی مشیران اور مال اُٹھانے والے وغیرہ۔یہ سب ایک شخص یاادارہ کا کام کرنے کے پابندنہیں ہوتے بلکہ ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں کے کام لیتے اور کرتے ہیں۔

اِسلامی بنک اوراجارۃ الاشخاص/اجارۃ الخدمت:

اِسلامی بنک اِجارۃ الاشخاص/اجارۃ الخدمت میں اَجیرمشترک یاعام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتا ہے،کیونکہ وہ کسی ایک شخص کا کام کرنے کا پابندنہیں ہوتا بلکہ ایک وقت میں کئی لوگوں کواپنی خدمات دے رہاہوتا ہے۔

اِسلامی بنک اِس اجارہ کے تحت عام طورپردرجِ ذیل خدمات سرانجام دیتا ہے:

(۱)　یوٹیلیٹی بلزکوجمع کرنا۔

(۴)　مختلف اقسام کے کارڈزمثلاًاے ٹی ایم اورڈیبٹ کارڈزکااجراء

(۵)　مالیاتی اداروں کوشرعی مشاورت دینا

(۶)　پروڈکٹ کی تشکیل میں مددفراہم کرناوغیرہ

اَجیرِ مشترک/عام کے اَحکام:

۱...... اَجیر مشترک (Public Employee) میں اجارہ کا تعلق چونکہ کام سے ہے، لہذا ایک ہی وقت میں وہ کئی لوگوں کے کام لے سکتا ہے اور انہیں کر بھی سکتا ہے۔

۲۔ اَجیر مشترک کام پورا کیے بغیر اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

۳۔ نقصان کی صورت میں اَجیر ضامن (Responsible) ہوگا۔

۲۔اَجیر خاص (Private Employee):

جو شخص/ادارہ کل وقت یا بعض وقت کے لئے کسی ایک شخص یا ادارے کا کام کرتا ہو اور اُس وقت میں کسی اور شخص یا اِدارے کا کام نہ کر سکے، اُسے ''اَجیرِ خاص'' کہتے ہیں۔ دفاتر اور کارخانے وغیرہ میں جو لوگ اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں عام طور پر وہ اَجیرِ خاص ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ: حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بحثییت اَجیر خاص مقرر کیا تھا۔ جبکہ کشتی والے واقعہ میں تمام بھائی بحثییت اَجیر عام اپنی خدمات لوگوں کو دے رہے تھے۔

اجیرِ خاص کے احکام:

۱...... اِس میں چونکہ اِجارہ کا تعلق وقت سے ہے یعنی اَجیر (Employee) اپنا وقت اِجارہ پر دے چکا ہوتا ہے لہذا اُس متعین وقت میں وہ کسی اور کا کام نہیں کر سکتا۔

۲...... طے شدہ وقت میں اُس کی حاضری ضروری ہے، حاضری کی صورت میں خواہ اُس نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں اُجرت لینے کا حقدار ہے، لیکن اگر اُس نے اپنے ذمہ عائد کام کو پورا نہیں کیا، تو اُجرت کا حقدار نہیں ہوگا، (شرح مجلّہ)۔

۳...... اجیرِ خاص چونکہ مستاجر (Employer) کے مال کا امین بھی ہوتا ہے

لہٰذا دورانِ کام اگر کوئی چیز اُجیر کی تعدی (زیادتی) کے بغیر ضائع ہوگئی ،تو اُس پر ضمان (حقیقی نقصان) لازم نہیں آئیگا لیکن اگر تعدّی ثابت ہوگئی ،تو اُجیر حقیقی نقصان (Actual Loss) کا ضامن ہوگا۔

اُجیر خاص کے کام کی نوعیت:

اُجیر خاص کے کام کی نوعیت کے بارے میں ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ وہ کام کس طریقے سے سرانجام دے۔ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر کام کی تین حالتیں ہیں: ست ،معتدل ،نہایت تیز ،اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے تو اجیر گنہگار ہوگا اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام ،کام کرنے کے اعتبار سے اُجرت لینے کا حقدار ہوگا ،اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ نہ رہا ہو ،تو اس کے موجودہ وارثوں کو واپس کردے ،ان کا بھی کچھ پتا نہ چلے تو کسی مستحق مسلمان کو صدقہ کرے۔ اُس مال کو اپنے استعمال میں لانا اُجیر کے لئے حرام ہے۔ اور اگر مزدوری میں معتدل (درمیانہ) کام کرتا ہے ،تو مزدوری حلال ہے اگر چہ اپنے ذاتی کام یا کسی اور کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔

اِسلامی بنکوں میں اجارۃ الاعیان:

اِسلامی بنکوں میں اجارۃ الاشخاص کی طرح اجارۃ الاعیان کو بھی بڑی کامیابی کے ساتھ ایک پروڈکٹ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اِجارۃ الاعیان کے استعمال کی صورت یہ ہے کہ اِسلامی بنک اپنے کلائنٹ کو اُس کی مطلوبہ شئے مثلاً مشینری اور گاڑی وغیرہ خرید کر ایک مقررہ مدت کے لئے کرائے پر دیتا ہے اور اِس کے اِستعمال کے عوض کلائنٹ سے کرایہ وصول کرتا ہے۔ اِجارہ میں اگر چہ حقِ منافع کلائنٹ کے پاس ہوتا ہے

لیکن ملکیت اس کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہ بنک کے پاس ہی رہتی ہے لہذا ملکیت کے حوالے سے تمام اخراجات اور ذمہ داریاں بنک ہی برداشت کرتا ہے اگرچہ بنک کرایہ کے تعین میں اُن اخراجات کا اعتبار کرتے ہیں۔

اِسلامی بنکوں میں اِجارۃ الاعیان کے مراحل:

اِسلامی بنکوں میں اِجارۂ اَعیان درج ذیل مراحل میں مکمل ہوتا ہے:

۱...... سب سے پہلے کلائنٹ مطلوبہ بنک کو شئے مذکورہ اِجارہ پر لینے کیلئے باقاعدہ درخواست کرتا ہے اور پھر اپنی مطلوبہ شئے کے مقامِ خرید اور قیمت خرید سے بنک کو آگاہ کرتا ہے

۲...... کلائنٹ کی درخواست وصول کرنے کے بعد بنک پہلے اپنی شرائط کے مطابق کلائنٹ کے متعلق تمام معلومات حاصل کرتا ہے، تاکہ کلائنٹ کو اِجارہ کی سہولت دینے یا نہ دینے کا حتمی فیصلہ کرسکے۔

۳...... اگر بنک کلائنٹ کی فراہم کردہ معلومات سے مطمئن ہوتا ہے، تو پھر وہ مطلوبہ شئے کو کبھی بلاواسطہ (Direct) اور کبھی بالواسطہ (Indirect) یعنی کلائنٹ کو ایجنٹ بنا کر اس کے ذریعے خرید لیتا ہے اور اس طرح اس چیز کی ملکیت بنک کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور بنک اس کا ضامن ہوجاتا ہے۔

۴...... شئے کی ملکیت بنک کو منتقل ہوجانے کے بعد کلائنٹ اور بنک کے درمیان باقاعدہ اِجارہ کا معاہدہ ہوتا ہے، جس میں اِجارہ کی مدّت، کرایہ کا تعیّن اور کرایہ لینے کے طریقہ کار کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا تنازع (Dispute) واقع نہ ہو۔ فریقین کی جانب سے معاہدہ پر دستخط ہوجانے کے بعد کلائنٹ اس چیز کا منافع حاصل کرنے کا حقدار ہوجاتا ہے جبکہ ملکیت بنک کے پاس ہی رہتی ہے۔

۵۔ اختتامِ مدت کے بعد شئے دوبارہ بنک کی ملکیت میں چلی جاتی ہے یا پھر دوبارہ سے فریقین کے درمیان اِجارہ ایگریمنٹ قائم ہو جاتا ہے۔

اِجارہ کی اصل صورت تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ مدّت کے اختتام کے بعد اِجارہ میں دی ہوئی چیز آجر/موجر کی ملکیت میں چلی جائے لیکن جدید اسلامی بنکاری نظام میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ:

(الف) بعض اوقات بنک اپنے کلائنٹ سے یکطرفہ وعدہ کرتا ہے کہ اجارہ کے اختتام پر وہ اپنی چیز مستاجر سے اتنی قیمت پر فروخت کردے گا، لیکن اس میں یہ بہت اہم ہے کہ اس وعدے کا تعلق اِجارہ ایگریمنٹ سے بالکل نہ ہو بلکہ بنک علیحدہ سے اس کا وعدہ کرے کیونکہ اگر اسے معاہدہ اِجارہ کے ساتھ منسلک کیا گیا تو شرعی نقطہ نظر سے یہ جائز نہیں ہوگا۔

اِجارہ منتہی بِالتملیک:

(Ijarah Muntahia Bittamleek)

یہ اجارہ کی ایک جدید شکل ہے، جسے اِسلامی بنکوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے، اِس کے تحت معاہدے کے وقت آجر (Lessor) اپنے مستاجر سے الگ سے ایک وعدہ کرتا ہے کہ معاہدے کی مدّت کے اختتام پر وہ اجارے پر دی ہوئی چیز اُسے گفٹ کردے گا اور بعض بنکوں کی طرف سے اِسے معمولی قیمت میں فروخت کرنے کا وعدہ بھی کیا جاتا ہے۔ چونکہ اِس اجارے سے شئے کی ملکیت آخر میں مستاجر کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اِس لئے اِسے "اِجارہ منتہی بالتملیک"، یعنی **(Lease ended on the transfer of Ownership)** ہے۔

عاریت (Borrow to Make Use):

کسی چیز کا حق اِنتفاع (Beneficial Rights) بغیر کسی عوض کے

کسی کو دینا ''عاریت'' کہلاتا ہے۔ یہ عقدِ تبرع کی ایک صورت ہے۔

عاریت کے بنیادی عناصر:

۱) معیر: کسی کو اپنی کوئی شئے عاریۃً دینے والے کو ''معیر'' کہتے ہیں۔

۲) مستعیر: جسے عاریۃً کوئی چیز دی جائے، وہ ''مستعیر'' کہلاتا ہے۔

۳) مستعار: عاریت پر دی جانے والی شئے ''مستعار'' کہلاتی ہے۔

عاریت کی شرائط:

۱...... معاملۂ عاریت میں فریقین یعنی معیر اور مستعیر دونوں کا عاقل اور صاحبِ تمیز ہونا ضروری ہے۔ عاریت میں بیع کی طرح فریقین کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ نابالغ سمجھ دار بچہ، جسے اُس کے ولی نے کاروبار وغیرہ کرنے کی اجازت دی ہو، وہ بھی عاریۃً مال دے اور لے سکتا ہے۔

۲...... معاملۂ عاریت کی درستگی کیلئے ضروری ہے کہ مستعیر مالِ مستعار پر قبضہ حاصل کرلے

۳...... مالِ مستعار متعین ہو۔ اگر معیر اپنی دو اشیاء میں کسی ایک کو عاریۃً دے اور اُس کی تخصیص (Specification) و تعیین نہ کرے، تو عاریت درست نہیں ہوگی۔ البتہ مستعیر کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ دو میں جسے چاہے عاریۃً لے سکتا ہے، تو یہ درست ہے۔

مالِ مستعار کا حکم:

۱...... عاریت پر دی جانے والی شئی امانت کے حکم میں ہوتی ہے، لہذا مطلوبہ فوائد حاصل کئے جانے کے بعد اُسے اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر مستعیر کی تعدی (زیادتی) کے بغیر شئے مستعار ضائع یا اُس کی قدر میں کمی واقع ہو جائے، تو اُس پر ضمان (نقصان کا ازالہ) عائد نہیں ہوگا لیکن اگر اُس کی کوتاہی ثابت ہوگئی، تو حقیقی نقصان کا ازالہ اُس پر ضروری ہے۔

۲..... مالِ مستعار کے وہ اخراجات، جو اُس کی بقا کے لئے ضروری ہیں، مستعیر پر عائد ہوتے ہیں۔لہذا اگر مستعیر نے اُن اخراجات کو برداشت نہیں کیا اور اِس وجہ سے مالِ مستعار کو کوئی نقصان پہنچا، تو مستعیر ضامن ہوگا۔

عاریتِ مطلقہ ومقیدہ کا حکم:

عاریت کا معاملہ مطلق یعنی بغیر کسی شرط کے بھی ہوسکتا ہے اور مقید بھی۔اگر معاملہ مطلق ہے یعنی اُس میں استعمال اور جگہ کے بارے میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو، تو مستعیر عرف ورواج کے مطابق جس طرح چاہے استعمال کرسکتا ہے۔عرف ورواج کے مطابق استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کاموں میں مالِ مستعار کو استعمال نہ کرے، جن میں استعمال کرنے سے لوگ بچتے ہیں۔مثلاً مکان عاریت مطلقہ کی بنیاد پر لیا، تو اُس میں رہ بھی سکتا ہے اور اپنا سامان وغیرہ بھی رکھ سکتا ہے لیکن اگر اُس میں بھٹی وغیرہ بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا کیونکہ مروّج نہیں ہے۔اگر معاملہ مقید ہے، تو پھر معیر کی لگائی گئی پابندی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مالِ مستعار کو استعمال کیا جانا ضروری ہوگا۔

عاریت اور اِجارہ میں فرق:

عاریت اور اجارہ میں فرق یہ ہے کہ اجارہ چونکہ عقدِ معاوضہ ہے لہذا اِس میں مال کے استعمال کرنے کا معاوضہ (Rent) لیا جاتا ہے، جبکہ عاریت کے عقدِ تبرع ہونے کی وجہ سے شئے مستعار بغیر معاوضے کے کسی کو استعمال کے لئے دی جاتی ہے۔

اجارہ میں چونکہ مدّت متعین ہوتی ہے لہذا فریقین باہمی رضامندی کے بغیر اِسے منسوخ نہیں کرسکتے ہیں، جبکہ معیر یعنی عاریت پر دینے والا اپنی شئے کسی وقت بھی مستعیر سے واپس لے سکتا ہے، اِس کیلئے فریقین کے درمیان باہمی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

اسلامی بینک کے مرابحہ واجارہ کے چند اہم مسائل:

۱۔۔۔۔ کرایے یا منافع کے تعین میں KIBOR کو معیار بنانا اور اُس کا شرعی حکم:

اسلامی بنکاری پر کیے جانے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلامی بنک اجارے میں کرائے اور مرابحہ اور دوسرے کئی معاملات میں منافع کا تعین کرتے وقت سودی بنکوں کی طرح KIBOR(Karachi Interbank Offered Rate) کو بطورِ معیار استعمال کرتے ہیں، چونکہ KIBOR سودی نظام میں استعمال کیے جانے والا (Bench Mark) ہے، لہذا اس کا استعمال اسلامی بنکوں میں جائز نہیں۔ مذکورہ بالا اعتراض کا جواب درجِ ذیل ہے:

اعتراض چونکہ KIBOR کے بارے میں ہے، لہذا پہلے اس کی مختصر وضاحت بھی کی جارہی ہے، تاکہ جواب کے سمجھنے میں یہ معاون ثابت ہو۔ KIBOR اس شرح سود کا اوسط (Average) ہے، جس پر بنک آپس میں قرضوں کا لین دین کرتے ہیں۔ اس ریٹ کا تعین مرکزی بنک یعنی اسٹیٹ بنک آف پاکستان کرتا ہے، جس کو معیار (Standard) بنا کر بنک اپنے کلائنٹ کو قرض فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اجارہ (Leasing) میں قسطوں کے تعین اور (Overdraft) کی سہولت میں بھی اسے معیار بناتے ہیں۔ اس کو معیار بنانے کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) فریقین میں سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اس میں ردوبدل کا مجاز نہ ہو۔

(ب) پوری مارکیٹ میں یکساں شرح سود نافذ ہو، چاہے آپ کسی بینک کے پاس بھی جائیں

(ج) بینک کے رسک مینجمنٹ (Risk Management) کو بہتر بنایا جاسکے۔

اس اعتراض کے جواب سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی بنکوں میں KIBOR کو بطور (Bench Mark) انتہائی ناگزیر صورتِ حال میں استعمال کیا

جارہاہے، وگرنہ اسلامی معاشی ماہرین اور علماءِ کرام کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ اسلامی بنکوں میں اجارہ وغیرہ کے کرائے کے تعین میں اس معیار کو مقرر کیا جائے، جو KIBOR سے مربوط نہ ہو، بلکہ وہ خالص اِسلامی طریقہ کار کے مطابق ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ سودی طریقہ کار کو معیار بنانیکی وجہ سے لوگوں میں شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں، جن کی وجہ سے وہ اپنی کم فہمی کے باعث اِسلامی بنکوں کی آمدنی کو حرام قرار دیدیتے ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کو نہ صرف برائی سے روکا، بلکہ اُن اُمور سے بھی روکا، جن کی وجہ سے برائی میں پڑنے کا خدشہ ہو یا شکوک وشبہات پیدا ہوں اور لوگوں کے سامنے انسان خواہ مخواہ کا بدنام ہوجائے۔ اِس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ یہ ہیں:

۱. مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفُ مَوَاقِفَ التُّهَمِ

ترجمہ: ''جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو، (فتاویٰ رضویہ جدید، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 317 بحوالہ مراقی الفلاح مع الطحطاوی، قبیل باب سجود السھو)۔''

۲. اِيَّاكَ وَمَا يَسُوْءُ الْاُذُنَ

ترجمہ: ''اُس بات سے بچ، جو کان کو بُری لگے، (مسندِ امام احمد عن ابی الغادیہ، ترتیب 416، رقم الحدیث: 17156)۔

۳. اِيَّاكَ وَكُلُّ اَمْرٍ يُعْتَذَرُ مِنْهُ

ترجمہ: ''ہر اس بات سے بچ، جس میں عذر کرنا پڑے، (جامع الاحادیث بحوالہ دیلمی، رقم الحدیث: 2990)۔''

اور چونکہ KIBOR کو معیار بنانے کی وجہ سے اسلامی بنکوں کو عوام کے سامنے عذر پیش کرنا پڑتا ہے، لہذا جتنی جلدی ہو، اِس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہئے۔ اور یہ کام اسلامی بنکوں میں خدمات سرانجام دینے والے شریعت اور بنکاری کے ماہرین کی

مخلصانہ وایماندارانہ کوششوں سے پورا کیا جاسکتا ہے۔اِس حوالے سے ایک کامیاب کوشش کی جاچکی ہے اور عنقریب اُسے مارکیٹ میں متعارف کرایا جائیگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا **KIBOR** کو معیار بنانے کی وجہ سے اسلامی بنکوں کے منافع جات (جوشرعی اُصولوں کے مطابق حلال ذرائع سے حاصل کئے جاتے ہیں) حرام ہوجاتے ہیں یانہیں؟۔اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ نظریہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں، کیونکہ کسی شئے کوحرام قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کی حرمت دلیلِ شرعی سے ثابت کی جائے نہ کہ اپنی مرضی سے جسے چاہا حرام قرار دے دیا۔حلال وحرام تو وہی ہوسکتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے حلال وحرام قرار دیا ہو۔اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی شئے کوحلال یا حرام قرار دیتا ہے،تو قرآنِ مجید میں ایسے عمل کو بڑی جسارت اور کذب وافتراء قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ☆

ترجمہ:"اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں،اُن کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بیشک جولوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں،وہ کامیاب نہیں ہوں گے،(سورہ نحل،آیت:116)۔"

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں مسلمانون کو ایسی روش اختیار کرنے سے روکا گیا ہے کہ وہ بغیر شرعی دلیل کے کسی امر کوحرام یا حلال قرار دیں۔حلت وحرمت کے بارے میں ایک اور آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ☆

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم اُن پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، (سورۂ مائدہ، آیت: 87)۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ایک حدیثِ قدسی میں اس عملِ قبیح کو از قبیلِ شرک قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں نے اپنے بندوں کو دینِ حنیف پر پیدا کیا، لیکن شیطانوں نے انہیں بہکایا اور اُن پر اُن چیزوں کو حرام کر دیا، جن کو میں نے حلال قرار دیا اور اُنہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ اُن کو شریک نہ ٹھہرائیں، جن کے شریکِ خدا ہونے کی میں نے ہرگز دلیل نازل نہیں کی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ ونعیمھا، باب الصفات التی یعرف بھا، رقم الحدیث: 7386)۔"

اسلام میں جائز ذرائع سے منافع کا حصول ممنوع نہیں، بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ اب اگر کوئی اپنی کسی شئے پر منافع کو متعین کرنے کے لئے معاشرے میں رائج کسی ایسی چیز کو معیار (Bench Mark/ Standard) بناتا ہے، جسے سود خور سود کی شرح متعین کرنے میں معیار بناتے ہیں تو اُس کے اس عمل سے حاصل ہونے والا منافع ناجائز و حرام نہیں ہوگا، اگرچہ ایسا کرنا لائق تحسین نہیں اور علمائے کرام اسے ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور اگر کسی علاقے میں خنزیر کا گوشت (جو کہ حرام ہے) ایک خاص شرح منافع پر فروخت کیا جاتا ہے، اب اگر اُس علاقے کے مسلمان جو حلال وطیّب گائے کا گوشت فروخت کرتے ہیں، گوشت کی قیمت کو متعین کرنے میں اُسی طریقہ کار کو اپنائیں، جس کے ذریعے خنزیر کے گوشت کی قیمت کو متعین کیا جاتا ہے تو مسلمانوں کے اس عمل سے نہ گائے کا گوشت حرام ہوگا اور نہ ہی اس کی فروخت سے حاصل شدہ منافع۔ اگرچہ منافع

کے تعین کو ناپاک چیز پر محمول کرنا ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس حوالے سے ذیل میں مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے اس کرایہ کے بارے میں سوال کیا، جسے اس زمانے کے مروّجہ شرح سود کو معیار بنا کر مقرر کیا گیا تھا کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟۔ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''سود ملحوظ کر کے مقدار کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات اور گندہ لحاظ ہے، لیکن اگر معین ہوجائے تو اس کرایہ میں حرج نہیں، مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نجس حساب لگا کر پونے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اس لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی، (فتاوی رضویہ جدید، جلد نمبر:6، صفحہ نمبر:922)۔''

مذکورہ بالا فتویٰ میں اگرچہ کرایہ معین کرنے کے مذکورہ طریقۂ کار کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے تاہم کرایہ کو جائز قرار دیا ہے۔

۲۔ شئے کی خریداری کے لئے کلائنٹ کو وکیل مقرر کرنا:

عام طور پر اِسلامی بنک مرابحہ اور اِجارہ کلائنٹ کے مطلوبہ شئے کی خریداری خود کرنے کی بجائے کلائنٹ ہی کو اپنا وکیل بنا کر اُس کے ذریعے کرتا ہے۔ اس پر ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ آیا اس طرح کرنا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بہتر اور قابلِ ترجیح امر تو یہ ہے کہ بنک اِن امور کو خود سرانجام دے تاہم اُس کا ان معاملات میں کلائنٹ کو وکیل بنا کر مال خریدنے اور پھر بعد میں اُسی کلائنٹ سے مال فروخت کردینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بشرطیکہ وکیل بنانے اور مال کو فروخت کرنے کا عمل دونوں بالکل جُدا جُدا ہوں اور حقیقی طور پر تمام معاملات طے ہورہے ہوں۔ اِس حوالے سے مولانا احمد رضا خان فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک فتویٰ ذیل میں درج کیا جارہا ہے، جس میں

اس سے مماثل ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو کو روپے دیئے اور کہا تم مال خرید لاؤ۔ عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرا دیا، بعد کو مال زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض۔ بموجب شریعت یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں۔'' اس سوال پر آپ نے تحریر فرمایا کہ'' جائز ہے نقد ہو خواہ قرض اور کتنے ہی نفع پر ہو، سب روا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''، (فتاویٰ رضویہ جدید، جلد نمبر: 17، صفحہ نمبر: 137)۔

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۴۰۔۴۱ (۵/۲، ۵/۳) کی شق اوّل میں درجِ ذیل الفاظ میں قرارداد منظور کی گئی:

اوّل: خریداری کا حکم دینے والے (آمر) سے مرابحتاً بیع کرنا اس صورت میں جائز ہے، جب یہ بیع کسی واقعی سامان پر اس وقت واقع ہوئی ہو جب وہ سامان مامور کی ملکیت میں آچکا ہو اور اس کو شرعی قبضہ حاصل ہو چکا ہو، بشرطیکہ اگر وہ سامان مامور کے قبضے میں رہنے کے دوران اور آمر کو سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کے نقصان کی ذمہ داری مامور اُٹھائے، نیز اگر مامور نے وہ سامان آمر کو سپرد کر دیا ہو، تو پوشیدہ عیب وغیرہ کی بنیاد پر بیع کو رد کرنے کی ذمہ داری بھی مامور پر ہو اور اس کے علاوہ بھی بیع کے جواز کی تمام شروط موجود ہوں اور کوئی شرعی مانع نہ پایا جائے۔

اِس کے علاوہ اکیڈمی نے مرابحہ کے حوالے سے درجِ ذیل سفارش بھی پیش کی:

اوّل: تمام اِسلامی بنک اپنے معاملات میں اقتصادی ترقی کے مختلف طریقوں کو اپنائیں، خاص کر صنعتی اور تجارتی پروجیکٹس شروع کریں۔ یہ کام وہ اپنے طور پر کریں یا دوسروں کے ساتھ شرکت اور مضاربت کے اصول پر کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) اجارہ موصوفہ بالذّمہ اور اسلامی بینک:

اسلامی بینکوں کے مروّجہ اجارہ پر ایک سوال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ آج کل یہ ایسی عمارات کا اجارہ کرتے ہیں، جو عقدِ اجارہ کے وقت بالکل موجود نہیں ہوتیں یا ایسی حالت میں نہیں ہوتیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ہاں یہ امر یقینی ہے کچھ عرصے بعد وہ عمارات اس قابل ہو جاتی ہیں کہ انہیں مطلوبہ منفعت کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ یا بعض اوقات اسلامی بینک مشینری اجارہ پر دیتا ہے، مگر یہ مشینری گاہک کو حوالے کرنے کے کچھ عرصے بعد نفع اٹھانے کی حالت میں آتی ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے ان اشیاء کا اجارہ کرنا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو کیا اس قسم کی عمارت کی اجرت پیشگی یکمشت یا قسطوں میں لینا جائز ہے؟

ذیل میں اس مسئلے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے؛

فقہی اُصول کے مطابق عقد اجارہ کی درستگی کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) اجیر (Lessor)

(۲) مستاجر (Lessee) ان دونوں کو عاقدین (Parties to the Contract) بھی کہتے ہیں۔

(۳) معقود علیہ یعنی وہ شے (Subject Matter) جس پر اجارہ کیا جارہا ہے۔

(۴) بدلِ اجارہ (Rent) یعنی اجرت کا تعین

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے کہ:

یشترط فی صحۃ الاجارۃ قیاما وبقاء اربعۃ اشیاء : العاقدین، والمال المعقود علیہ وبدل الاجارۃ ان کان من العروض، واذا عدم احد ھؤلاء فلاتصح الاجارۃ.

ترجمہ: ’’اِجارہ کے صحیح طور پر منعقد ہونے اور جاری رہنے کے لئے چار چیزیں شرط

ہیں: عاقدین، وہ شے جس پر عقد کیا جارہا ہے اور بدلِ اجارہ اگر وہ سامان (Goods) میں سے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اجارہ صحیح نہیں ہوتا، (مادّہ: ۴۴۷، صفحہ: ۲۵۳، مطبوعہ داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت)۔''

لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عقدِ اجارہ کے صحیح طور پر منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ معقود علیہ بالفعل موجود ہو اور ایسی حالت میں ہو جس سے منفعت حاصل کی جاسکے۔ واضح رہے کہ منفعت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ جگہ یا شے کسی خاص منفعت کا تعین کر کے حاصل کی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ کسی منفعت کا بطورِ خاص تعین نہ کیا گیا ہو اور وہ چیز ایسی ہو جو کثیر المقاصد ہو یعنی اس سے کوئی نہ کوئی منفعت حاصل کی جاسکتی ہے تو ایسے اجارے کے نتیجے میں اُجرت لازم ہوگی۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وتصح اجارة أرض (للبناء والغرس) وسائر الانتفاعات كطبخ آجر وخزف ومقيلا ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم أمكن زراعتها أم لا .

ترجمہ: ''اور کسی زمین کا اِجارہ تعمیرات، شجر کاری اور دیگر تمام منافع کے لئے کرنا صحیح ہے، جیسے اینٹیں پکانا، پکی ہوئی مٹی کے برتن بنانا، اُس جگہ کو راحت وسکون کے لئے استعمال کرنا یا مویشیوں کا باڑہ بنانا (وغیرہ)، تو جب وہ زمین مستاجر کے سپرد کر دی جائے گی تو اجرت لازم ہوجائے گی خواہ اُس میں کاشتکاری ممکن ہو یا نہ ہو'' ۔۔۔اس کی شرح میں علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ولاشك في صحته لأنه لم يستاجرها للزراعة بخصوصها حتى يكون عدم ريها فسخا لها.

ترجمہ: ''اس اجارے کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ مستاجر نے اُسے بطورِ

خاص کاشتکاری کے لئے اجارے پر نہیں لیا کہ اُس کا سیراب نہ ہونا اجارے کے فسخ کا سبب بن جائے ، (الدر المختار علی هامش رد المحتار ، ج ۹ ، صفحہ ۳۴ ، ۳۵ ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی ، بیروت)۔"

کیونکہ عقدِ اجارہ میں منفعتِ زراعت کا خاص طور پر ذکر نہیں تھا ، اس لئے یہ اجارہ جائز ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی خاص منفعت کا تعین کر کے کوئی چیز اجارہ پر لی گئی ہو اور اُس منفعت کا حصول مدتِ اِجارہ میں ممکن نہ ہو ، تو اجارہ جائز نہیں ہوگا۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

آجرها وهی مشغولة بزرع غیره ان کان الزرع بحق لاتجوز) الاجارة .

ترجمہ: "کسی شخص نے زمین اِجارے پر لی اور اُس زمین میں کسی دوسرے شخص نے فصل کاشت کر رکھی تھی ، تو اگر اُس شخص کا اِس زمین کو اپنی ضرورت میں مشغول رکھنا اُس کا استحقاق ہے ، تو یہ اجارہ جائز نہیں ہے" ۔۔۔۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

(امکن زراعتها ام لاهذا فیما لم یستاجرها للزرع) فلوله لابد من امکانهکما مر ویأتی.

ترجمہ: "جس زمین کو بطورِ خاص زراعت کے مقصد کے لئے اجارے پر نہ لیا ہو تو اُس زمین میں زراعت ممکن ہو یا نہ ہو (اجارہ صحیح ہے) ، لیکن اگر وہ زمین بطورِ خاص زراعت کے لئے اجارے پر لی گئی ہو تو پھر اُس کا قابلِ کاشت ہونا ضروری ہے ، جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے اور آئندہ بھی آئے گا" ، (الدر المختار علی هامش رد المحتار ، ج ۹ ، صفحہ ۳۴ ، ۳۵ ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی ، بیروت)۔"

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر بینک کسی بلڈنگ یا مشینری کو ایسی حالت میں کرائے پر دیتا ہے کہ جس سے عقد کے وقت بھی کوئی جائز منفعت حاصل

کی جاسکتی ہو اور عقد میں کسی خاص منفعت کا ذکر بھی نہ کیا گیا ہو تو بینک کے لئے اس عمارت یا مشنری کو حوالے کرنے کے بعد ماہ بماہ یا یکمشت کرایہ لینا جائز ہے، لیکن اگر عقد میں کسی خاص منفعت کا ذکر کیا گیا ہو اور وہ منفعت فی الحال یا اجارہ کی اکثر مدت میں حاصل نہ کی جاسکتی ہو، تو وہ اجارہ درست نہیں ہوگا۔

البتہ اگر سوال میں مذکورہ اشیاء کا اجارہ مضافہ کرلیا جائے تو مذکورہ عقود نہ صرف جائز ہو جائیں گے بلکہ متعاقدین کی رضامندی سے پیشگی یا اقساط کی صورت میں ماہ بماہ کرایہ لینا بھی جائز ہوگا۔ اجارہ مضافہ الی المستقبل (Futuristic Ijarah) ایسا اجارہ ہوتا ہے کہ جس میں کسی ایسی منفعت پر عقد اجارہ کرلیا جاتا ہے، جو عملاً فوری طور پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ مستقبل میں اس کا حصول یقینی ہوتا ہے۔

''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' میں ہے کہ:

الاجارۃ المضافۃ صحیحۃ وتلزم قبل حلول وقتھابناء علیه لیس لاحد العاقدین فسخ الاجارۃ بمجرد قوله ما آن وقتھا.

ترجمہ: ''مستقبل کی کسی منفعت پر مبنی اجارہ درست ہے اور وہ منفعت کا وقت آنے ہی سے پہلے لازم ہو جاتا ہے، اسی بناء پر فریقینِ عقد میں سے کسی ایک کے لئے محض یہ کہہ کر کہ ابھی منفعت کا وقت نہیں آیا، اجارہ کا فسخ کرنا درست نہیں ہے'' ------- اسکی تشریح کرتے ہوئے علامہ سلیم رستم باز اللبنانی لکھتے ہیں:

ولوباع الموجر عین الماجور قبل حلول وقت الاجارۃ انعقدالبیع موقوفا علی اجازۃ المستاجر کمافی الاجارۃ المنجزۃ .

ترجمہ: ''اگر کسی چیز کو اجارے پر دینے والا اُس چیز کو منفعت حاصل ہونے کے وقت سے پہلے فروخت کر دے، تو یہ بیع منعقد تو ہو جائے گی، لیکن مستاجر کی اجازت پر موقوف

ہوگی، جیسا کہ اجارۂ منجزہ میں ہوتا ہے (یعنی وہ اجارہ جو فوری ہو)، (کیونکہ اجارہ پر دی ہوئی چیز میں اجارہ کی مدت تک مستاجر کا حق ہوتا ہے۔

(شرح المجلۃ لسلیم رستم باز اللبنانی تحت المادۃ:۴۴۰ صفحہ ۲۴۵ ، مطبوعہ داراحیاء التراث الاسلامی بیروت)۔"

جہاں تک یکمشت یا اقساط کی صورت میں اجرت پیشگی (Advance) لینے کا تعلق ہے تو فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اجارہ مطلقہ یا منجزہ میں پیشگی اجرت کی شرط عائد کی جاسکتی ہے اور وہ اجیر پر لازم ہوجائیگی۔ البتہ اجارہ مضافہ میں اگر مستاجر اپنی رضامندی سے پیشگی اجرت دینا چاہے، تو دے سکتا ہے، اور ایک مرتبہ دینے سے یہ اجرت اس پر لازم ہوجائے گی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

ولو عجل الاجرة الیٰ رب الدار لایملک الاسترداد ولو کانت الاجرة عینا فاعارها او او دعها الیٰ رب الدار فهو کالتعجیل ولایملک الاجرة باشتراط التعجیل فی الاجارة المضافة وتملک بالتعجیل ، کذا فی الغیاثیة.

ترجمہ: "اگر کرایہ دار نے مالک مکان کو پیشگی اجرت دے دی، تو اسے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اجرت کوئی عین ہو اور کرایہ دار مالکِ مکان کو عاریۃً دیدے یا اس کے پاس امانۃً رکھوادے تو یہ پیشگی کرایہ دینے کی طرح ہے۔ البتہ اجارۂ مضافہ میں مالکِ مکان پیشگی کی شرط کے ساتھ اجرت کا مالک نہیں بنے گا، ہاں اگر اجرت بلاشرط پیشگی دے دی جائے تو وہ مالک ہوجائے گا، (فتاویٰ عالمگیری، جلد:۴، ص:۴۱۳)۔"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ثم الاجرة تستحق باحد معان ثلاثة اما بشرط التعجیل او بالتعجیل او باستیفاء معقود علیه فاذا وجد احد هذه الاشیاء الثلاثة فانه یملکها، کذا فی شرط الطحاوی

ترجمہ: "پھر اجرت کا استحقاق ان تین امور میں سے کسی ایک کے سبب ہو جاتا ہے، (یعنی) یا تو جلد اجرت لینے کی شرط لگا دی جائے یا مستاجر (خود ہی اپنی مرضی سے) جلدی ادا کر دے یا معقود علیہ سے منفعت حاصل کر لی جائے، پس جب ان امور میں سے کوئی ایک امر پایا جائے تو آجر اجرت کا (جائز طور پر) مالک بن جائے گا، شرح طحاوی میں اسی طرح ہے، (عالمگیری، جلد:۴، ص:۴۱۳)۔"

فتاویٰ عالمگیری کی ان عبارات سے ظاہر ہے کہ اگر اسلامی بینک اور اس کا کلائنٹ باہمی رضامندی کے ساتھ عقدِ اجارہ میں پیشگی اجرت کا ذکر کر کے اجرت لینے دینے کا سلسلہ عقدِ اجارہ کے شروع ہی میں (یعنی منفعتِ مقصودہ کے حصول سے پہلے) کر دیں تو یہ جائز ہے، کیونکہ مستاجر (کلائنٹ) اپنا مال اپنی مرضی سے پیشگی اجرت کی طور پر دے رہا ہے اور اس میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا بینک اجارہ مضافہ میں پیشگی اجرت کی شرط لگا سکتا ہے تو اس حوالے سے اگرچہ بعض علماء نے اس کی نفی کی ہے مگر کئی علماء نے اس کے جواز کی بھی صراحت کی ہے۔

شرح مجلّہ میں الدر المنتقی کے حوالے سے ہے کہ:

فیفتی بروایة تملکها بشرط التعجیل للحاجة کمافی شرح الوهبانیة .

ترجمہ: "اگر اجارۂ مضافہ میں اجرت جلد لینے کی شرط عائد کر دی جائے تو آجر اس کا مالک ہو جائے گا، حاجت کی بناء پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ شرح الوهبانیہ میں ہے، (شرح المجلہ للعلامہ سلیم رستم باز اللبنانی، صفحہ ۲۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث الاسلامی بیروت)

"۔۔۔ بلکہ علامہ حیدر آفندی فرماتے ہیں کہ یہ ہی مجلّہ کا بھی مختار ہے **ولما كانت المجلة قد اختارت القول بلزوم الاجارة المضافة كمامر فی المادة ۴۴۰ ونصت فی المادتین ۴۶۷، ۴۶۸ علی لزوم الاجرة بالتعجیل او بشرط**

التعجیل مطلقا بدون تقییده بالاجارة المنجزة فقد دلت علی اختیار قول الدر المنتقی. ترجمہ: ''چونکہ صاحبِ ''مجلّہ'' نے اجارۂ مضافہ میں (پیشگی اجرت لینے دینے پر) اجارے کے لازم ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ مادّہ ۴۶۶، ۴۶۷ اور ۴۶۸ میں گذرا، یہ اس اصول کی بناء پر ہے کہ پیشگی اجرت لینے یا اجارۂ منجزہ کی قید کے بغیر مطلقاً پیشگی اجرت کی شرط عائد کرنے پر اجرت لازم ہو جاتی ہے، یہ عبارت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ صاحب مجلّہ نے ''الدر المنتقی'' کے قول کو اختیار کیا ہے، (شرح المجلہ للعلامہ سلیم رستم باز اللبنانی، صفحہ ۲۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث الاسلامی بیروت)۔''

مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہوا کہ اگر اسلامی بینک ضرورت کی بنا پر اجارۂ مضافہ میں پیشگی اجرت یا اقساط کی شرط لگا دے تو بھی جائز ہے۔

مذکورہ بالا تمام بحث اس تقدیر پر ہے کہ معقود علیہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہو، لیکن اگر معقود علیہ کا وجود ہی نہ ہو یا وہ ابھی آجر کی ملکیت میں ہی نہ ہو، تو کیا اس کا اجارہ کیا جا سکتا ہے؟۔ اس حوالے سے اگر فقہاءِ احناف کے اقوال کو دیکھا جائے تو اُن کا کوئی قول نہیں ملتا، بلکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس کے برعکس فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس قسم کا اجارہ جائز ہے اور وہ اسے ''اجارۂ موصوفہ بالذمہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اس قسم کے اجارے جن میں ابھی معقود علیہ کا وجود ہی نہ ہو، ہمارے معاشرے میں بہت عام ہو چکے ہیں اور اس زمانے میں بلا نکیر جاری ہیں، مثلاً: حکومت ادائیگی حج کے لئے عازمینِ حج سے پیشگی سارا خرچہ لے لیتی ہے، جس میں اُن کا جدہ تک آمدورفت کا جہاز کا کرایہ، جدہ سے مکہ مکرمہ روانگی سے لے کر واپس جدہ تک تمام مراحل کے بس کے کرائے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رہائش گاہ کا کرایہ، معلم کی اجرت، منیٰ اور عرفات کے خیموں کی اجرت و دیگر واجبات

پیشگی لے لئے جاتے ہیں، حالانکہ جس وقت حکومت عازمین حج سے یہ عقد کرتی ہے، اس وقت ان میں سے اکثر اشیاء متعین نہیں ہوتیں بلکہ بعض کا تو وجود بھی نہیں ہوتا۔اسی طرح پرائیویٹ حج کمپنیاں بھی لوگوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتی ہیں جبکہ ان میں سے اکثر کے پاس معقود علیہ کا وجود بھی نہیں ہوتا۔اسی طرح نجی سیاحت کے بعض گروپ بھی کمپنی کو کل اجرت یا اس کا کچھ حصہ پیشگی ہی ادا کردیتے ہیں، حالانکہ اس وقت کمپنی کے پاس نہ تو جہاز یا بس یا ریل کے ٹکٹ ہوتے ہیں اور نہ دیگر انتظامات۔اسی طرح نجی تعلیمی ادارے مختلف قسم کے کورسز کا اعلان کرتے ہیں مگر اس کے لئے عقدِ اجارہ کے وقت کوئی استاد مقرر نہیں ہوتا اور نہ ہی متعین کیا جاتا ہے، اسی طرح طلبہ کے لئے رہائش کا بھی کوئی بندوبست نہیں ہوتا مگر داخلے کے بعد یہ سب انتظامات کردیئے جاتے ہیں۔ یہ تمام معاملات فقہاءِ امت کی نظر میں ہیں مگر راقم الحروف نے آج تک نہیں سنا کہ کسی فقیہ نے اس پر اعتراض کیا ہو بلکہ اس کے برعکس علماء، صلحاء اور فقہاء کو بلا چون وچرا دورِ حاضر کے اِن عقود سے مستفید ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا استحسان اور حاجت کی بنا پر علماء شافعیہ اور مالکیہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے اس قسم کے عقود کا جواز ہی سمجھ میں آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی بینک کو چاہیے کہ وہ سوال میں مذکور اشیاء کا اجارہ مضافہ کرے اور اگر عقد کے وقت ہی سے اجرت وصول کرنا چاہے، تو عقد میں اسے مشروط کردے۔اور جس قدر اجرت منفعت کے استعمال سے پہلے وصول ہو، اسے بعد کے ایام میں محسوب کرلے، مثلاً اگر منفعت کے جاری ہونے میں چھ ماہ لگ گئے، تو ان چھ ماہ کی پیشگی اجرت کے بدلے میں آخری چھ ماہ یا درمیانی چھ ماہ میں سے کوئی اجرت نہ لے یا درمیانی یا آخری مہینوں کی اجرتوں کے ساتھ انھیں اس طرح منسلک کردے کہ متعاقدین میں سے کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو، (ماخوذ از تفہیم المسائل جلد:5)۔

باب ۔۔۔۔۔۔۵

قرض اور سود

قرض(Loan):

قرض کی اہمیت:

اِسلام نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی امداد کے کئی طریقے بتائے ہیں، اُن میں سے ایک قرض بھی ہے، جس کے ذریعے کسی مجبور اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ یہ اس قدر عظیم کام ہے کہ اللہ ربّ العزت نے لوگوں کے دلوں میں اِس کی رغبت پیدا کرنے کی غرض سے قرآن مجید میں بار بار اِس کا تذکرہ فرمایا ہے اور اِس کے متعدد فضائل بیان کئے ہیں۔ قرض کی سب سے بڑی اور اہم فضیلت یہ ہے کہ قرض دینے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ہو یعنی اس کا بدلہ اُسے اللہ تعالیٰ سے ملے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود اور لامتناہی ہے لہذا جب اللہ تعالیٰ قرض خواہ کو بدلہ دے گا تو وہ بھی بے حد و بے حساب ہی ہوگا۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری ہے:

مَّنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً

ترجمہ: ”وہ کون ہے، جو اللہ کو قرضِ حسن دے؟ تو اللہ اُس کو بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے، (سورۂ بقرہ، آیت:245)۔“

اِسی طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی نہ صرف قرض کے ذریعے سے دوسروں کی مدد کا حکم دیا بلکہ قرض دینے والوں کو دین و دنیا میں اجر و ثواب کے ملنے کی خوشخبری بھی سنائی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد

فرمایا:
مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: ''جو شخص کسی مومن کی ایک دنیاوی ضرورت کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اُس کی آخرت کی ضرورتوں کو پورا فرمائے گا، (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء و التوبۃ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث: 2699)۔''

اور چونکہ قرض خواہ بھی اپنے بھائی کے کرب و پریشانی کو دور کرتا ہے لہٰذا وہ بھی اس نوید کا مصداق ہے۔ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرض خواہ کے اہل وعیال کیلیے برکت کی دعا کی۔حدیث ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَبِيْعَةَ قَالَ: اِسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَیَّ وَ قَالَ: بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْ اَهْلِکَ وَ مَالِکَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ

ترجمہ: ''عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چالیس ہزار (درہم یا دینار) قرض لیا تھا۔جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مال آیا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ادا فرمادیا تو (اُس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے) دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے اہل وعیال میں برکت دے اور یہ بھی فرمایا کہ قرض کا بدلہ شکریہ اور ادا کردینا ہے، (سنن نسائی، کتاب البیوع، باب الاستقراض، رقم الحدیث: 4692)۔''

قرض میں مہلت:

زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقۂ کار تھا کہ اگر کوئی شخص قرض لے کر وقت پر ادا نہیں

کر سکتا تو قرض خواہ وقت میں اضافہ کے ساتھ ہی اصل رقم میں بھی سود کا اضافہ کر کے غریب و مجبور کا استحصال کیا کرتے تھے۔ لہذا اسلام نے اِس عمل کی مذمت بیان کر کے قرض خواہوں کو رقم میں زیادتی کیے بغیر مقروضوں کو مزید مہلت دینے یا قرض کو معاف کرنے کا حکم دیا، چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: ''اور اگر (مقروض) تنگدست ہے، تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور (قرض معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو، (سورۂ بقرہ، آیت 280:)۔''

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ

ترجمہ: ''جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض میں کمی کر دی تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا، (صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصۃ ابی الیسر، رقم الحدیث:3006)۔''

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں آپ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے مہلت دینے والوں کے اجر و ثواب کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهٗ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ

ترجمہ: ''جس کا دوسرے شخص پر کوئی حق یعنی قرض ہو اور مقروض ادا کرنے میں تاخیر کرے تو (قرض خواہ) ہر روز اتنا مال (قرض کے برابر) صدقہ کرنے کا ثواب پائے گا، (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث عمران بن حصین، رقم الحدیث:20512)''

قرض اور اُس کی ادائیگی:

شریعت نے جہاں ضرورت مندوں کو قرض دینے پر زور دیا ہے، وہیں قرض داروں کو وقت پر اور پوری ادائیگی کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اُن لوگوں کی شدید مذمت بیان کی ہے، جو قرض لے کر استطاعت کے باوجود واپس نہیں کرتے بلکہ قرض لیتے وقت ہی اُن کی نیت واپس نہ کرنے کی ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی سے ادائیگی کے ارادے سے قرض لیا تو اللہ تعالیٰ اِس کے لئے قرض کی ادائیگی کو آسان بنا دیتا ہے اور جس نے قرض نہ دینے کی نیت سے لیا تو اللہ تعالیٰ اُس کو تلف فرماتا ہے یعنی اُس کے لئے آئندہ کا معاملہ نہیں فرماتا بلکہ اُسے مزید تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے، (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب من اخذ اموال الناس یرید اداءھا، رقم الحدیث: 2387)۔''

ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ یعنی غنی کا استطاعت رکھنے کے باوجود قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب مطل الغنی ظلم، رقم الحدیث: 2400)۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ قرض لینے کے بعد اُس کو ادا کرنے کی بہت تاکید بیان کی گئی ہے، بلکہ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کی ادائیگی ایسی ذمہ داری ہے، جو قرض دار کے انتقال کے بعد بھی اُس پر واجب الادا رہتی ہے۔ یہاں تک کہ فقہاءِ کرام نے تجہیز و تکفین کے اخراجات کے بعد ترکے میں سے قرض کی ادائیگی کو لازم قرار دیا

ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ ثُمَّ بِالدَّيْنِ ثُمَّ بِالْوَصِيَّةِ

ترجمہ: ''ترکہ کی تقسیم میں تجہیز و تکفین سے ابتداء کی جائیگی پھر قرض اور پھر وصیت کا نفاذ ہوگا، (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن من جمیع المال، رقم الحدیث:1273)۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ جب بھی کوئی جنازہ نماز کی ادائیگی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا جاتا تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کہیں میت کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں اگر نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ پڑھا دیتے وگرنہ معذرت کرلیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ایک ایسا ہی واقعہ درج کیا جارہا ہے۔

عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ ؟ قَالُوْا لَا : قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا لَا. فَصَلّٰى عَلَيْهِ ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قِيْلَ نَعَمْ. قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ عَلَيَّ دَيْنُهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ

ترجمہ: ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درخواست کی کہ آپ نمازِ جنازہ پڑھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اِس پر کوئی قرض ہے؟۔ لوگوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اِس نے

کچھ چھوڑا ہے؟۔ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھادی۔ پھر (تھوڑی دیر کے بعد) ایک اور جنازہ لایا گیا لہذا لوگوں نے امامت کرانے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیا اِس پر کوئی قرض ہے؟۔ جواب ملا کہ جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیا اِس نے کچھ چھوڑا ہے؟۔ لوگوں نے کہا کہ تین دینار چھوڑے ہیں لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھادی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو (حسبِ سابق) لوگوں نے نماز پڑھانے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیا اُس نے کچھ چھوڑا ہے؟۔ لوگوں نے کہا: نہیں، آپ نے (حسبِ سابق) پوچھا کہ کیا اِس پر کوئی دین (قرض) ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں اِس کے ذمہ تین دینار کا قرض ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔ اِس پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اِن کی نماز پڑھائیں، اِن کی طرف سے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نمازِ جنازہ پڑھادی (صحیح بخاری، کتاب الحوالات، باب ان احال دین المیت علی رجل جاز، رقم الحدیث:2289)۔

قرض کی ادائیگی کے بارے میں ذیل میں مزید دو احادیثِ مبارکہ درج کی جارہی ہیں، جنہیں پڑھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا نفس مرنے کے بعد اُس وقت تک معلق رہتا ہے، جب تک کہ اُس کے ذمہ قرض کی ادائیگی نہ کردی جائے۔ اِسی طرح شہید شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوتا ہے تو اِنعام کے طور پر اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے لیکن اگر اُس کے ذمہ قرض ہو، تو جب تک اُس کی طرف سے ادا نہ ہو جائے یا قرض خواہ معاف نہ کردے تو اُس وقت تک معاف نہیں ہوتا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا نفس قرض کی وجہ سے اُس وقت تک معلق رہتا ہے، جب تک اُس کی طرف سے قرض ادا نہ کردیا جائے، (سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب نفس المومن معلقۃ، رقم الحدیث:1078)۔''

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَاسَهُ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ وَضَعَ رَاحَتَهُ عَلٰى جَبْهَتِهٖ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نُزِّلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ فَسَكَتْنَا وَ فَزِعْنَا فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ سَاَلْتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا التَّشْدِيْدُ الَّذِيْ نُزِّلَ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيِيَ ثُمَّ قُتِلَ ثُمَّ اُحْيِيَ ثُمَّ قُتِلَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ دَيْنُهُ

ترجمہ: ''محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر (مبارک) اُوپر اُٹھایا اور پھر اپنی ہتھیلی کو اپنی پیشانی مبارک پر رکھا پھر کہا کہ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات! کہ اُس نے نازل کیا سختی کو۔ پس ہم خاموش رہے اور ہم خوفزدہ ہو گئے۔ پھر اگلے دن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سی سختی ہے، جو نازل ہوئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کردیا جائے پھر وہ زندہ ہو جائے پھر شہید کردیا جائے پھر زندہ ہو جائے پھر شہید کردیا جائے اور اُس پر قرض ہو، تو وہ جنت میں نہیں جائیگا جب تک کہ اُس کی طرف سے قرض ادا نہ کردیا جائے، (سنن نسائی،

کتاب البیوع، باب التغلیظ فی الدین، رقم الحدیث:4693)۔"

قرض میں کسی قسم کی مشروط زیادتی سود ہے۔

قرض ایک ایسا معاملہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا قرض میں کسی قسم کی مشروط و معہود (Conditional) زیادتی کو لینے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔لہذا قرض پر جو بھی مشروط زیادتی جائیگی شریعت نے اُسے سود قرار دیا ہے جو کہ حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض دے کر مقروض سے کسی بھی قسم کا فائدہ لینے سے منع کیا ہے چاہے اُس کا تعلق روپے پیسے سے ہو یا کسی اور منفعت سے ۔اِس بارے میں ذیل میں چند احادیث مبارکہ درج کی جارہی ہیں۔

صحیح بخاری میں ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ

اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَلَقِیْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ فَقَالَ: اَلاتَجِیْئُ فَاُطْعِمُکَ سَوِیْقًاوَ تَمْرًا وَ تَدْخُلُ فِیْ بَیْتٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّکَ بِاَرْضٍ الرِّبَا بِهَا فَاشٍ اِذَاکَانَ لَکَ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَاَهْدٰی اِلَیْکَ حِمْلَ تِبْنٍ اَوْ حِمْلَ شَعِیْرٍ اَوْ حِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَاخُذْ فَاِنَّهُ رِبًا انکَ بأرضٍ فیها الرِّبَا

ترجمہ:"(حضرت ابو بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ) جب میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ ابنِ سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو اُنہوں نے کہا کہ تم (ہمارے یہاں) کیوں نہیں آتے کہ ہم تمہیں ستو اور کھجوریں کھلائیں اور تم ایک باعزت گھر میں داخل ہو جاؤ، پھر فرمایا کہ تم ایسی جگہ رہتے ہو، جہاں سود کا رواج بہت ہے، لہٰذا اگر کسی پر تمہارا کچھ قرض ہو اور وہ تمہیں گھاس جو یا چارہ جیسی حقیر چیز کا ہدیہ تحفہ بھیجے، تو اسے نہ لینا کیونکہ یہ بھی سود ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب عبداللہ بن سلام، رقم الحدیث:3814)۔"

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک شخص دوسرے کو قرض دے تو اُس کا ہدیہ قبول نہ کرے، (صحیح بخاری فی تاریخہ)''۔

لیکن اگر قرض خواہ اور قرض دار میں پہلے سے ایسا تعلق قائم تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تحفہ تحائف کا تبادلہ کیا کرتے تھے تو پھر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ایک حدیث میں بھی اِس کا ذکر موجود ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهَا وَلَا يَقْبَلْهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ قَبْلَ ذَالِكَ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی قرض دے اور اُسے قرض دار کوئی تحفہ دے تو وہ (قرض خواہ) اُسے قبول نہ کرے اور اگر قرض دار اُسے اپنی سواری پر سوار کرے تو وہ سوار نہ ہو لیکن اگر پہلے ہی سے ان دونوں کے درمیان یہ سلسلہ جاری تھا تو پھر کوئی حرج نہیں، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الصدقات، باب القرض، رقم الحدیث: 2432)''۔

البتہ یہاں یہ احتیاط ضروری ہے کہ پہلے کم تھا لیکن قرض دینے کے بعد تحفہ تحائف کا سلسلہ بڑھ گیا ہے، تو پھر نہ لیا جائے۔

قرض مع زیادتی واپس کرنا:

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا کہ قرض پر زیادہ لینا اُس وقت جائز نہیں ہوگا جب کہ وہ پہلے سے ہی مشروط ہو یا اُس کی عادت بنالی گئی ہو۔ لیکن اگر قرض دیتے وقت آپس میں

زیادہ لینے کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا اور واپسی کے وقت مقروض نے اپنی مرضی سے کچھ بڑھا کر قرض خواہ کو واپس کر دیا، تو یہ زائد سود نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارک سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

كَانَ لِىْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِىْ وَزَادَنِىْ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا ایک حق تھا لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ واپس کیا تو اُس میں مجھے کچھ زیادہ کر کے دیا، (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب حسن القضاء، رقم الحدیث: 2394)۔''

قرض کی تعریف:

اِس سے مراد وہ مال ہے جسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اِس نیت کے ساتھ دیتا ہے کہ جب اُسے توفیق ہوگی وہ اُسی کی مثل مال اُس سے واپس لے لیگا۔ قرض دینے والے کو قرض خواہ اور لینے والے کو قرض دار کہتے ہیں۔

قرض کی درستگی کے لئے شرط:

قرض ذوات الامثال میں سے ہو۔

چونکہ معاملۂ قرض میں یہ شرط ہے کہ بغیر زیادتی کے اُسی کی مثل شئے واپس کی جائے لہذا قرض میں دی جانے والی شئے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ذوات الامثال مثلاً روپے پیسے، گندم اور کھجور وغیرہ میں سے ہو ذوات القیمت مثلاً جانور وغیرہ میں سے نہ ہو۔ کیونکہ ذوات القیمت اشیاء کی مثل ممکن نہیں ہوتی۔

قرض کی قدر (Value) میں اضافہ یا کمی۔

ادائے قرض میں شئے کی قیمت میں کمی بیشی سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ جتنا لیا تھا

اُتنا ہی واپس کرنا ضروری ہے، مثلاً کسی نے دس کلو گندم کسی سے اُس وقت قرض لیا، جس وقت اُس کی قیمت 30 روپے فی کلو تھی بعد میں اُس کی قیمت بڑھ کر 32 روپے یا کم ہو کر 28 روپے ہو گئی تو قیمت میں اس زیادتی یا کمی کی وجہ سے دس کلو گندم کی مقدار میں زیادتی یا کمی نہیں کی جائیگی بلکہ دس کلو ہی واپس کی جائیگی۔

قرض دار اگر قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو قرض خواہ اُس کی چیزوں میں سے قرض کی جنس میں سے کوئی شئے ملے تو لے سکتا ہے بلکہ زبردستی چھین بھی سکتا ہے لیکن دوسری چیز ہو، تو اس کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتا مثلاً کسی نے گندم قرض پر دی اور قرض دار اُسے ادا نہیں کر رہا ہے تو گندم کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں لے سکتا۔

قرض اور کرنٹ اکاؤنٹ:

سودی بینکوں کے برخلاف اسلامی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں آنے والی رقم قرض شمار کی جاتی ہے۔ اکاؤنٹ ہولڈر قرض خواہ (Creditor) اور بینک قرض دار (Debtor) ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر کو اِس رقم پر کوئی منافع نہیں دیتا ہے۔ البتہ بینک اِس بات کی گارنٹی ضرور دیتا ہے کہ وہ اکاؤنٹ ہولڈر کو اُس کی رقم اُس کے مطالبہ پر بغیر کم وکاست دینے کا پابند ہے۔ اِسلامی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ کے بارے میں ایک سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ آجکل اسلامی بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز کو کچھ سہولیات مفت فراہم کرتا ہے مثلاً فری اے ٹی ایم (ATM)، فری آن لائن سروسز، فری پے آرڈر (Pay Order) کا اجراء اور ان جیسی دیگر سہولیات، تو کیا یہ سہولتیں منفعت میں شمار ہو کر سود کے زمرے میں نہیں آئینگی؟۔

چونکہ مذکورہ بالا ہولیات کا تعلق عصرِ جدید کے مسائل سے ہے لہذا عصرِ حاضر کے علماءِ کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسی تمام عمومی سہولیات جو عام طور پر کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز

کو بغیر کسی تفریق کے دی جاتی ہیں اور بینک یہ سہولیات اپنے دیگر اکاؤنٹ ہولڈرز یعنی سیونگ اکاؤنٹ ہولڈرز کو بھی دیتے ہیں تو یہ سود میں شمار نہیں ہوگا۔

اِسلامی بینک اور قرضِ حسن:

ہمارے ہاں اِسلامی بینکوں میں اگرچہ قرضِ حسن کا باقاعدہ آغاز نہیں کیا گیا ہے تاہم چند بینک اپنے چیریٹی اکاؤنٹ (Charity Account) میں آنے والی رقم کو ضرورت مندوں کو بطورِ قرض حسن دے رہے ہیں۔ قرضِ حسن جو اِسلامی مالیاتی نظام کا حسن ہے اور پاکستان معاشرے کی ضرورت بھی لہذا اسے بھی جلد از جلد اسلامی بینکوں میں شروع ہوجانا چاہیئے۔ اس سے نہ صرف اِس نظام پر اعتراض کرنے والوں کے ایک بہت بڑے اعتراض کو دور کیا جاسکے گا بلکہ معیشتِ اسلامی اپنی روح کے ساتھ معاشرے میں رائج ہوجائے گی۔

نوٹ: قرضِ حسن سے مراد وہ قرض ہے جس کی ادائیگی کا قرض خواہ اپنے قرض دار سے تقاضا نہ کرے بلکہ قرض دار اپنی سہولت کے مطابق قرض واپس کرے۔

ربا/سود (Interest):　　ربا کے لغوی معنیٰ:

لغتِ عرب میں ''ربا'' کے لغوی معنیٰ ''زیادتی یا بڑھوتری (Increment)'' کے ہیں۔ فتاوٰی کی مشہور و معروف کتاب درِّ مختار میں ہے کہ الربو مطلق الزیادۃ یعنی ربو مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح المفردات میں امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ الربا الزیادۃ علی راس المال کہ اصل مال پر زیادتی کا نام ربوا ہے۔

ربا کی وجہِ تسمیہ:

جیسا کہ معنیٰ میں بھی واضح کیا گیا کہ ربو عربی میں ''مطلق زیادتی'' کو کہتے ہیں اور چونکہ

قرض خواہ (Creditor) مقروض سے اصل رقم میں کچھ زیادتی کر کے لیتا ہے اس لئے اسے ''ربا'' کہتے ہیں۔

ربا کی تعریف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی یہ تعریف ارشاد فرمائی:

كُلُ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبَا یعنی ہر وہ قرض جو منافع لائے اسے ''رِبا'' کہتے ہیں، (الجامع الصغیر، رقم الحدیث: 4249)۔

فقہاء کرام نے سود کی یہ تعریف فرمائی کہ'' قرض کا ایسا معاملہ جس میں قرض خواہ مقروض کو ایک مقررہ مدت تک مخصوص رقم یا مال دے کر اس سے اپنی اصل رقم / مال پر بغیر کسی عوض کے کچھ زیادتی کا مطالبہ کرتا ہے، اصل پر وہ زیادتی ''سود'' کہلاتی ہے۔''

ربا کی حرمت اور قرآن مجید:

قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی اس قدر مذمت ارشاد فرمائی کہ جس کی نظیر کسی اور حکم میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سود لینے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ترجمہ: ''پس اگر تم ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو، (سورۂ بقرہ، آیت: 279)۔''

سود کی اس قدر مذمت کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں غریبوں کے استحصال (Exploitation) کے ساتھ ساتھ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتی ہے، جس کی

وجہ سے تقسیم دولت کا نظریہ پروان نہیں چڑھ سکتا علاوہ ازیں اس کی موجودگی میں معاشی ترقی کا عمل بھی بہتر طور پر سرانجام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ''امیر امیر تر اور غریب غریب تر'' ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے معاشرے میں سماجی عدل وانصاف اور اخوت و بھائی چارہ کے تصور کا ناپید ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ اسلام چونکہ اُخوت و بھائی چارگی، سماجی و معاشرتی مساوات و عدل اور حقیقی اخلاقی و عملی نظام کا علمبردار ہے لہذا اس نے سود کے نظام کو ختم کرنے کے لئے ایسے طریقے وضع کئے، جو سود کے بہتر متبادل کے طور پر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ ان طریقوں کو ان کے عنوان کے تحت بیان کیا جائیگا۔ ذیل میں قرآن مجید کی چند مشہور آیات کریمہ تحریر کی جا رہی ہیں جن میں سود کی ممانعت و مذمت بیان کی گئی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ☆

ترجمہ: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے، جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو، اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، سو جس شخص کے پاس اس کے ربّ کی طرف سے نصیحت آ گئی پس وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے دوبارہ اِس کا اعادہ کیا، تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:277)''۔

اس کی اگلی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ☆

ترجمہ: ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا، (سورۂ بقرہ، آیت: 276)۔''

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ☆

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو، (سورۂ بقرہ، آیت: 278)۔''

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَثِیْرًا☆ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَکْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا☆

ترجمہ: ''تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کردیں، جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بکثرت روکتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور اس بنا پر کہ وہ لوگوں کے مال ناحق کھاتے تھے۔ اور ان میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے، (سورۂ نساء، آیت نمبر: 160,161)۔''

ربا کی حرمت اور احادیث مبارکہ:

سود کی حرمت و مذمت میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ ذیل میں چند احادیث مبارکہ درج کی جارہی ہیں:

صحیح مسلم شریف میں حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پاک ہے کہ

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم اٰکِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْکِلَهٗ وَ کَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَیْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کی دستاویز

لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تمام لوگ (اس لعنت اور گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن اکل الربا وموکلہ، رقم الحدیث: 1598)۔"

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ

ترجمہ: "سود کے ستر گناہ ہیں، ان میں سب سے کم تر گناہ یہ ہے، جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرلے، (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الرِّبا، رقم الحدیث: 2274)۔"

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث شریف بھی اِس حوالے سے بہت اہم ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ کَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ یَاجِبْرَائِیْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ اَکَلَةُ الرِّبَا

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میرا گذر ایک قوم کے پاس سے ہوا، جس کے پیٹ گھڑے کی طرح بڑے بڑے تھے۔ ان پیٹوں میں سانپ ہیں، جو باہر سے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟۔ انہوں نے کہا کہ یہ سود خور ہیں، (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الرِّبا، رقم الحدیث 2273)۔"

درجِ بالا احادیث میں جس قدر شدّت کے ساتھ سود کی مذمّت کو بیان کیا گیا ہے یہ اُن لوگوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے، جو بڑی بے باکی سے سود کھاتے اور کھلاتے ہیں اور اس سودی کاروبار میں معاون بنتے ہیں۔

جس زمانہ میں ہم رہ رہے ہیں، اِس میں سود کی آمیزش اِس قدر ہوگئی ہے کہ کسی کے لئے بھی مکمل طور پر اِس سے بچنا ناممکن ہے۔ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی صورت میں آج سود لوگوں کے جسموں میں جارہا ہے۔ ملک سودی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی سود خوروں کی دعوت کو قبول اور تحفہ تحائف کو قبول کر لیتے ہیں اور اس طرح سود میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اِس حقیقت کو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بیان کردیا تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکَلَ الرِّبَا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود کھانے سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا اور اگر سود نہ کھائے (انتہائی بچتے ہوئے) تو بھی اِس کے بخارات اُس کو پہنچیں گے، (سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات، رقم الحدیث: 3331)۔''

ربا کے لغوی معنیٰ، اِصطلاحی تعریف اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اِس کے احکام بیان کرنے کے بعد ذیل میں اس کی اقسام اور اُن کا شرعی حکم درج کیا جارہا ہے۔

ربا کی اقسام:

فقہاءِ کرام نے بنیادی طور پر سود کی دو قسمیں بیان کی ہیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں:

۱۔ ربا النسیئہ / ربا الجاہلیہ (Interest in Deferred Payment):

۲۔ ربا الفضل / ربا الحدیث (Excess Usury/Interest):

۱۔ ربا النسیئہ / ربا الجاہلیہ (Interest in Deferred Payment):

ربا النسیئہ سے مراد سود کی وہ صورت ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔ اِس کی

تعریف یہ ہے کہ قرض کا ایسا معاملہ جس میں ادائیگی کی ایک مخصوص یا اضافی مدّت کے لئے
قرض یا دَین پر کچھ زیادتی معین کرلی جاتی ہے۔اس قسم کے ربا کا ذکر چونکہ قرآنِ مجید میں
ہے،اِس لئے اِسے ''رِبا القرآن'' کہتے ہیں اور زمانۂ جاہلیت میں رائج ہونے کی وجہ سے ا
سے ربا الجاہلیۃ بھی کہتے ہیں۔امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسکی تعریف یوں
بیان فرمائی ہے:

هو القرض المشروط فيه الاجل و زيادة مال على المستقرض

ترجمہ:''قرض کا وہ معاملہ،جس میں ایک مخصوص ادائیگی کی مدّت اور قرض دار پر مال کی
کوئی زیادتی معین کرلی گئی ہو،(احکام القرآن)۔''

سود کی حرمت اور سابقہ آسمانی کتابیں:

سود کی مذکورہ قسم کو اس کی ظاہری و باطنی خرابیوں کی وجہ سے نہ صرف شریعتِ
اسلامیہ میں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی ممنوع وحرام قرار دیا گیا تھا۔جیسا کہ انجیل کے باب
خروج میں ہے کہ ''اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو، کچھ
قرض دے تو اُس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اُس سے سود لینا،
(خروج:22,25)۔''

ایک اور مقام میں ہے کہ''اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے
تنگ دست ہو،تو تُو اُسے سنبھالنا۔وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے تو،تُو اُس
سے سود یا نفع نہ لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا تا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کر سکے تو
اپنا روپیہ اُسے سود پر مت دینا اور اپنا کھانا بھی اُسے نفع کے خیال سے نہ دینا(احبار:25,35,36)''
اور استثناء میں تو نہ صرف ربا النسیہ بلکہ ہر قسم کے سود سے منع کر دیا گیا:
''تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود

ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔تو پردیسی کو سود پر قرض دے سکتا ہے مگر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تا کہ خداوند تیرا خدا اُس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تُو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے،(اِستثناء،20:23)۔"

ربا النسیئہ / ربا الجاہلیۃ کی اقسام:

ربا النسیئہ ،جس کی مذمت قرآن مجید اور اَحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہے،عمومی طور پر دو طرح سے لئے جاتے تھے،جن میں سے ایک کو سودِ مفرد اور دوسرے کو سودِ مرکب کہا جاتا ہے۔ذیل میں ان کی تعریف اور شرعی احکام درج کئے جا رہے ہیں۔

سودِ مفرد(Simple Interest):

"سودِ مفرد" یہ ہے کہ ایک متعین مدت کے لئے ایک خاص شرح سود پر قرض دیا جائے اور قرض کی ادائیگی تک سود کی وہی شرح بغیر کسی اضافہ کے نافذ رہے۔

سودِ مرکب(Compound Interest):

اِس سے مراد یہ ہے کہ اگر قرض خواہ نے کسی کو متعین مدت کے لئے ایک خاص شرح سود پر قرض دیا اور مقروض نے مقررہ مدت پر قرض مع سود کے ادا نہ کیا تو قرض خواہ اُس کی اصل رقم اور اُس پر آنے والے سود کے مجموعے کو اصل سرمایہ قرار دے کر اُس رقم پر بھی سود لگا دیتا ہے یعنی سود پر سود لیتا ہے،یہ طریقۂ کار "سودِ مرکب" کہلاتا ہے۔زمانۂ جاہلیت میں سود کی یہ دونوں اقسام لوگوں میں رائج تھیں،جنہیں اِسلام نے ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا ہے۔

سودِ مرکب کی حرمت کے بارے میں سورۂ الِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ ☆

ترجمہ: ”اے ایمان والو! دگنا چوگنا کر کے سود مت کھاؤ اور اللہ (تعالیٰ) سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، (سورۂ آلِ عمران، آیت: 130)۔“

مذکورہ آیتِ کریمہ میں سود کی بدترین شکل کو بیان کیا گیا ہے، جس میں قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں مقروض سود در سود کی لعنت میں پھنستا چلا جاتا ہے اور قرض خواہ اُس کی مجبوریوں سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے بعض لوگ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں صرف سودِ مرکب سے روکا گیا ہے، سودِ مفرد سے نہیں۔ یہ ایک باطل اور قرآن وحدیث کے مخالف نظریہ ہے کیونکہ قرآنِ مجید کی ہی دوسری آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اقسام کے سود حرام و ناجائز ہیں۔

اِس حوالے سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خطبۂ حجۃ الوداع کا ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ سلّم نے فرمایا:

اَلَا اَنَّ كُلَّ رِبًـامِّـنْ رِّبَـا الْـجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ لَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

ترجمہ: ”خبردار سنو! کہ ہر وہ ربا جو ایامِ جاہلیت میں واجب تھا تم سے پورے کا پورا ختم کر دیا گیا ہے، تمہارے لئے صرف قرض کی اصل رقم ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے، (سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی وضع الرِّبا، رقم الحدیث: 3334)۔“

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال مبارک کے بعد بھی وہ ہر قسم کے سود کو حرام و ناجائز سمجھتے تھے۔ چند احادیث ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الاستقراض میں ”**بـاب اذا اقرضه**

الی أجل مسمیً" میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول درج کیا ہے کہ:

اَلْقَرْضُ اِلٰی اَجَلٍ لَا بَاْسَ بِهٖ وَ اِنْ اُعْطِیَ اَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهٖ مَا لَمْ یَشْتَرِطْ

ترجمہ: "حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا معین مدّت تک قرض دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ قرضدار اس کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کرے، بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) معاہدۂ قرض میں شرط نہ کیا گیا ہو، (صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، باب اذا اقرضہ الی اجل مسمیٰ اوراجلہ فی البیع)۔"

اسی طرح ابو بردہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو، جہاں ربا بہت عام ہے لہٰذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہو اور وہ تمہیں بھوسے، جو یا چارے کا کچھ بوجھ ہدیہ دینا چاہے تو تم اسے قبول نہ کرو، کیونکہ وہ ربا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حکم یا تو تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے یا پھر اس قسم کے تحفے کا عام رواج اتنا ہوگا کہ اس معاہدے کا جزو سمجھا جانے لگا ہوگا اس لئے فقہی قاعدہ "**المعروف کالمشروط**" کے مطابق انہوں نے اس تحفے کو بھی ربا قرار دیا بہرحال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قرض پر لیا جانے والا ہر اضافہ ربا تھا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہ صرف مرکب بلکہ مفرد سود کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ ربا الفضل/ربا الحدیث (Excess Usury/Interest):

اِس سے مراد وہ زیادتی ہے، جو ہم جنس و ہم قدر اشیاء کے باہم تبادلے کی صورت میں لی جاتی ہے۔ ربا الفضل سود کی دوسری قسم ہے چونکہ اس کا ذکر حدیث مبارک میں ہے

اس لئے اسے ''ربا الحدیث'' بھی کہتے ہیں۔

حدیثِ ربا الفضل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَاءٌ

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے اور گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر دست بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی (یا اُدھار) سود کے حکم میں ہے، جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں، (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا، رقم الحدیث:4148)۔''

حدیث مبارک میں مذکوران چھ اشیاء کو ''اَموالِ ربویّہ'' کہا جاتا ہے۔

ربا الفضل میں حرام کی علت اور فقہاءِ کرام:

نقل کردہ حدیث میں چھ چیزوں کے بارے میں ذکر ہے کہ ان کی خرید وفروخت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دست بدست اور برابر سرابر کی بنیاد پر ہو۔ کمی بیشی اور اُدھار کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ سود کے انسداد (روک تھام) کے لئے اَعلیٰ اور ادنیٰ میں معیار کے فرق کو بھی حکمت کے تحت نظر انداز کر دیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حدیث شریف میں مذکور اِن چھ چیزوں کے علاوہ اشیاء میں بھی آپس میں لین دین کی صورت میں دست بدست اور برابر سرابر کی شرط عائد ہوتی ہیں یا نہیں؟۔ اِس بارے میں فقہاءِ کرام کے

12

درمیان اختلاف ہے۔ بعض فقہاءِ کرام کے نزدیک حدیث کا حکم صرف اِن ہی اشیاء تک محدود ہے، جن کا حدیث میں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ میں نہیں۔ جبکہ بعض فقہاءِ کرام کے نزدیک اِن اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء پر بھی حکم مرتب ہوگا۔ پھر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اِن کے علاوہ اشیاء کو معلوم کرنے کے لئے کیا ضابطہ اور طریقۂ کار ہوگا۔ اِس حوالے سے فقہاءِ کرام نے حدیث میں بیان کردہ چھ اشیاء میں سے اُس علت کو معلوم کرنے کوشش کی، جس کے تبادلہ میں برابر سرابر اور دست بدست کی شرط لگائی گئی ہیں۔

لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک وہ علت ''قدر (کیل ووزن) اور جنس'' ہے۔ لہذا ہر وہ ہم جنس شئے جو باہم ماپ کر یا وزن کر کے فروخت کی جائیں، اُن میں برابر سرابر اور دست بدست کی شرط کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

اِمام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اِن چھ میں سے گندم، جو، کھجور اور نمک میں ''طعم (کھانے والی اشیاء)'' کو جبکہ سونے اور چاندی میں ''ثمنیت'' کو علّت قرار دیتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''غذائیت اور قابلِ ذخیرہ اندوزی'' ہونے کو علّت قرار دیا یعنی جو چیزیں بطور غذا استعمال ہو رہی ہوں یا جنہیں ذخیرہ کر کے رکھا جا سکتا ہو، وہ سب بھی اموالِ ربویّہ میں سے ہونگی۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق گندم، جو، کھجور اور نمک میں غذا کے طور پر استعمال ہونا خاص طور پر علّت ہے جبکہ سونے چاندی میں ذخیرہ کے قابل ہونا علّت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اِس حوالے سے تین اقوال ملتے ہیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں:۔

(الف) امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔

(ب) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔

(ج) تیسرے قول کے مطابق سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے صرف وہ اشیاء اَموالِ ربویہ میں شامل ہونگی، جن میں ''طعم'' (خوردنی ہونا) اور ''کیل'' (پیمانہ سے ناپ کر بیچا جانا) یا ''وزن (تول کر بیچا جانا) کی صفت بیک وقت پائی جاتی ہو۔ اگر غور کیا جائے تو یہ قول بھی قریب قریب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق ہی ہے۔

جنس وقدر کی وضاحت:

13

امامِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اِن چھ اشیاء میں جنس کے ساتھ قدر علّت مشترکہ ہے لہٰذا جنس وقدر کی وضاحت قدرے تفصیل سے تحریر کی جارہی ہے:

دو اشیاء کا ہم جنس ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُن دونوں کا ایک نام اور ایک کام ہو جیسے گیہوں (Wheat) کی تمام اقسام آپس میں ہم جنس ہیں۔ اِسی طرح کھجور کی تمام اقسام لیکن اگر نام ومقصد میں اختلاف ہو تو وہ ہم جنس نہیں جیسے گیہوں، جو، کپڑے اور کھجور وغیرہ یہ سب آپس میں ہم جنس نہیں ہیں۔ اِسی طرح لوہا، سیسہ، تانبا اور پیتل وغیرہ بھی ہم جنس نہیں ہیں۔ قدر (Value) سے مراد وزن (تولنا) اور کیل (مخصوص برتن سے ماپنا) ہے

اگر کسی دو اشیاء میں قدر وجنس دونوں مشترک (Same) ہوں تو اُدھار اور نقد دونوں صورت میں بھی کمی بیشی حرام وناجائز ہے اسی کو ''ربا الفضل'' کہتے ہیں۔ مثلاً گیہوں کو گیہوں کے بدلے میں خرید وفروخت کیا جائے تو اُدھار ونقد دونوں صورتوں میں کمی بیشی حرام ہوگی کیونکہ یہ دونوں جنس وقدر میں ایک جیسے ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں کی جنس ایک ہو تو اچھی کوالٹی یا بری کوالٹی کوئی معنٰی نہیں رکھتیں۔ یعنی جب بھی ان کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو دونوں کا برابر اور نقد ہونا ضروری ہے۔

اور اگر دونوں یعنی جنس وقدر میں سے کوئی ایک نہ ہو تو پھر نقد کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا لیکن اُدھار حرام مثلاً ایک صاع گیہوں کو دو صاع جو کے بدلے میں نقد تو بیچنا

جائز ہے کیونکہ ان میں قدر تو مشترک ہے کہ دونوں ماپ کر فروخت کیے جاتے ہیں لیکن جنس دونوں کی ایک نہیں تاہم صورت مذکورہ میں اُدھار جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح بکری کے گوشت کا تبادلہ زندہ بکری کے ساتھ کیا جائے تو نقد کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگا کیونکہ ان کی جنس تو ایک ہے لیکن قدر مشترک نہیں کہ بکری عددی ہے جبکہ گوشت وزنی ہے۔ تاہم اُدھار اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

اور اگر دونوں نہ ہوں یعنی جنس وقدر دونوں میں فرق ہو، تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور اُدھار بھی جیسے ایک کلو گندم کو دس روپیہ میں خریدے تو یہ جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں جنس وقدر دونوں لحاظ سے فرق ہے۔

سود اور روایتی بینکاری نظام:

روایتی بینکاری نظام میں کیے جانے والے اکثر معاملات سود پر مبنی ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے علماءِ کرام اِس نظام کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ بینک کئی طرح سے سودی لین دین کرتے ہیں مثلاً کسی کو اپنے کام کے لئے رقم کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ بینک سے ایک خاص شرح سود پر رقم حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح لوگ اپنی بچت بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر بینک سے ایک خاص شرح پر سود لیتے ہیں۔ بینک زیادہ شرح پر سودی رقم دیکر کم شرح پر سودی رقم حاصل کرتے ہیں لہذا ان دونوں کا فرق بینک کا منافع بن جاتا ہے۔

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی نے اپنی قرارداد نمبر ۸۶ (۹/۳) کی شق دوم (الف) میں بینک ڈپازٹس کی دو قسموں کو بیان کرتے ہوئے سود پر مبنی اکاؤنٹس کی شرعی حیثیت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

وہ ڈپازٹس جس پر انٹرسٹ دیا جاتا ہے، جیسا کہ سودی بینکوں میں ہوتا ہے۔ وہ

سودی قرض ہیں، جو حرام ہیں۔خواہ وہ عند الطلب ڈپازٹس (کرنٹ اکاؤنٹس) ہوں یا میعادی ڈیپازٹس (Term Deposits) یا اِطلاعی ڈیپازٹس یا سیونگ اکاؤنٹس، (جدید فقہی مسائل اور اُن کا مجوزہ حل، صفحہ نمبر:233)۔

اسی طرح قرارداد نمبر۱۰ (۲/۱۰) کی شق اوّل میں ہے کہ:

قرض کی ادائیگی کی میعاد پر قرض دار قرض ادا نہ کر سکے، اس وقت اس کی میعاد بڑھا کر کوئی زیادتی یا انٹرسٹ طے کرنا، اسی طرح ابتدائے عقد میں قرض میں کوئی زیادتی یا انٹرسٹ طے کرنا، یہ دونوں صورتیں ربا میں داخل ہیں اور شرعاً حرام ہیں۔

سود کی رقم اور غرباء و مساکین:

ہمارے ہاں ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ سودی بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رقم جمع کروادی جائے اور اُس پر آنے والا سود خود استعمال کرنے کی بجائے غرباء و مساکین میں تقسیم کردیا جائے۔یہ شرعاً درست نہیں کیونکہ سود کا کھانا جس طرح خود کے لئے ناجائز و حرام ہے بالکل اسی طرح دوسروں کو کھلانا بھی۔حدیث شریف میں ہے کہ:

ان الله طيب لايقبل الا طيبا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کے علاوہ وہ کسی اور شے کو قبول نہیں کرتا ہے۔''

البتہ اگر کسی کے پاس غلطی سے یا توبہ کرنے سے پہلے بینک سے سود حاصل ہو جائے تو پھر وہ بغیر ثواب کی نیت سے غرباء و مساکین کو دے سکتا ہے لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ آئندہ بچنے کا پختہ ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے سچے دل کے ساتھ معافی مانگے۔

کرنٹ اکاؤنٹ اور بینک:

روایتی سودی بینک اگرچہ کرنٹ اکاؤنٹ پر اپنے جمع کنندگان (رقم جمع کرانے

والے Depositor) کو کچھ سود ادا نہیں کرتے تاہم وہ اُن کی جمع کردہ رقم کو دوسرے لوگوں کو سود پر قرض دینے میں استعمال کرتے ہیں اس طرح جمع کنندگان اگرچہ بلاواسطہ (Direct) سود میں ملوث نہیں ہوتے لیکن سودی معاملے میں تعاون کرنے کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ کی اس خرابی کی وجہ سے علماءِ کرام اس کی حوصلہ شکنی کرتے رہے ہیں اور حالتِ مجبوری کے علاوہ اس سے منع کرتے رہے ہیں لیکن چونکہ اب اِسلامی بینکاری نظام کو متعارف کرایا جاچکا ہے اور اُس کا کرنٹ اکاؤنٹ سود سے پاک ہوتا ہے تو اس کے ہی کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف سود کے لین دین میں معاون بننے سے بھی بچا جاسکتا ہے بلکہ اِسلامی بینکاری نظام کی ترقی میں کردار بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ☆

ترجمہ: ”اور تم نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ (تعالیٰ) سے ڈرتے رہو،(سورۂ مائدہ، آیت:2)۔

باب نمبر......٦

رہن(Pledge):

لین دین کے معاملات میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو قرض یا اُدھار پر شئے کو لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن دینے والے (قرض خواہ/ دائن) کو یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ اُس کا حق اُسے ملے گا یا نہیں؟۔لہذا شریعت نے قرض خواہ/ دائن کے اطمینانِ قلبی کے لئے قرض دار/ مدیون کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کے پاس اپنی کوئی مملوکہ شئے اُس کے پاس بطورِ رہن رکھ دے۔ اِس طرح دونوں کا فائدہ ہو جائیگا کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائیگی اور قرض خواہ کو اپنا حق واپس مل جانے کا یقین ہو جائیگا اور اگر قرض دار نے اُس کی رقم ادا نہ کی تو وہ مالِ مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق لے سکتا ہے۔قرض خواہ اور قرض دار کا اس عمل کو شرعی اعتبار سے ''رہن'' کہلاتا ہے۔

ذیل میں رہن کے جملہ احکامات تفصیل کے ساتھ بیان کئے جا رہے ہیں۔

رہن کی مشروعیت:

رہن ایک استحبابی (نہ کہ ایجابی) امر ہے، جس کی مشروعیت قرآنِ مجید اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اَحادیث سے ثابت ہے۔ذیل میں اِس حوالے سے قرآن وحدیث سے دلیل پیش کی جا رہی ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ

ترجمہ: ''اور اگر تم سفر میں ہو (اور تم نے دَین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو) اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بناء پر دَین کا معاملہ کرلو'' (سورۂ بقرہ، آیت:283)۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں حالتِ سفر میں (جبکہ کوئی وثیقہ نویس اور گواہ دستیاب نہ ہو) اُدھار معاملات کو طے کرنے کی ایک صورت بیان کی جارہی ہے کہ خریدار یا قرض دار اپنے قرض خواہ پر اعتماد قائم کرنے کے لئے اپنی کوئی چیز اِس شرط کے ساتھ اُن کے پاس بطورِ گروی رکھ دے کہ جب وہ یعنی خریدار اُس کا قرض ادا کر دے تو فروخت کنندہ مالِ مرہون واپس کردے گا۔ واضح رہے کہ آیت کریمہ میں اگرچہ حالتِ سفر میں مالی معاملات میں رہن کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ حکم عام ہے یعنی سفر کے علاوہ بھی بوقتِ ضرورت رہن یا گروی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

اِشْتَرٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مِنْ يَهُوْدِيٍ طَعَامًاوَ رَهَنَهُ دِرْعَهُ و

ترجمہ: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ایک یہودی سے کچھ کھانا خریدا اور اپنی زرہ مبارک اُس (یہودی) کے پاس بطورِ رہن رکھی، (صحیح بخاری، کتاب الرھن، باب الرھن عند الیھو دوغیرھم، رقم الحدیث:2513)۔‘‘

رہن کے لغوی معنیٰ:

رہن کے لغوی معنیٰ ’’ثبوت و دوام، محبوس کرنے اور گروی رکھنے‘‘ کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں لفظِ رہن گروی کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ☆

ترجمہ: ’’ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے، (سورۂ مدثر، آیت:38)۔‘‘

اِصطلاحی تعریف:

اِصطلاح میں رہن اُس مال کو کہتے ہیں، جو مدیون (قرض دار) اپنے دائن (قرض خواہ) کے پاس بطور ضمانت جمع کرواتا ہے تاکہ دائن کو قرض کی ادائیگی کا یقین ہو جائے۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں رہن کی تعریف درجِ ذیل بیان کی گئی ہے:

حبس مال و توقیفه فی مقابلة حق یمکن استیفاؤہ منه، و یسمی ذالک المال مرھونا و رھنا

ترجمہ: ''کسی مال کو کسی ایسے حق کے مقابلہ میں اپنے قبضہ میں رکھنا جس حق کی ادائیگی اس مال سے ممکن ہو، ایسے مال کو مرہون یا مالِ رہن کہا جاتا ہے۔(مادّہ نمبر:701)۔''

اِصطلاحاتِ رہن:

راہن(Pledgor): رہن رکھوانے والے مقروض کو ''راہن'' کہتے ہیں۔

مرتہن(Pledgee):

جو شخص اپنے قرض کے عوض رہن لیتا ہوتا کہ اُسے قرض کے وصول ہونے کا یقین ہوجائے، اُسے ''مرتہن'' کہتے ہیں۔

مالِ مرہون/رہن شدہ مال(Pledged Goods/Given in Pledge):

وہ مال یا شئے، جو رہن کے طور پر رکھوائی جائے، اُسے ''مرہون'' کہتے ہیں۔

عدل:

وہ شخص جسے رَاہن اور مرتہن دونوں نے امانتدار قرار دے کر مال سپرد کیا ہو۔

رکنِ رہن:

رہن کے نفاذ کے لئے راہن و مرتہن کا ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے البتہ اِس کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے، جب مالِ مرہون مرتہن کے سپرد کر دیا جائے۔ لہٰذا مرہونہ شئے کی سپردگی سے پہلے راہن کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ رہن سے رجوع کرلے۔ ایجاب وقبول میں لفظِ رہن اور گروی کے علاوہ ہر وہ لفظ بولا جاسکتا ہے، جو رہن کے معنیٰ و

مفہوم میں مستعمل ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ جب تک میں تمہارا قرض ادا نہ کردوں، اُس وقت تک یہ چیز تمہارے پاس بطورِ رہن رہے گی وغیرہ۔

شرائطِ رہن:

معاملۂ رہن کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ راہن و مرتہن دونوں عاقل ہوں البتہ اِس میں بلوغت شرط نہیں ہے لہذا سمجھ دار بالغ بچہ بھی راہن یا مرتہن بن سکتا ہے۔
کسی شئے کو رہن میں رکھنے کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر راہن نے وعدہ کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو مرتہن مالِ مرہون کو فروخت کرکے اپنا حق حاصل کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ مرہون کا قابلِ فروخت ہونا بھی رہن کی درستگی کے لئے ایک شرط ہے۔ لہذا وہ تمام شرائط جو خرید وفروخت کے معاملے میں مبیع کے لئے ضروری ہیں وہ مالِ مرہون میں بھی ضروری ہیں یعنی مالِ مرہون کا:
موجود، مملوک، مقدور التسلیم اور مالِ متقوم ہونا ضروری ہے۔

رہن کے مقابلے میں جو شئے ہو اُس کا مرتہن کی ضمانت و ذمہ داری میں ہونا بھی ضروری ہے۔ لہذا مالِ مغصوب کے مقابلے میں رہن رکھنا شرعاً درست ہے لیکن مالِ امانت کے مقابلے میں درست نہیں ہے۔

رہن کے عمومی احکام:

شریعت میں رہن رکھنے کی اجازت چونکہ قرض خواہ کو اطمینان دلانے کی غرض سے دی گئی ہے لہذا اُسے یہ حق حاصل ہے کہ جب تک راہن اُس کا قرض ادا نہ کردے اُس وقت تک مالِ مرہون کو روکے رکھے اور اگر قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی راہن کا انتقال ہوجائے تو راہن کے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں قرض خواہ (مرتہن) زیادہ حقدار ہے کہ مالِ مرہون کو فروخت کرکے پہلے اپنا قرض وصول کرلے۔

رہن رکھنے کے باوجود بھی مرتہن راہن سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قرض کی جزوی ادائیگی:

اگر راہن نے پورے قرض کی بجائے اُس کا کچھ حصہ ادا کردیا ہو، تو اُسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کا اعتبار کرتے ہوئے مالِ مرہون کا کچھ حصہ واپس لے لے بلکہ جب تک پورے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گا مرتہن مال کو روک سکتا ہے البتہ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ معاملۂ رہن کے وقت ہی راہن نے یہ واضح کردیا ہو کہ مالِ مرہون کا اتنا حصہ قرض کے اِس مقدار کے مقابلے میں اور اتنا حصہ دوسرے کے مقابلے میں ہے تو پھر قرض کا جو حصہ ادا کیا جائیگا اُس کے مقابلے میں مالِ رہن بھی راہن کو واپس کیا جائیگا۔ رہنِ مستعار (اس کی تعریف آگے آرہی ہے) کی صورت میں حقیقی مالکِ مال کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے راہن سے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرے اور راہن پر لازم ہے کہ وہ مال مرتہن سے لیکر اصل مالک کو لوٹائے۔ لیکن اگر افلاس وغربت کی وجہ سے راہن مالِ مرہون واپس لینے سے قاصر ہوجائے تو مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ راہن کی طرف سے قرض ادا کرکے اپنا مال چھڑالے۔

راہن یا مرتہن کا انتقال:

راہن کی وفات کی صورت میں اُس کے بالغ ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مال متروکہ میں سے قرض کی ادائیگی کرکے مالِ مرہون مرتہن سے واپس لے لیں۔ نابالغ ورثاء ہوں یا بالغ تو ہوں، لیکن دور ہوں تو مرتہن مالِ مرہون کو فروخت کرکے اپنا حصہ حاصل کرسکتا ہے۔
مرتہن کی وفات کے بعد مالِ مرہون اُس کے وارثوں کے پاس بطورِ رہن ہوجائیگا۔

مالِ مرہون میں نقصان:

اگر مرتہن نے مالِ مرہون کو عیب دار کردیا یا ضائع کردیا تو اُس کے حقیقی نقصان کو قرض میں سے منہا کیا جائیگا۔ لیکن اگر نقصان کسی تیسرے شخص نے پہنچایا ہو اور اس کی وجہ سے اُس کی قدر میں کمی آگئی تو جس دن نقصان پہنچایا گیا ہے اُس دن کا اعتبار کرتے ہوئے نقصان کا ازالہ کیا جائیگا اور وہ مال بھی مرتہن کے پاس بطورِ رہن رہے گا۔

راہن و مرتہن کا مالِ مرہون میں تصرف اور اِس سے حصولِ انتفاع:

۱...... اگر کسی تیسرے شخص نے راہن و مرتہن کی اجازت کے بغیر مالِ مرہون کو کسی اور شخص کے پاس رہن کے طور پر رکھ دیا تو رہنِ ثانی باطل ہو جائیگا یعنی نافذ نہیں ہوگا۔ اِس کے برعکس راہن نے مرتہن کی اجازت سے مالِ مرہون کو کسی تیسرے شخص کے پاس رہن کے طور پر رکھ دیا تو رہنِ ثانی درست جبکہ رہنِ اوّل باطل ہو جائیگا۔ اِسی طرح مرتہن نے راہن کی اجازت سے مالِ مرہون کو کسی تیسرے شخص کے پاس رہن رکھ دیا تو رہن ثانی درست ہوگا اور پہلا رہن باطل ہو جائیگا اور اِسے مستعار شئے کا رہن سمجھ کر ''رہنِ مستعار'' قرار دیا جائیگا۔

۲...... اگر مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر مالِ مرہون کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کردیا، تو یہ بیع موقوف کی طرح ہوگا یعنی نفاذ یا عدمِ نفاذ راہن کی اجازت پر موقوف ہے

۳...... اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مال فروخت کردیا تو یہ بیع نافذ نہیں ہوگی اور نہ ہی مال پر مرتہن کا حق ختم ہوگا البتہ راہن نے قرض ادا کردیا یا مرتہن نے اُس بیع کی اجازت دیدی، تو وہ نافذ ہو جائیگی۔

۴...... مرتہن اپنی صوابدید پر مال مرہون راہن کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

۶...... مرتہن کسی وجہ سے مالِ مرہون کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کرنا چاہے تو اِس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ مال کی دوسرے مقام پر منتقلی کی صورت میں اُسے کسی قسم کا نقصان

پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

مالِ مرہون سے متصل اشیاء اور اِس میں تبدیلی کے احکام:

چونکہ مالِ مرہون معاملۂ بیع میں فروخت شدہ چیز کی طرح ہوتا ہے لہذا مبیع کی طرح مالِ مرہون میں بھی وہ تمام اشیاء شامل ہوتی ہیں جو اُس کے مشتملات میں سے ہوں۔ مثال کے طور پر کسی نے اپنا مکان گروی رکھا تو مکان کی دیوار اور اُس کے احاطے میں لگے تمام درخت وغیرہ بھی رہن میں شامل ہونگے اگرچہ وقتِ معاملہ اُن کا ذکر نہ بھی کیا گیا ہو۔ مالِ مرہون کو کسی دوسرے مال سے بدلنا بھی جائز ہے مثلاً کسی نے اپنی گھڑی بطورِ رہن رکھوائی اور بعد میں یہ چاہا کہ وہ گھڑی کی بجائے موبائل فون رہن میں رکھے، تو یہ جائز ہے۔ مالِ مرہون کی مقدار میں بعد میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے، اضافے کے بعد کل مال مرہون شمار ہوگا۔

مالِ مرہون میں اضافہ وزیادتی کیے بغیر قرض میں اضافہ کرنا شرعی اعتبار سے درست اور جائز ہے، مثال کے طور پر کسی نے ایک ہزار قرض کے بدلے میں اپنی گھڑی رہن رکھوائی اور بعد میں رہن میں اضافہ کیے بغیر مزید پانچ سو روپے قرض لے لئے تو یہ جائز ہے

مالِ مرہون کی حفاظت ومصارف:

مالِ مرہون چونکہ مرتہن کے پاس ایک اعتبار سے امانت ہوتا ہے اِس لئے مرتہن پر یہ لازم ہے کہ وہ مالِ مرہون کی خود یا اپنے قابلِ اعتماد لوگوں کے ذریعہ سے ہر ممکن حفاظت کرے۔ مال کی حفاظت کے حوالے سے جملہ اخراجات ومصارف مرتہن کی ذمہ داری ہے مثلاً گودام میں رکھنے کے اخراجات وغیرہ، البتہ وہ تمام اخراجات جن کا تعلق مالِ مرہون کی بقا اور ملکیت سے ہے، اُن کی ادائیگی راہن کے ذمہ ہے، مثلاً جانور کا چارہ، مکان کی صفائی ستھرائی اور مرمت کے اخراجات اور پراپرٹی ٹیکس وغیرہ۔

اگر راہن نے مرتہن یا مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر وہ اخراجات کردیئے، جو شرعاً

اُن کی ذمہ داری تھی تو اُن کی جانب سے تبرع (احسان) سمجھا جائیگا۔ راہن و مرتہن میں سے کوئی بھی مطالبے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

مالِ مستعار (عاریت پر لی ہوئی شئے) کا حکم:

اگر کسی نے کسی اور شخص سے کوئی چیز عاریت پر لی ہو اور اُس نے مالک کی اجازت سے اُس شئے کو رہن پر رکھ دیا تو یہ جائز ہے۔ اِس رہن کو فقہی اصطلاح میں "رہنِ مستعار" کہتے ہیں۔

اگر مالک نے مطلقاً اجازت دی ہو، تو مستعیر کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنی صوابدید پر رہن پر رکھے۔ اِس کے برعکس مالکِ مال نے کوئی شرط عائد کی ہو، تو مستعیر (عاریت پر لینے والا) کے لئے اُن شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مالِ مرہون اور فریقِ ثالث:

مالِ مرہون، جس طرح مرتہن کے پاس رکھا جاسکتا ہے، اسی طرح باہمی رضا مندی کے ساتھ شروع میں یا معاملۂ رہن کے بعد کسی تیسرے شخص کے پاس بھی رکھا جاسکتا ہے۔ اِس صورت میں وہ تیسرا شخص مرتہن کے قائم مقام ہوگا لہذا رہن کے حوالے سے اِس پر وہ تمام احکام لاگو ہونگے، جو مرتہن پر ہوتے ہیں۔

غلق الرہن کا مسئلہ:

غلق الرہن سے مراد رہن کا وہ طریقۂ کار ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا کہ اگر قرض کی مدت مکمل ہو جانے پر راہن اپنے قرض خواہ یعنی مرتہن کو قرض کی ادائیگی نہ کر پاتا تو مرتہن مالِ مرہون کو بیچ کر اپنا قرض واپس لے لیا کرتا تھا۔ اِس میں کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ شئے مرہون قرض سے زیادہ مالیت کی ہوتی اور مرتہن اُس سے حاصل ہونے والی زائد

رقم کو بھی رکھ لیا کرتا تھا۔ اسلام نے ظلم و تعدی کے اِس عمل کو ناجائز قرار دیا اور مرتہن کے لئے اُس کے قرض کی حد تک رقم کو جائز رکھا اور قرض سے زائد رقم کی واپسی کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی ہے کہ: **لَایُغْلَقُ الرَّھْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِیْ رَھَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَ عَلَیْهِ غُرْمُهٗ** ترجمہ: "غلق الرہن نہ کیا جائے البتہ قرض دار کے لئے زائد رقم ہے اور قرض خواہ پر صرف اُس کا قرض ہے"، (السنن الصغیر للبیہقی ، کتاب البیوع ، باب الرھن غیر مضمون، رقم الحدیث: 940)۔"

اِسلامی بنک اور رہن:

اِسلامی بینکوں میں رہن اور اس کے مشابہ (Similar) مروّجہ طریقے:

اِسلامی بینکوں میں قرض کے مقابلے میں رہن رکھنے کا عام رواج ہے لیکن اِس کا طریقۂ کار عام رہن کے مقابلے میں کچھ مختلف ہوتا ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے معاصر علماءِ کرام میں سے اکثر اسے فقہی رہن تسلیم نہیں کرتے بلکہ بعض اسے ضمانت کی ایک صورت قرار دیتے ہیں اور بعض ضمانت کی مختلف صورتوں پر مشتمل ایک طریقۂ کار شمار کرتے ہیں۔ ذیل میں اُن میں سے ہر ایک کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔........... رہن (Mortgage) ۲۔........... پلیج (Pledge)

۳۔....... ہائپوتھیکیشن (Hypothecation)

(ا) رہن (Mortgage):

عام طور پر پراپرٹی (Mortgage) کے رہن میں بینک مالِ مرہون کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے اُس کی ملکیت کے حوالے سے جملہ کاغذات (Documents)

اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور مقروض قرض کی ادائیگی کے بعد وہ کاغذات بینک سے حاصل کرلیتا ہے۔ چونکہ جائداد کے کاغذات (Property Documents) پر قبضہ جائداد کے قبضے کی مانند ہے کہ مالک مالِ مرہون کو کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کرسکتا لہٰذا علماءِ کرام نے رہن کے اِس طریقے کو جائز قرار دیا ہے۔

(۲) پلیج (Pledge):

اِسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینک بیع وشراء کے معاملات میں مبیع (مالِ تجارت) کو بطور رہن اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور اُس پر ایک شخص (جسے بنک کی اِصطلاح میں مقدّم کہتے ہیں) کو اُس پر نگران مقرر کردیتا ہے اور جیسے جیسے کلائنٹ (خریدار) مبیع کی قیمت ادا کرتا جاتا ہے ویسے ہی بینک اُس کے مقابلے میں مبیع کے حصے پر سے اپنا قبضہ اُٹھالیتا ہے۔ عام طور پر اِس طرح سے رہن رکھنے کو پلیج (Pledge) کہتے ہیں اور مالِ مرہون کو (Pledged Property) کہا جاتا ہے۔ پلیج کا طریقہ کار عام طور پر جائدادِ منقولہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔

(۳) ہائپوتھیکیشن (Hypothecation):

اِسی طرح رہن کا ایک مروّجہ طریقہ کار یہ بھی ہے کہ مالِ مرہون راہن ہی کے قبضے میں رہتا ہے لیکن راہن کو اِس بات کا اختیار نہیں رہتا کہ وہ مرتہن کی اِجازت کے بغیر مالِ مرہون کو کسی تیسرے شخص سے فروخت کرے۔ اور اگر وہ مرتہن کی اِجازت سے ایسا کرتا ہے تو اُس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس قدر مالِ رہن میں کمی آئی ہے، وہ فوری طور پر پوری کی جائے۔ رہن کا یہ طریقہ کار (Hypothecation) کے نام سے موسوم ہے اور مالِ مرہون کو (Hypothecated Property) کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

باب نمبر......۷

امانت و ودیعت

اِیداع (Safe Keeping):

اِیمانداری کے ساتھ کسی کی مملوکہ شئے کو بغرضِ حفاظت اپنی تحویل میں رکھنا ازروئے شریعہ ایک قابلِ تعریف عمل ہے، لیکن اِس میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اَمانت کے ساتھ کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے کہ جس کی وجہ سے اُسے نقصان پہنچے یا اُس کی قدر میں کوئی کمی واقع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں امانتوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی کئی احادیث میں اِس کا ذکر شرح وبسط کے ساتھ ملتا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اعلانِ نبوّت سے پہلے کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہرت کا ایک زاویہ یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کی امانتیں اپنے پاس رکھا کرتے تھے اور اُن کے طلب کرنے پر بغیر کم وکاست کے اُنہیں واپس کردیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ نہ صرف آپ کو صادق بلکہ امین کے لقب کے ساتھ پکارا کرتے تھے۔

ذیل میں اَمانت کے حوالے سے چند آیات اور منتخب احادیث درج کی جارہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا

ترجمہ: ''بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو اُن کی امانتیں ادا کرو، (سورۃ نساء، آیت نمبر:58)۔''

ایک اور مقام پر مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔(سورۃ مؤمنون، آیت نمبر:8)۔

امانت کی تعریف:

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں امانت کی تعریف درجِ ذیل ہے:

الامانة هی الشئی الذی یؤجد عند الامین سواء کان أمانة بقصد الاستحفاظ کالودیعة أو کان أمانة ضمن عقد کالماجور والمستعار أو دخل بطریق الأمانة فی ید شخص بدون عقد ولا قصد کما لو ألقت الریح فی دار أحد مال جاره فحیث کان ذالک بدون عقد فلا یکون ودیعة بل أمانة فقط

ترجمہ:''ہر وہ چیز جو امین کے پاس خواہ کسی معاملۂ حفاظت کی بنا پر پائی جائے، جیسے ودیعت یا کسی اور دوسرے معاملہ کی وجہ سے اِس کے پاس ہو جیسے مزدور یا ملازم کے پاس مالک کا مال یا کسی مستعیر کے پاس مالِ مستعار یا کسی کے قبضے میں کوئی شئے بطورِ امانت بغیر کسی معاملہ یا قصد کے آجائے، مثلاً آندھی میں پڑوسی کا مال اُڑ کر آ گیا۔ اِس صورت میں مال ودیعت تو نہ ہوگا مگر امانت ہوگا، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر ۷۶۲)۔''

بعض اوقات اَمانت سے مراد شئے کی بجائے معاملہ ٔامانت بھی لیا جاتا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء نے اَمانت کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ

تسلیط المالک غیره علی حفظ ماله

ترجمہ:'' امانت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بنیتِ حفاظت رکھوائے، (ملتقی الابحر)۔''

ودیعت کی تعریف:

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ودیعت کی تعریف اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

الودیعة هی المال الذی یوضع عند شخص لأجل الحفظ

ترجمہ: ''ودیعت سے مراد وہ مال ہے، جو کسی شخص کے پاس اَمانت کے طور پر (قصداُو ارادۃً) رکھا جائے ، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر ۷۶۳)۔''

ودیعت اور امانت کا فرق:

عام طور پر اُردو زبان میں ودیعت و امانت میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا ہے لیکن فقہی اِصطلاح میں ودیعت اور امانت کا فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ودیعت میں شئے قصد و ارادہ کے ساتھ کسی کے پاس رکھی جاتی ہے جبکہ اَمانت میں ارادہ ونیت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ارادے کے بغیر بھی اگر کسی کا مال کسی دوسرے شخص کی تحویل میں چلا جائے تو وہ بھی شرعی اعتبار سے اَمانت ہی ہے۔ اَمانت و ودیعت کے فرق کو آسانی کے ساتھ یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اَمانت عام ہے اور ودیعت خاص ہے یعنی ہر ودیعت اَمانت ہوتی ہے لیکن ہر اَمانت ودیعت نہیں ہوتی۔

ودیعت وامانت کی ضروری اِصطلاحات:

مودِع (Person Making for Safe Keeping):

اِس سے مراد وہ شخص ہے، جو اپنی کوئی چیز کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھوائے۔

مستودَع وامین (دال کے زبر کے ساتھ)(Trustee):

جس شخص نے کسی شئے کو بطورِ ودیعت قبول کیا یا جس کے پاس کوئی شئے بطور

امانت آجائے، انہیں بالترتیب ''مودَع یا امین'' کہتے ہیں۔

اَمانت کے بارے میں عمومی مسائل:

امانت کی حفاظت کرنا امین پر اِسی طرح واجب ہے، جس طرح وہ اپنے سامان کی حفاظت ونگرانی کرتا ہے۔لیکن اُس کی تمام تر احتیاط کے باوجود مالِ امانت کوکوئی نقصان پہنچتا ہے، تواِس صورت میں امین نقصان کی تلافی کا ذمہ دارنہیں ہوگا۔البتہ نقصان ہوجانے پر اگر یہ ثابت ہوجائے کہ نقصان اُس کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے، تو پھروہ حقیقی نقصان کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔

اگر کسی شخص کا مال دوسرے شخص کے قبضے میں ضائع ہوگیا ہو، تو اگر اُس نے مال مالک کی اِجازت کے بغیر قبضہ میں لیا تھا تو اسے ضمان (حقیقی نقصان کا ازالہ) دینا پڑے گا۔اوراگر مالک کی اجازت سے لیا تھا تو اس پر ضمان نہیں ہے کیونکہ اِس کے قبضہ میں بطورِ امانت تھا۔

مثلاً کسی شخص نے کسی کی دکان سے ایک پیالہ مالک کی اجازت کے بغیر اُٹھالیا اور وہ پیالہ اُس کے ہاتھ سے گرگیا تو اُس شخص کو پیالے کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔اِس کے برعکس مالک کی اجازت سے اُٹھایا اور وہ پیالہ اُس کی کوتاہی کے بغیر گرکر ٹوٹ گیا، تو قیمت نہیں دینی

پڑے گی۔اور اگر وہ پیالہ کسی دوسرے شئے پر گرا اور وہ شئے بھی ضائع ہوگئی، تو پیالے کا ضمان نہیں دیا جائیگا البتہ دوسری شئے کا ضمان اُس پر لازم ہوگا۔

ودیعت کی درستگی کی شرائط:

دوسرے معاملات کی طرح مودِع اور مستودع دونوں کے لئے عاقل، صاحب

تمیز اور اہلِ تصرف میں سے ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح واضح طور پر یا اشارۃً ایجاب و قبول کا ہونا بھی ودیعت کی درستگی کے لئے شرط ہے۔

مودِع اور مستودع میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اپنی مرضی سے معاملۂ ودیعت کو منسوخ قرار دے سکتے ہیں۔

ودیعت میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ چیز ایسی ہو، جسے مستودع کے قبضے میں دیا جا سکے۔

امانت وودیعت میں تصرف:

امین و مستودع اَمانت میں ہر وہ تصرّف کرسکتا ہے، جو اُس شئے کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ اِس کے علاوہ کسی قسم کا تصرف مثلاً کسی کو ودیعت، عاریت، کرائے یا رہن پر دینا اُس کے لئے جائز نہیں۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو نقصان کی صورت میں حقیقی نقصان کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔

اَمانت کی واپسی:

امین اَمانت کو خود یا کسی قابلِ اعتماد شخص کے ذریعہ مالک کو واپس کرے۔ اگر اُس نے کسی قابلِ اعتماد شخص کے ذریعہ مال بھیجا اور بغیر کوتاہی کے مال مالک تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو گیا تو نقصان کی تلافی امین پر عائد نہیں ہوگی۔

ضمان کی صورت:

اگر مالِ ودیعت کا ضمان امین پر عائد ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ مال کا تعلق ذوات الامثال سے ہے یا ذوات القِیَم سے:
اگر مال ذوات الامثال سے ہے، تو ویسی ہی شئے دینی پڑے گی اور اگر ذوات القِیَم سے ہو، تو جس دن ضمان عائد ہوا ہے اُسی دن کی بازاری قیمت کا اعتبار کر کے ضمان دیا جائیگا۔

سودی بینک اور کرنٹ اکاؤنٹ:

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جو رقم آتی ہے وہ بنک کے پاس امانت کے طور پر جمع ہوتی ہے۔ لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ نظریہ درست نہیں کیونکہ اس میں اَمانت کے اُصولوں کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا کیونکہ اَمانت کا اُصول یہ ہے کہ اَمین مالِ امانت کو بعینہ (As it is) اپنے پاس رکھے اور اُسے استعمال نہ کرے۔ حالانکہ سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کی جانے والی رقم کو بینک اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتا ہے یعنی اُسے دوسرے لوگوں کو سود پر دیتا ہے لہذا یہ شرعی اَمانت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ امانت کا ایک اُصول یہ بھی ہے کہ اگر وہ امین کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے یا اُس میں نقصان ہو جائے تو امین اُس کا ضامن نہیں ہوگا۔ حالانکہ بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز کو رقم ہر حال میں دینے کے پابند ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ کرام سودی بنکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کو امانت تسلیم نہیں کرتے اور اور اِس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اَمانت اور اِسلامی بینک:

مرابحہ کے معاملے میں کلائنٹ جب بینک کے وکیل کی حیثیت سے مطلوبہ مال خرید لیتا ہے تو وہ مال کلائنٹ کے پاس اُس وقت تک بینک کی اَمانت کے طور پر رہتا ہے، جب تک کلائنٹ بینک سے اُسے باقاعدہ خرید نہ لے۔ لہذا کلائنٹ کے پاس وہ مال اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے یا اُسے جزوی نقصان پہنچ جائے تو وہ بینک کا نقصان شمار کیا جائیگا۔

☆☆☆

باب......۸

وکالت، کفالہ اور حوالہ

وکالت(Agency Agreement):

عقل وفہم اور علمی وعملی مہارت واہلیت میں تمام لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ اِن میں بعض انتہائی ذہین ہوتے ہیں، جن میں اپنے کام کو سرانجام دینے کی بدرجہ اولیٰ صلاحیت موجود ہوتی ہے جبکہ اِس کے برعکس کچھ لوگ علم وصلاحیت اور مہارت واہلیت میں کمی کی وجہ سے اپنے بعض اُمور کو بحسن وخوبی انجام دینے سے عاجز ہوتے ہیں لہذا شریعت نے ایسے لوگوں کے فائدہ کے لئے یہ اجازت دی ہے کہ وہ خود میں سے ایسے شخص کو اپنا وکیل یا نائب نامزد کردیں، جو اُن کے کام یا معاملے کی انجام دہی میں اُن کی بہتر نمائندگی کرسکے اور اُس کے بہتر نتائج لاسکے اور وکالت دراصل اِسی معاملے کا نام ہے۔

وکالت کی مشروعیت:

قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں وکالت کے جواز پر متعدد مثالیں موجود ہیں، جنہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ

ترجمہ: ''سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے کر آئے، (سورۂ کہف، آیت:19)۔''

درجِ بالا آیتِ مبارکہ میں اُصحابِ کہف کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے شہر بھیجا، تاکہ وہ اُن تمام لوگوں کے لئے کھانا خرید کر لائے۔ اُصحابِ کہف کے اِس عمل سے وکالت کے جواز کا پتا چلتا ہے۔

وکالت عقدِ تبرع یعنی احسان کا معاہدہ ہونے کی وجہ سے تعاون ہی کی ایک صورت ہے لہٰذا اِس کا جواز قرآنِ مجید کی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 2 سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

ترجمہ: ''اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، (سورۂ مائدہ، آیت :2)۔''

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا☆

ترجمہ: ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو، تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں، تو اللہ ان دونوں (زن وشو) کے درمیان اتفاق پیدا کردے گا، (سورۂ نساء، آیت :35)۔''

اِس آیتِ کریمہ سے وکالت کی مشروعیت اِس طرح معلوم ہوتی ہے کہ جب شوہر وزن میں مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہ آئے، تو یہ حکم دیا گیا کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے رشتے داروں میں سے اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنا منصف نامزد کرے، جو اُن کے درمیان پیدا شدہ رنجش کو ختم کروانے میں اُن کی مدد کر سکے۔

اِسی طرح حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کیا۔ ایک روایت

میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹ کی قربانی کی، جن میں سے 63 اُونٹوں کو خود ذبح کیا اور باقی کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وکیل مقرر کیا۔ اسی طرح کئی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو زکوٰۃ وصول کرنے اور تبلیغِ دین کے لئے اپنا نائب (وکیل) بنا کر دوسرے علاقوں میں بھیجا اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانے تک اور تا حال اُمت میں جاری ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس پر اُمت کا اجماع بھی ہے۔

وکالت کی مشروعیت بیان کرنے کے بعد اب اِس کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ اور اس سے متعلق فقہی معاملات درج کئے جا رہے ہیں:

وکالت کے لغوی معنیٰ:

وکالت کے لغوی معنیٰ "تفویض یا سپرد کرنے، اعتماد کرنے اور اپنے کام کے لئے کسی دوسرے کو نائب بنانے" کے ہیں۔ جیسا کہ عربی فقہی اصطلاحات کی مشہور لغت "المفردات" میں ہے:

التفویض والاعتماد علی الغیر یعنی کسی دوسرے کو کام سپرد کرنا اور اُس پر اعتماد کرنا۔

وکالت (Agency Agreement) کی تعریف:

وکالت عقدِ تبرع کی ایک قسم ہے۔ اِصطلاحِ فقہ میں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر، اپنے کسی کام کی ذمہ داری اُسے تفویض کرنا "وکالت" کہلاتا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں وکالت کی تعریف اِس طرح بیان کی گئی ہے:

الوکالۃ تفویض أحد أمرہ الی آخر واقامتہ مقامہ

ترجمہ: "کسی شخص کا دوسرے کو اپنا نائب بنا کر اپنے کسی کام کو اُس کے سپرد کرنا، وکالت کہلاتا

ہے، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادہ نمبر ۱۴۴۹)۔"

اِصطلاحاتِ وکالت:

وکیل (Agent):

لغت میں وکیل کے معنیٰ "سپرد کرنے یا کسی پر اعتماد کر کے اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے مقرر کرنے" کے ہیں۔ جبکہ شرع میں وکیل سے مراد وہ شخص ہے، جسے کسی نے اپنے ایسے کام میں، جس میں نائب بنانا جائز ہو، نائب بنا کر اپنا کام اُس کے سپرد کر دیا ہو۔

مؤکل (Principal):

اپنا کام کسی دوسرے کے سپرد کرنے والا "مؤکل" کہلاتا ہے۔

مؤکل بہ (Authorised Act):

جس کام کے لئے کسی کو وکیل بنایا گیا ہو، اسے "مؤکل بہ" کہتے ہیں۔

وکالت کی قسمیں:

(۱) وکالتِ عامّہ (General Agency Agreement):

(۲) وکالتِ خاصّہ (Special Agency Agreement):

وکالتِ عامّہ (General Agency Agreement):

عقدِ وکالت میں کسی خاص کام کے لئے وکیل نہ کیا گیا ہو، تو اُسے "وکالتِ عامہ" کہتے ہیں جیسے مؤکل نے یہ کہا کہ جو چیز مناسب سمجھو میرے لئے خرید لو یہ خریداری کی وکالت عامہ ہے۔ لہذا وکیل جو کچھ بھی خریدے گا وہ مؤکل کا ہوگا۔ وکیل دینے سے اور مؤکل لینے سے انکار نہیں کرسکتا۔ یونہی اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لئے جو کپڑا اچھا ہو خرید لو تو یہ

کپڑے کے متعلق وکالت عامہ ہے۔

وکالتِ خاصہ (Special Agency Agreement):

عقدِ وکالت میں اگر کسی خاص چیز کی خریداری کے لئے وکیل بنایا ہو مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ فلاں گاڑی یا فلاں جانور میرے لئے خرید لو، تو یہ وکالتِ خاصہ ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ وکیل وہی معین چیز، جس کی خریداری کا اُسے وکیل مقرر کیا گیا ہے، خرید سکتا ہے اُس کے سوا دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔اگر وکیل نے اُس کی اجازت کے بغیر خریدا تو مؤکل پر اُس کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ وہ وکیل کی ملکیت میں شمار ہوگی اور اُس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

وکالت کے لئے شرائط:

وکالت سے متعلق شرائط کو درجِ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مؤکل کے لئے شرائط:

۲۔ وکیل کے لئے شرائط:

۳۔ مؤکل بہ کے لئے شرائط:

ذیل میں ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ضبطِ تحریر میں لایا جارہا ہے۔

مؤکل کے لئے شرائط:

(۱) عاقل و بالغ ہو۔

(۲) جس کام کے لئے مؤکل دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کررہا ہو، اُسے خود بھی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔اگر کسی خاص وجہ سے وقتی طور پر مؤکل کے لئے کسی کام کا کرنا تو ممکن نہ ہو لیکن اُس میں کرنے کی صلاحیت موجود ہو، تو اُس کام کے لئے وہ دوسرے کو اپنا وکیل مقرر

کر سکتا ہے، جیسے حالتِ احرام میں محرم کے لئے شکار کرنا حرام ہوتا ہے لیکن وہ شکار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہذا جس کام کے لئے وقتی طور ممانعت ہو، اُس کے لئے بھی کسی کو اپنا وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔

وکیل کے لئے شرائط:

(۱) عاقل و بالغ ہو۔

(۲) مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت اُس میں موجود ہو۔ لہذا کسی نے ایک نادان و نا سمجھ بچے یا پاگل کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو، تو یہ شرعاً درست نہیں کیونکہ اِن میں مؤکل بہ کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایک نابالغ سمجھ دار بچے نے کسی کو اپنا وکیل بنایا ، تو اُس کی وکالت اُن امور میں درست ہوگی ، جن میں اُس کا فائدہ ہو رہا ہو جیسے ہبہ یا ہدیہ وغیرہ قبول کرنا۔ اُن اُمور میں ولی (سرپرست) کی اجازت بھی ضروری نہیں۔ اِس کے برعکس ایسے اُمور، جن میں بچے کا نقصان ہو رہا ہو، اُن میں اگر بچے نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کردیا ہو، تو یہ وکالت درست نہیں ہوگی اگر چہ ولی نے اِجازت بھی دے دی ہو۔ مثلاً ہبہ یا ہدیہ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنانا۔

خرید و فروخت کے وہ معاملات ، جن میں نفع و نقصان دونوں پہلو ہوں، اُن میں ولی (سرپرست) کی اجازت سے کوئی بچہ چاہے تو دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ اور اگر اُس نے ولی کی اجازت کے بغیر ایسا کرلیا تو اب وکالت کی درستگی ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

مؤکل بہ کے لئے شرائط:

(۱) مؤکل بہ شرعاً ممنوع نہ ہو۔ لہذا اگر کسی نے دوسرے کو شراب کی خریداری کے

لئے اپنا وکیل مقرر کیا، تو شرعی اعتبار سے یہ وکالت جائز نہیں۔

(۲) موکل بہ معلوم ہو۔

وکالت کن اُمور میں ہوسکتی ہے؟۔

وکالت صرف اُن اُمور میں ہوسکتی ہے، جن میں نیابت یعنی قائم مقام بنانا جائز ہو مثلاً بیع وشراء کے معاملات وغیرہ۔ نماز، روزہ اور اِن جیسی عبادتوں میں چونکہ نیابت جائز نہیں ہے لٰہذا ان کاموں کی ادائیگی کے لئے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ایسی عبادات ہیں، جن کی ادائیگی مکلّف پر ہی لازم وضروری ہے اور مکلّف کے ادا کئے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

وکالت کے عمومی شرعی احکام:

ا۔ وکیل کا عمل اور موکل بہ:

ہبہ، عاریت، رہن، ودیعت، قرض، شرکت اور مضاربت کے معاملات میں وکیل پر لازم ہے کہ وہ اِن معاملات کو اپنے موکل کی طرف منسوب کرے، اگر اُس نے اپنی جانب منسوب کیا، تو معاملہ درست نہیں ہوگا۔ جبکہ خرید وفروخت، اِجارہ اور صلح اقراری کے معاملات میں وکیل کے لئے معاملے کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں لٰہذا اگر اُس نے اپنی طرف منسوب کر کے معاملہ کرلیا، تو یہ درست ہے۔

واضح رہے کہ اگر خرید وفروخت کے معاملہ میں وکیل نے معاملے کو اپنی جانب منسوب کیا، تو اگرچہ شئے پر موکل کی ملکیت قائم ہوجائیگی لیکن حقِ خیارِ عیب وغیرہ صرف وکیل کو حاصل ہوگا موکل کو نہیں جبکہ موکل کی طرف منسوب کرنے پر یہ حق موکل کو حاصل ہوگا۔ وکیل کی حیثیت ایک قاصد کی رہ جائے گی۔

۲۔ متوازی وکالت:

وکیل اپنے موکل کی اجازت کے بغیر اُسی کام کے لئے کسی دوسرے شخص کو وکیل مقرر نہیں کرسکتا البتہ موکل کی اجازت سے وہ ایسا کرسکتا ہے۔ لیکن اِس صورت میں وہ دوسرا وکیل پہلے کا وکیل نہیں ہوگا بلکہ موکل ہی کا وکیل شمار کیا جائیگا حتیٰ کہ اگر موکل نے وکیلِ اوّل کو معزول کردیا یا اُس کا انتقال ہوگیا، تو دونوں صورتوں میں وکیلِ ثانی معزول نہیں ہوگا۔

۳۔ وکیل کے قبضے میں مال کی شرعی حیثیت:

مال وکیل کے قبضے میں بطورِ امانت رہتا ہے لہذا اِس پر امانت کے تمام احکام لاگو ہوتے ہیں۔ وکیل پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ مال کی حتی الوسع حفاظت کرے اور موکل تک بحفاظت اور بغیر کم وکاست کے پہنچادے۔ لیکن اگر وہ مال وکیل کے قبضے میں اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوجائے، تو وکیل ضامن (Responsible) نہیں ہوگا البتہ مال کے ضیاع یا اُس کی قدر میں کمی ہونے میں اُس کی کوتاہی اور غفلت ثابت ہوجائے، تو حقیقی نقصان کا ازالہ امین پر لازم ہے۔

۴۔ وکالت کی اُجرت:

وکیل کے لئے وکالت کی اُجرت لینا بھی جائز ہے مگر اِس صورت میں وکالت کا معاملہ اجارہ کی طرح ہوجائیگا۔ جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ مادّہ نمبر 1467 میں ہے کہ اگر وکالت میں اُجرت کی شرط بھی ہو اور وکیل نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہو، تو وہ اُجرت کا مستحق ہوجائیگا اور اگر اُجرت کی شرط نہ ہو، تو وکیل ایک مفت خدمت گار ہوگا لہذا کام کی تکمیل پر کسی قسم کے حقِ خدمت کا حقدار نہیں ہوگا۔

۵۔خریداری کے لئے وکالت:

اگر وکالتِ خاصہ کی شرائط کے ساتھ کسی کو وکیل مقرر کیا جائے ،تو مؤکل بہ کی جنس قسم اور ہر اُس چیز کو واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہے، جس سے وکیل کے لئے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہوجائے اور بعد میں فریقین کے درمیان کسی قسم کا نزاع (Dispute) پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ وگرنہ وکالت درست نہ ہوگی۔ البتہ وکالتِ عامہ میں جنس کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً صفات وغیرہ کو بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔

اگر وکیل نے مؤکل کی بتائی ہوئی جنس کی بجائے کسی دوسری جنس کی شئے خرید لی تو وہ مؤکل کی نہیں ہوگی بلکہ وکیل کی ملکیت ہوگی لہذا اُس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

اگر وکیل نے خریداری میں جنس کے علاوہ کسی اور شرط کی مخالفت کی تو دیکھا جائے گا کہ اُس کی مخالفت سے مؤکل کا نقصان ہو رہا ہے یا فائدہ۔ اگر مؤکل کا نقصان ہو رہا ہو، تو یہ معاملہ وکیل کی جانب سے ہوجائے گا یعنی اُس کی ادائیگی وکیل پر ہوگی لیکن اگر فائدہ مؤکل کا ہو رہا ہو، تو پھر خریداری مؤکل کی ہوگی۔ مثلاً کسی نے اپنے وکیل سے یہ کہا کہ فلاں مکان میرے لئے دس لاکھ روپے میں خرید لو۔ وکیل نے وہ مکان گیارہ لاکھ روپے میں خرید لیا تو چونکہ اس کے عمل سے مؤکل کا نقصان ہو رہا ہے لہذا مکان وکیل کا ہوگا۔ اِس کے برعکس اگر وکیل نے مکان نو لاکھ روپے میں خریدا تو چونکہ اِس سے فائدہ مؤکل کا ہو رہا ہے لہذا مکان مؤکل ہی کا ہوگا۔

اسی طرح مؤکل نے کسی مکمل چیز کو خریدنے کے لئے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے اُس چیز کا آدھا حصہ خریدا، تو دیکھا جائے گا کہ وہ آدھا حصہ قابلِ اِنتفاع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو خریداری مؤکل کے حق میں ہوگی وگرنہ وکیل کے حق میں ہوگی۔

قیمت کے تعین کے بغیر خریداری کے لئے وکیل مقرر کیا گیا تو وہ اُس شئے کو عرف

ورواج کے مطابق خریدنے کا پابند ہے۔اسی طرح غبنِ یسیر وکالت میں مضرنہیں البتہ غبنِ فاحش کے ساتھ خریداری مؤکل کی طرف سے نہیں ہوگی۔

وکیل جس شئے کی خریداری کے لئے مقرر کیا گیا ہے،اُس پر لازم ہے کہ وہ مطلوبہ شئے اپنے مؤکل کے لئے ہی خریدے اگر اُس نے مؤکل کی بجائے اپنے لئے خریدلیا ،تواِس کا خریدنا مؤکل ہی کے لئے ہوگا اور مؤکل اُس شئے کا مالک ہوگا۔

۶۔فروختگی کے لئے وکیل:

وکیل پر بحیثیت وکیل لازم ہے کہ وہ مؤکل کے مفادات کا ہر ممکن دفاع کرے۔کوئی ایسا عمل نہ کرے،جس سے مؤکل یا مؤکل بہ کونقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ذیل میں اِس حوالے سے چند اہم اُمور کودرج کیا جارہا ہے:

مؤکل نے وکیل کو بغیر کسی شرط کے فروخت کرنے کے لئے مقرر کیا،تو وکیل اُس شئے کو اپنی صوابدید (Discretion) پر بہتر قیمت میں فروخت کرسکتا ہے۔لیکن اگر مؤکل نے قیمت کا تعین کردیا تو متعین قیمت سے کم پر فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔اگر اُس نے کم قیمت پر فروخت کردیا تو یہ بیع مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوجائیگی اور اگر خریدار نے اُس شئے کو استعمال کرلیا تو وکیل پر نقصان کی تلافی لازم ہے۔وکیل مال کو خود اپنی ذات کے لئے نہیں خرید سکتا۔

وکیلِ مطلق اپنی صوابدید پر مال کو عرف ورواج کے مطابق نقد و ادھار دونوں طرح فروخت کرسکتا ہے۔لیکن مؤکل نے عقدِ وکالت کے وقت واضح طور پر نقد فروخت کرنے پر مامور کیا تھا تو وہ اُدھار فروخت نہیں کرسکتا۔

وکیل اُدھار فروخت شدہ مال کے مقابلے میں خریدار سے اپنی صوابدید اور حسبِ ضرورت رہن یا کفیل کا مطالبہ کرسکتا ہے۔اور یہ رہن وکفالہ مؤکل کی جانب تصور کی جائیں

گی لہذا رہن و کفالہ کے احکام مؤکل پر بھی مرتب ہو نگے۔
خریداری کی وکالت میں اگر خریدار سے قیمت وصول نہ ہوئی تو وکیل کو قیمت کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

وکالت کا اختتام:

ا۔ مؤکل کا وکیل کو معزول کر دینا:

وکالت چونکہ عقودِ لازمہ (Binding Contracts) میں سے نہیں ہے لہذا مؤکل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو، تو وہ جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کر دے۔ اسی طرح وکیل کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ معاملۂ وکالت سے جس وقت چاہے معزولی کا اظہار کر دے لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اُس کی معزولی سے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو۔

مؤکل وکیل کو معزول کرے یا وکیل خود معزول ہو جائے دونوں صورتوں میں دوسرے کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے لہذا جب تک علم نہ ہو گا وہ معزول شمار نہیں کیا جائیگا۔

۲۔ مؤکّل بہ کی تکمیل:

معاملۂ وکالت میں مؤکل نے جس کام کے لئے کسی کو وکیل مقرر کیا تھا، اُس کام کی تکمیل پر بھی وکالت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی کو گاڑی خریدنے کے لئے وکیل مقرر کیا گیا اور اُس نے گاڑی خرید لی تو خریدتے ہی وکالت ختم ہو جائیگی۔

۳۔ مؤکل بہ کی ہلاکت:

مؤکل بہ کی ہلاکت بھی وکالت کے اختتام کا سبب ہے۔ مثلاً کسی کو مخصوص مکان

کے خریدنے پر وکیل مقرر کیا گیا اور وہ مکان منہدم ہو گیا تو اب وکالت قائم نہیں رہے گی۔

۴۔ مؤکل کا مفلس ہو جانا:

اگر مؤکل عقدِ وکالت کے وقت مؤکل بہ کے خریدنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ مفلّس ہو گیا تو وکالت ختم ہو جائیگی اور اگر اِس کے بعد وکیل نے اُس شئے کی خریداری کر لی تو یہ مؤکّل کی نہیں بلکہ وکیل کی جانب سے ہوگی اور قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

۵۔ وکیل یا مؤکل کے دماغی توازن کا بگڑ جانا:

اگر وکیل یا مؤکل میں سے کسی کا دماغی توازن اِس حد تک بگڑ جائے کہ معاملات کو صحیح طور پر سرانجام دینا مشکل ہو جائے تو وکالت کا معاملہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

۶۔ وکیل یا مؤکل کا انتقال:

وکیل یا مؤکل کی موت واقع ہو جانے پر بھی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ مؤکل اگرچہ وکیل کی وفات پر وکالت سے معزول ہو جاتا ہے لیکن اِس کے شرط یہ ہے کہ اِس سے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ وکالت میں وِراثت قائم نہیں ہوتی یعنی اگر وکیل کا انتقال ہو جائے تو وکالت اُس کے ورثاء کو منتقل نہیں ہوگی بلکہ ختم ہو جائے گی۔ البتہ ورثاء کے ساتھ نئے سرے سے وکالت کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اِسلامی مالیاتی اداروں میں وکالت:

اسلامی بنک اور وکالت:

اِسلامی بنک نہ صرف بحیثیت مؤکّل بلکہ وکیل کی حیثیت سے بھی وکالت کے

معاملہ میں شریک ہوتے ہیں۔ذیل میں اُن کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

اسلامی بنک بحیثیت مؤکل:

اسلامی بنکوں میں مرابحہ واجارہ وغیرہ کے معاملات میں اشیاء کی خریداری کے لئے کلائنٹ کو وکیل مقرر کیا جاتا ہے، جس میں اِسلامی بنک مؤکل جبکہ کلائنٹ وکیل ہوتا ہے۔ یہ وکالتِ خاصہ ہوتی ہے کیونکہ اِس میں کلائنٹ اُن ہی اشیاء کو خریدنے کا پابند ہوتا ہے، جن کا تذکرہ ''معاہدہ نامہ (Agreement)'' یا ''درخواست برائے خریداری (Purchase Order Form)'' میں موجود ہوتا ہے۔اِسلامی بنکوں کے لئے درجِ بالا اُمور میں کلائنٹ کو وکیل بنانے کی ضرورت اِس وجہ سے پیش آتی ہے کہ اُن کے کلائنٹ مختلف النوع شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور بنک کے لئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ ہر شعبے کے ماہرین کی خدمات حاصل کریں کیونکہ اِس طرح اُن کے اخراجات میں کافی اضافہ ہوجائیگا. جس کی وجہ سے نہ صرف بنکوں کے بلکہ وہ سرمایہ کار جو مضاربت و مشارکہ کی بنیاد پر بنک کو اپنا سرمایہ فراہم کرتے ہیں، دونوں کو کم منافع حاصل ہوگا۔اور یہ اِسلامی بنکاری کی ترقی وترویج میں رکاوٹ پیدا کرسکتا ہے۔علاوہ ازیں بنکوں کو بلاواسطہ مال کے خریدنے میں کچھ قانونی پیچیدگیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا وہ وکالت کے ذریعہ مال کی خریداری کو بہتر سمجھتے ہیں۔وکالت کے اِس طریقے میں عمومی طور پر بنک اپنے کلائنٹ کو وکالت کی کوئی اُجرت ادانہیں کرتے ہیں بلکہ یہاں وکالت اپنی اصل شکل یعنی تبرعاواحساناہورہی ہوتی ہے۔

اِسلامی بنک بحیثیت وکیل:

اسی طرح اسلامی بنک بحیثیت وکیل بھی وکالت کا معاملہ کررہے ہیں۔لہذا

اِسلامی بنکوں میں وکالت کو مضاربہ کی طرح بطورِ تمویل استعمال کیا جا رہا ہے اگرچہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ محلِ نظر ہے اور بعض علماء کے اس حوالے سے چند تحفظات (Reservations) ہیں اور وہ وکالت کی بجائے مضاربہ کا ہی مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وکالت اپنی فطرت کے اعتبار سے عقدِ تبرّع ہے لہذا جہاں تک ہو سکے اسے عقدِ معاوضہ بنانے سے بچنا چاہئے۔ بہرحال اِس طریقۂ کار کے مطابق اِسلامی بنک لوگوں کے وکیلِ عام کی حیثیت سے اُن کے پیسوں سے سرمایہ کاری کرتا ہے اور اپنی خدمات کا معاوضہ وکالت فیس کی صورت میں وصول کرتا ہے۔

تکافل کمپنی بحیثیت وکیل:

وکالت کا استعمال تکافل کمپنیوں میں بھی ہو رہا ہے۔ جس میں کمپنی وقف فنڈ کے وکیل کی حیثیت سے اپنی خدمات فراہم کرتی ہیں۔ اور وقف فنڈ میں موجود سرمایہ کو مختلف شرعی کاروبار میں لگا کر منافع کماتی ہیں اور اپنی خدمت کا بدلہ وکالہ فیس کی صورت میں وصول کرتی ہیں۔ تکافل کا وقف ماڈل اسی نظریئے کے تحت ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل باب نمبر ۱۳ میں ''تکافل'' کے عنوان کے تحت آئے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

کفالہ (Guarantee):

وکالت کی طرح کفالہ بھی عقدِ تبرّع کی ایک صورت ہے۔ لوگوں کو لین دین کے معاملات میں وکالت کی طرح کفالہ کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں میں ایک دوسرے کے لئے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی خوف وخطر کے دوسروں کے ساتھ مالی ودیگر معاملات کر لیتے ہیں۔

کفالہ کی مشروعیت:

کفالہ کی مشروعیت نہ صرف قرآنِ مجید بلکہ احادیثِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔علاوہ ازیں اس کی مشروعیت پر اجماع بھی ہے۔ ذیل میں چند آیات واحادیثِ مبارکہ درج کی جارہی ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ترجمہ: ''اورزکریا کواس کا کفیل بنایا،(سورۂ آلِ عمران،آیت:37)۔''

وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَّأَنَا بِهِ زَعِيمٌ☆

حضرت یوسف علیہ السّلام کے واقعہ میں جب پیالہ گم ہوگیا،تو تلاش کرتے وقت حضرت یوسف علیہ السّلام کی طرف سے انعام کا اعلان ہوا کہ جو پیالہ لاکردے گا اس کو انعام میں ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ دیا جائے گا، میں اِس کا ضامن ہوں،(سورۂ یوسف،آیت:72)۔

بخاری کتاب الکفالہ میں ایک طویل حدیث ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ لِیُصَلِّیَ عَلَیْھَا:فَقَالَ ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟ قَالُوْا:لَا،فَصَلّٰی عَلَیْہِ، ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ اُخْرٰی فَقَالَ ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟قَالُوْا نَعَمْ، قَالَ صَلُّوْاعَلٰی صَاحِبِکُمْ، قَالَ اَبُوْ قَتَادَۃَ:عَلَیَّ دَیْنُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ

ترجمہ:''بے شک ایک جنازہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لایا گیا تو (نماز پڑھانے سے پہلے) آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیا میت پر کوئی قرض ہے،تو لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں،لہٰذا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھادی، پھر اس کے بعد ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے،لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں! تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو(یعنی میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھاؤں گا)،اس پر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر اس کے قرض کی ادائیگی ہے (یعنی آپ امامت کرائیں، میں ان کی جانب سے قرض ادا کردوں گا، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی، (صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ، باب من تکفل عن میت دینا، رقم الحدیث: 2295)۔''

بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا، تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مؤمنوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں لہذا آئندہ کوئی شخص مقروض انتقال کرے، تو میں اس کے قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ

ترجمہ: ''میں اور یتیم کی ذمہ داری قبول کرنے والا جنت میں قریب ترین ہونگے، (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی من ضم یتیما، رقم الحدیث:5150)۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا:

اَلزَّعِيمُ غَارِمٌ یعنی کفیل ضامن ہے، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الصدقات، باب الکفالۃ، رقم الحدیث:2405)۔ بہارِ شریعت میں ہے کہ ایک معاملہ میں حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کفالت کی تھی، (فتح القدیر، کتاب الکفالۃ)۔

کفالہ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

کفالہ کے لغوی معنیٰ ''لازم کرنے اور ذمہ داری لینے'' کے ہیں۔ جبکہ اصطلاح شریعت میں کفالہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ذمہ داری (Liability) کو کسی دوسرے کے ساتھ ملادے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمے تھا، دوسرے نے بھی اپنے ذمہ لے لیا، خواہ وہ مطالبہ جان کا ہو یا قرض یا عین (مال) کا ہو۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں کفالہ کی تعریف درج ذیل بیان کی گئی ہے:

الکفالة: ضم ذمة الی ذمة فی مطالبة شئی یعنی ان یضم احد ذمته الی ذمة آخر و یلزم أیضا المطالبة التی لزمت فی حق ذالک

ترجمہ: "کفالہ بسلسلہ مطالبہ کسی کی ذمہ داری میں شرکت کو کہتے ہیں یعنی کسی شخص سے کسی چیز کا مطالبہ ہو اور وہ شخص ذمہ دار ہو، اس کے بعد ایک دوسرا شخص اس کی ذمہ داری میں اپنے آپ کو شریک کر لے اور اس مطالبہ کو اپنے اُوپر بھی واجب قرار دیدے تو یہ عمل کفالہ کہلائے گا، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر 612)۔"

اصطلاحاتِ کفالہ:

کفیل (Guarantor):

جس نے کسی دوسرے کی ذمہ داری لی ہو وہ "کفیل" ہے۔

مکفول لہ (One for whom Guarantee is Given):

وہ حقدار جس کے حق کی وصولیابی کی ضمانت کفیل نے لی ہو، اُسے "مکفول لہ" کہتے ہیں۔

مکفول بہ (Subject Matter of Guarantee):

جس مال کی ذمہ داری کفیل نے قبول کی ہو۔

مکفول عنہ/اصیل

جس پر کسی چیز کا مطالبہ ہو اور کفیل نے اُس کی کفالہ کی ہو، اُسے "اصیل یا مکفول عنہ" کہتے ہیں

کفالہ کی درستگی کی شرائط:

۱۔کفیل عاقل و بالغ ہو۔ ۲۔ مریض نہ ہو۔ ۳۔ مکفول بہ مقدور التسلیم ہو۔ ۴۔ قرض کی کفالت کی ہو، تو دین (قرض) صحیح ہو۔

کفالہ کی قسمیں:

کفالہ کی بنیادی طور پر درج ذیل تین قسمیں ہیں۔

۱۔کفالہ بالنفس(Producing a Personal Guarantee)

۲۔کفالہ بالمال(Guarantee of Property)

۳۔کفالہ بالتسلیم(Guarantee of Delivery)

۱۔کفالہ بالنفس(Producing a Personal Guarantee):

''کفالہ بالنفس'' سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص معین کی کفالہ اس طرح کی جائے کہ وقتِ ضرورت کفیل اس شخص کو حاضر کرنے کا ذمہ دار ہو،مکفول لہ کے حاضر نہ ہونے کی صورت میں کفیل پر خود کو پیش کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔کفالہ بالمال(Guarantee of Property):

کسی کے مال کی ادائیگی کی ذمہ داری لینا ''کفالہ بالمال'' ہے۔

۳۔کفالہ بالتسلیم(Guarantee of Delivery):

کسی مال کو سپرد کرنے کی ذمہ داری لینا ''کفالہ بالتسلیم'' کہلاتا ہے۔

کفالہ کے عمومی مسائل:

کفالہ کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکفول لہ کی اجازت اور رضامندی سے ہو۔ بغیر اُس کی اجازت کفالہ درست نہیں ہوگا۔ یہ اِس لئے ہے کہ وہ اپنے حق کو بحفاظت اپنی مرضی سے لینے کا مجاز ہے۔

عقدِ کفالہ کو کسی مناسب اور شرعی شرط کے ساتھ مقید کرنا جائز ہے یعنی کسی کا اِس طرح ذمہ داری لینا کہ اگر آپ نے فلاں شخص کے ساتھ معاملہ کیا تو میں اُس کی ذمہ داری

لیتا ہوں۔ کفالہ کے ثبوت کے بعد مکفول لہ کو اختیار ہے کہ وہ قرض دار سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرے یا کفیل سے۔

مکفول لہ (قرض خواہ) کفیل اور مکفول عنہ (قرض دار) کی اجازت کے بغیر عقدِ کفالہ منسوخ کرسکتا ہے لیکن کفیل اور مکفول عنہ مکفول لہ یعنی قرض خواہ کی اجازت کے بغیر معاہدہ منسوخ نہیں کرسکتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ کہ کفالہ کے منسوخ ہونے پر مکفول لہ (قرض خواہ) کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے لہذا منسوخی کا کلی اختیار اُسے دے دیا گیا کہ وہ حالات کے مطابق معاہدہ کو منسوخ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرسکے۔

کفیل کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قرض ادا کرنے سے پہلے مکفول عنہ (قرض دار) سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔ اسی طرح اگر قرض خواہ نے اپنے حق کو معاف کردیا یا قرض دار سے بلاواسطہ وصول کرلیا تو دونوں صورتوں میں کفیل بری ہوجائیگا۔

وکالہ اور کفالہ کے بارے میں فقہ اکیڈمی قرارداد:

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۱۲ (۲/۱۲) میں لیٹر آف کریڈٹ کے مسئلے پر وکالہ اور کفالہ کو زیرِ بحث لایا گیا اور دونوں کے بارے میں الگ الگ رائے دی گئیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں۔

اوّل: لیٹر آف کریڈٹ (L.C) کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ایل سی کھلوانے والے نے زرِ ثمن بینک کے پاس جمع نہیں کرایا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے بینک کے پاس زرِ ثمن جمع کرادیا ہے۔ پہلی صورت کی حقیقت یہ ہے کہ ''ایل سی'' کھلوانے والے پر حال یا مستقبل میں جو ذمہ داری آنے والی ہے، ضامن (بینک) اس میں اپنی ذمہ داری بھی شامل کرلیتا ہے۔ اس صورت کو فقہاء کی اِصطلاح میں ''ضمان'' یا ''کفالت'' کہا

جاتا ہے۔اور اگر دوسری صورت ہو یعنی ''ایل سی'' کھلوانے والے نے زرِ ثمن بینک میں جمع کرا دیا ہے، تو بینک اور ''ایل سی'' کھلوانے والے شخص کے درمیان قائم ہونے والے تعلق کو ''وکالت'' کہا جائے گا اور وکالت اُجرت کے ساتھ اور بغیر اُجرت کے دونوں طرح درست ہے۔اس صورت میں فائدہ اُٹھانے والے (مکفول لہ) کے مفاد میں کفالت کا تعلق بھی باقی رہے گا۔

دوم: کفالت ایک رضا کارانہ عقد ہے، جس کا مقصد محض امداد اور احسان کرنا ہوتا ہے۔فقہاء نے کفالت پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر قرض دینے والے کے لئے نفع کا باعث ہو اور یہ شرعاً حرام ہے۔

ان اُمور کی روشنی میں کونسل نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی:

اوّل: لیٹر آف کریڈٹ کے اجراء میں ضمانت کے عمل پر کوئی اُجرت لینا شرعاً جائز نہیں (جس کے تعین میں عموماً ضمانت کی مقدار اور مدّتِ ادائیگی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے) خواہ ایل سی کھلوانے والا شخص زرِ ثمن کے برابر رقم بینک میں پہلے جمع کرائے یا نہ کرائے۔

دوم: البتہ دونوں قسم کے لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے میں بینک کے جو دفتری اخراجات ہوتے ہیں، ان کی وصولی شرعاً جائز ہے بشرطیکہ جو رقم کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، وہ ان دفتری خدمات کی اُجرتِ مثل سے زائد نہ ہو۔اور اگر ایل سی کھلوانے والے نے زرِ ثمن کلی یا جزوی طور پر پہلے ہی جمع کرا دیا ہو، تو بینک لیٹر آف کریڈٹ کے اخراجات کے تعین میں ان اِخراجات کو ملحوظ رکھ سکتا ہے، جو اس زرِ ثمن کی ادائیگی کے سلسلے میں فی الواقع برداشت کرنے پڑتے ہوں۔واللہ اعلم (جدید فقہی مسائل اور اُن کا مجوزہ حل)۔

حوالہ (Transfer of Debts):

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرض دار کسی وجہ سے قرض کی ادائیگی سے معذور ہوجاتا ہے اور قرض خواہ کی طرف سے اُس پر دباؤ ہوتا ہے، لہذا شریعت نے ایسی صورت میں قرض دار کو اجازت دی ہے کہ اپنے قرض کو قرض خواہ کی رضامندی سے کسی دوسرے کی طرف منتقل کردے تاکہ وہ اُس کی طرف سے قرض کی ادائیگی کرے۔ ذمہ داری کے منتقل کرنے کے اِس طریقۂ کار کو "حوالہ" کہا جاتا ہے۔ حوالے کی اِسکے علاوہ بھی کئی صورتیں ہیں مثلاً اپنے دائن (قرض خواہ) کو اُس شخص کے حوالے کردینا، جو اِس قرض دار کا قرض دار ہے

حوالہ کی مشروعیت:

حوالہ چونکہ احسان ومروت کی ایک صورت ہے، جسے اسلام بہت زیادہ پسند کرتا ہے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اِس کا تذکرہ موجود ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَاِذَااُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مالدار کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب مالدار پر حوالہ کردیا جائے، تو قرض خواہ کو چاہئے کہ وہ اِسے قبول کرے، (صحیح بخاری، کتاب الحوالات، باب فی الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ، رقم الحدیث: 2287)"۔ اور اُمت کا اِس پر اجماع بھی ہے۔

لغوی معنیٰ:

حوالہ کے لغوی معنیٰ "منتقل کرنے اور تحویل میں دینے" کے ہیں، جیسا کہ "معجم لغۃ الفقہاء"

میں ہے کہ الحوالة من التحول: الانتقال یعنی حوالہ لفظِ تحول سے ہے، جس کے معنیٰ ''منتقل کرنے کے'' ہیں۔

شرعی معنیٰ:

معجم لغة الفقہاء میں حوالہ کی شرعی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ **الحوالة نقل الدين من ذمة المحيل الى ذمة المحال عليه**

ترجمہ: ''قرض کو محیل کے ذمہ سے محال علیہ کی طرف منتقل کرنا ''حوالہ'' کہلاتا ہے۔''

فقہ المالی کی مشہور و معروف کتاب ''مجلۃ الاحکامِ العدلیۃ'' میں حوالہ کی تعریف یہ ہے:

الحوالة نقل الدين من ذمة الى ذمةٍ أخرى ترجمہ ''دین کو ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے شخص کی طرف منتقل کرنے کو ''حوالہ'' کہتے ہیں، (مادّہ نمبر:673)۔''

حوالہ کی اصطلاحات:

محال بہ (Transferred Property):

وہ مال جس کا حوالہ کیا جا رہا ہے، وہ ''محال بہ'' کہلاتا ہے۔

محتال علیہ (Transferee):

قرض دار، جس کی طرف اپنے قرض کی ذمہ داری عائد کرتا ہے، وہ ''محتال علیہ'' ہے۔

محتال/محتال لہ/محال/حویل (Debtor whose Debt is Transferred to Another Person):

دائن (قرض دار) کو ''محتال'' کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جو کسی کی طرف اپنے قرض کی ذمہ داری حوالہ/سپرد کرتا ہے۔

محیل اداکن (Creditor):

حوالہ کے معاہدے میں مدیون یعنی قرض خواہ کو "محیل" کہتے ہیں۔

کفالہ اور حوالہ کا فرق:

کفالہ اور حوالہ میں فرق یہ ہے کہ کفالہ میں جس کے حق میں کفالہ ہوا ہے، وہ کفیل اور مکفول عنہ دونوں سے مطالبہ کرسکتا ہے، جبکہ حوالہ میں صرف محتال علیہ (ذمہ داری لینے والے) سے مطالبہ ہوگا یعنی حوالہ میں احسان بہ نسبت کفالہ کے زیادہ ہوتا ہے۔

اقسامِ حوالہ:

حوالہ کی درجِ ذیل دو اقسام ہیں:

۱۔ حوالۂ مقیدہ (Restricted Transfer of Debts):

۲۔ حوالۂ مطلقہ (Un-Restricted Transfer of Debts):

ہر ایک کی تعریف درج کی جارہی ہے۔

۱۔ حوالۂ مقیدہ (Restricted Transfer of Debts):

وہ حوالہ جس میں یہ قید ہو کہ محتال علیہ قرض کی ادائیگی اُس مال میں سے کرے گا جو محیل کا ہے اور وہ محتال علیہ پر قرض ہے یا محتال علیہ کے قبضے میں ہے۔

۲۔ حوالۂ مطلقہ (Un-Restricted Transfer of Debts):

وہ حوالہ، جس میں محیل کے مال سے ادائیگی کی کوئی قید نہ ہو، وہ "حوالۂ مطلقہ" کہلاتا ہے۔

حوالۂ حق:

حوالۂ مقیدہ کی ایک صورت "حوالۂ حق" کہلاتی ہے، اِس کے تحت ایک قرض خواہ دوسروں سے قابلِ وصول قرض کی وصولیابی کا حق اپنے کسی دوسرے قرض خواہ کی طرف منتقل

کردیتا ہے۔ مثلاً احمد نے اکبر سے ایک لاکھ روپے لینے ہیں اور افضل کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے ہیں لہذا جب افضل نے زید سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو زیداُسے رقم دینے کی بجائے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنا قرض اکبر سے وصول کرلے، جو کہ زید کا مقروض ہے اب اگر اکبر اور افضل اس بات پر راضی ہو جائے، تو اس طرح کا حوالہ ''حوالۂ حق'' کہلاتا ہے۔

کرنٹ اکاؤنٹ اور حوالہ حق:

اِسلامی بنکوں میں حوالہ کی اس صورت کو اس طرح استعمال کیا جارہا ہے کہ جب کوئی کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر اپنے کسی قرض خواہ کو بذریعہ چیک قرض کی ادائیگی کرتا ہے تو گویا اُس نے قابل الادا قرض کو اپنے مقروض (بنک) کی جانب منتقل کردیا اور یہ حوالہ ہے۔ اس صورت میں کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر محتال جبکہ قرض خواہ محیل اور بنک محتال علیہ ہے۔

ادائیگی قرض کی مدت کے اعتبار سے حوالہ کی قسمیں:

اِس اعتبار سے بھی حوالہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... حوالۂ فوری (On Spot Transfer of Debt)

۲...... حوالۂ مؤجلہ (Deferred Transfer of Debts)

ا۔ حوالۂ فوری (On Spot Transfer of Debt):

حوالۂ فوری سے مراد یہ ہے کہ جس میں محتال علیہ (Transferee) محیل (قرض خواہ) کی طرف سے فوری طور پر محال کو قرض ادا کرے قطع نظر اس کے کہ محتال علیہ محیل سے اپنا قرض فوری لے یا مقررہ مدت کے بعد لے۔

۲۔ حوالہ مؤجلہ (Deferred Transfer of Debts):

حوالہ مؤجلہ سے مراد ایسا حوالہ ہے، جس میں محتال علیہ پر قرض کی ادائیگی فوری طور پر ضروری نہ ہو، بلکہ ایک مقررہ مدت کے بعد اُس پر ادائیگی لازم ہو۔ چاہے محتال علیہ محیل سے اپنا قرض فوری لے یا مقررہ مدت کے بعد لے۔

حوالہ کی شرائط:

۱...... محیل کا عاقل و بالغ ہونا۔ لہذا پاگل و ناسمجھ بچے کا حوالہ کرنا درست نہیں ہوگا البتہ نابالغ عاقل نے حوالہ کیا، تو یہ ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگا، اُس نے اجازت دیدی تو نافذ ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

۲...... محتال کا عاقل ہونا بھی حوالہ کی درستگی کی ایک شرط ہے، لہذا پاگل یا ناسمجھ بچے نے حوالہ قبول کرلیا تو یہ درست نہیں ہوگا اور نابالغ سمجھ دار نے کیا تو ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگا لیکن اِس میں بھی یہ شرط ہے کہ محتال علیہ بہ نسبت محیل کے زیادہ مالدار ہو۔

۳...... محتال (قرض خواہ) نے بغیر کسی زور وزبردستی کے حوالہ کو قبول کیا ہو۔

۴...... محتال کا اُسی مجلس میں قبول کرنا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر محیل نے حوالہ کیا اور قرض خواہ وہاں موجود نہیں ہے، لیکن جب خبر ملی تو اُس نے قبول کرلیا تو شرعی اعتبار سے یہ حوالہ درست نہیں ہوگا۔ البتہ قرض خواہ کی غیر موجودگی میں کسی اور شخص نے حوالہ قبول کرلیا جسے بعد میں قرض خواہ نے منظور کرلیا تو یہ حوالہ درست ہوجائیگا۔

۵...... محتال علیہ کا عاقل و بالغ ہونا بھی حوالہ کی درستگی کے لئے ضروری ہے۔ سمجھ دار بچے نے اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت سے بھی حوالہ قبول کرلیا ہو، تو بھی حوالہ صحیح نہیں ہے

۶...... محتال علیہ کو قبول کرنا۔ اِس میں اُسی مجلس میں قبول کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی

اور جگہ حوالہ کی خبر ملی اور اُس نے قبول کرلیا تو بھی درست ہے۔

۷...... جس چیز کا حوالہ کیا جا رہا ہو، اُس کا تعلق دَین (قرض) لازم سے ہو۔ دینِ لازم سے مراد وہ دَین ہے، جس کی ادائیگی لازم ہو چکی ہو۔ اِسی طرح دَینِ مجہول کا حوالہ بھی درست نہیں۔ مثلاً کسی نے یہ کہہ دیا کہ جو کچھ بھی تمہارا فلاں کے ذمہ لازم ہے، اُس کا میں نے حوالہ کیا تو یہ درست نہیں کیوں کہ اِس میں قرض کی مقدار مجہول ہے۔

نوٹ: محتال علیہ نے دوسرے شخص پر حوالہ کر دیا تو اگر دوسرا شخص راضی ہے اور حوالہ کے متعلق درجِ بالا شرائط بھی پوری ہو رہی ہوں، تو یہ حوالہ درست ہوگا۔

حوالہ کے بارے میں چند بنیادی احکام:

۱...... قرض خواہ کی رضامندی سے عقدِ حوالہ مکمل ہو جانے کے بعد قرض دار کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے لہذا قرض خواہ اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ قرضدار کی بجائے محتال علیہ سے کرے گا۔

۲...... اگر قرض کی ادائیگی سے قبل محتال علیہ کا انتقال ہو جائے یا وہ خود مفلوک الحال یا مفلّس ہو جائے یا قرض دینے سے انکار کر دے تو تینوں صورتوں میں قرض خواہ دوبارہ اپنے قرض کا مطالبہ اصل قرض دار سے کر سکتا ہے۔

۳...... اگر محتال علیہ قرض ادا کر دے تو وہ قرض دار سے رقم وصول کرنے کا حق درج ذیل صورتوں میں رکھتا ہے:

(الف) اِس نے قرض دار کے حکم سے ذمہ داری لی ہو۔

(ب) اِس کے ذمہ قرض دار کا کوئی حق نہ ہو۔ اگر قرض ہو، تو مطالبہ کا حق نہیں ہوگا کیوں کہ اُس نے اپنا حق پہلے ہی وصول کر لیا ہے۔

ہنڈی کی حقیقت اور اُس کی شرعی حیثیت:

ہنڈی رقم کی ترسیل کا ایک طریقۂ کار ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے پاس کچھ رقم بطورِ قرض اِس شرط کے ساتھ جمع کرے کہ یہ رقم فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کی جائے۔ بعض اوقات اِس پر کچھ زائد بھی لیا جاتا ہے، جسے ''متی'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اِس میں کئی طرح کی شرعی قباحتیں موجود ہیں۔ جنہیں ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

ہنڈی کو اگر قرض سمجھا جائے تو عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ متی کے نام سے کچھ رقم پہنچانے والے کو دی جاتی ہے اور وہ رقم کسی اور مقام پر لی جاتی ہے، جس سے قرض خواہ کو راستہ کے خطرات سے بچنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اِن دونوں صورتوں میں قرض پر فائدہ حاصل کرنا لازم آئیگا، جو کہ شرعاً سود ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **کل قرض جر منفعة فهو الربوا** ترجمہ: ''ہر وہ قرض، جو فائدہ لائے وہ سود ہے، (سنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب البیوع، باب کل قرض جر منفعة فهو الربوا، رقم الحدیث: 10715)۔''

اور اگر اِسے امانت قرار دیا جائے تو امانت کے بنیادی اُصول کے خلاف ہے کیونکہ امانت کا ایک بنیادی اُصول یہ ہے کہ مالِ امانت اگر امین کے پاس اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو وہ اُس کے نقصان کی تلافی کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ حالانکہ ہنڈی کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر امین کی کوتاہی کے بغیر بھی رقم ضائع یا چوری ہو جائے تو وہ اُسے ادا کرنے کا پابند ہے۔ لہٰذا لامحالہ ہنڈی کو قرض تسلیم کرنا پڑے گا اس پر خطرِ طریق (Travelling Risk) کو زائل کرنے کا فائدہ حاصل کرنے کی وجہ سے یہ سود ہو جائے گا۔ اِس حوالے سے اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر کہا جائے کہ معاہدے میں اِس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا، تو اِس کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ عملاً ایسا ہی ہو رہا ہوتا ہے۔

باب......۹

شرکت (Partnership):

شراکت کاروبار کی ایک ایسی شکل ہے، جس میں دو یا دو سے زائد افراد مل کر ایک کاروبار شروع کرتے ہیں اور اس کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع کو پہلے سے طے شدہ فیصد یا تناسب سے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، جبکہ نقصان کی صورت میں اپنے اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان برداشت کرتے ہیں۔ اسلام نے شراکت کو سود کے بہترین متبادل کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف رغبت (Motivation) دلانے کے لئے شراکت کے فضائل بیان کیے ہیں۔

شرکت اور قرآنِ مجید:

عام طور پر علماءِ مفسرین قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ سے شراکت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

ترجمہ: ''سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے کر آئے، (سورۂ کہف، آیت:19)۔''

علامہ ابوبکر جصاص نے تفسیرِ احکام القرآن میں اس آیتِ کریمہ کے ضمن میں

فرمایا کہ اگر چہ اس میں عبارت النص (ظاہری طور پر) سے شراکت کا ثبوت نہیں ملتا۔لیکن اشارتاً شراکت کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ اِس آیتِ کریمہ میں ورق یعنی سکے کی نسبت پوری جماعت کی جانب کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب اِس سکّہ کی ملکیت میں شریک تھے

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ

ترجمہ: ''اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں،(سورۂ ص، آیت 24)۔''

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے نہ صرف شراکت کا واضح ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ شراکت میں بسا اوقات ایک شریک دوسرے کے ساتھ کئی اعتبار سے خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے اور یہ کوشش بھی کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔روزمرہ میں اس قسم کے کئی معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں۔البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اس اَخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والے محفوظ و مامون رہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتے۔اگرچہ ایسے بلند کردار افراد کم ہی ہوتے ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ☆

ترجمہ: ''اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے، ایک غلام ہے، جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے، جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے، کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے۔تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان (مشرکین) میں سے

اکثر نہیں جانتے ، (سورۂ زمر، آیت: 29)۔"

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں کئی افراد کے درمیان غلام میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ غلامی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے فی زمانہ اِس کی عملی صورت نظر نہیں آتی۔

فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ

ترجمہ: "اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں، تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے، (سورۂ نساء، آیت: 12)۔"

سورۂ نساء کی مذکورہ آیتِ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے تمام ورثاء ترکہ میں اپنے اپنے حصے کے تناسب سے شریک ہوتے ہیں۔ اِس آیتِ کریمہ سے شرکتِ مِلک جبری کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

شرکت اور اَحادیثِ مبارکہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ رَفَعَهُ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا شریک ہوں، جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے، جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہے، (سنن ابی داوٗد، کتاب البیوع، باب فی الشرکۃ، رقم الحدیث: 3383)۔"

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَدُ اللّٰهِ مَعَ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَتَخَاوَنَا، فَإِذَا تَخَاوَنَا مُحِقَتْ تِجَارَتُهُمَا فَرُفِعَتِ الْبَرَكَةُ مِنْهَا

ترجمہ "نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ شریکین (دونوں شریکوں) کے

ساتھ رہتا ہے، جب تک خیانت نہ کریں پس اگر وہ خیانت کریں گے تو ان کی تجارت
مٹادی جائیگی اور اس میں برکت ختم ہو جائیگی، (سنن ابی داوٗد)۔''

مذکورہ بالا احادیث کریمہ سے نہ صرف شرکت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ شرکت میں جب تک خیانت نہ پیدا ہو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شاملِ حال رہتی ہے،
جس کی وجہ سے اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی خوب فائدہ ہوتا ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَنْ خَانَ شَرِیْکًا فِیْمَا ائْتَمَنَہُ عَلَیْہِ وَاسْتَرْعَاہُ لَہُ فَاِنَّہُ بَرِیْءٌ مِّنْہُ

ترجمہ: ''نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے شریک کے اس مال میں خیانت کی، جس میں اس کو امانت
اور حفاظت سپرد کی گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے بری ہیں، (بیہقی)۔''

قاضی شوکانی نے ابو منہال کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ:

اَنَّ زَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ وَالْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کَانَا شَرِیْکَیْنِ فَاشْتَرَیَا فِضَّۃً بِنَقْدٍ وَنَسِیْئَۃً فَبَلَغَ ذَالِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَھُمَا اَنَّ مَاکَانَ بِنَقْدٍ فَاَجِیْزُوْہُ وَمَاکَانَ بِنَسِیْئَۃٍ فَرُدُّوْہُ

ترجمہ: ''بے شک حضرت زید بن ارقم اور حضرب براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی
ہے کہ وہ دونوں (کاروبار میں) شریک تھے پس انہوں نے چاندی نقد اور ادھار طریقے پر
خریدی جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو
چاندی نقد طریقے پر خریدی ہے وہ تو جائز ہے البتہ ادھار والی واپس لوٹا دو، (مسند امام احمد بن
حنبل، حدیث زید بن ارقم، رقم الحدیث: 19828)۔''

مذکورہ بالا حدیث مبارک سے نہ صرف شرکتِ عقد کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بھی

معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کی خرید و فروخت نقد صورت میں ہو۔

شرکت کی اقسام:

بنیادی طور پر شرکت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) شرکتِ اِباح (Partnership in Free/ Common Property):

(۲) شرکتِ ملک (Joint/Absolute Ownership):

(۳) شرکتِ عقد (Contractual Partnership):

ذیل میں اِن میں سے ہر ایک کی تعریفات درج کی جا رہی ہیں۔

(۱) شرکتِ اِباح (Partnership in Free/ Common Property):

''شرکتِ اِباح'' کا معنیٰ یہ ہے کہ عام لوگوں کا کسی ایسی مباح چیز میں شریک ہونا جس چیز کا کوئی ایک مالک نہ ہو بلکہ تمام لوگوں کو یکساں طور پر اس کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ جیسے پانی، گھاس، آگ، معدنیات، شارع عام، پارک، نہریں اور مسجد وغیرہ۔ ان اشیاء کا استعمال تمام لوگوں کے لئے مباح (جائز) ہے، لہٰذا اگر چند افراد نے جنگل کی لکڑی کاٹنے میں شرکت کی ہو، تو شرعاً یہ درست نہیں ہوگی، بلکہ ہر ایک اپنی کاٹی ہوئی لکڑیوں کا انفرادی طور پر مالک ہوگا۔ بعض دیہاتی علاقوں میں کچھ جنگل یا چراگاہیں یا پانی کی نہریں، بارانی ندی نالے، قدرتی چشمے، قبرستان وغیرہ مشترک (Common) ہوتے ہیں، شہروں میں قبرستان اور پارک وغیرہ مشترک ہوتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی درجِ ذیل آیاتِ کریمہ سے شرکتِ اباحت کا ثبوت ملتا ہے:

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

ترجمہ: ”(اللہ) وہی ہے، جس نے تمہارے نفع کے لئے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا، (سورۂ بقرہ، آیت:29)۔“

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ط إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ☆

ترجمہ: ”اور جو کچھ زمینوں میں ہے، سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کردیا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں، (سورۂ جاثیہ، آیت:13)۔“

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ☆

ترجمہ: ”تمہارے لئے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کردیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے اور جب تک تم اِحرام میں ہو تمہارے لئے خشکی کا شکار حرام کردیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے حضور تم سب پیش کئے جاؤ گے،، (سورۂ مائدہ، آیت:96)۔“

اِن آیات کے علاوہ ایک حدیث شریف سے بھی شرکتِ اباحت کے جواز کا پتا چلتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

اَلْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: اَلْمَاءُ وَالْكَلَاءُ وَالنَّارُ

ترجمہ: ”مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی اور گھاس اور آگ، (سنن ابی داود، کتاب الاجارۃ، باب فی منع الماء، رقم الحدیث:3479)۔“

جن اَشیاء میں لوگوں کے درمیان شرکتِ اباحت ہوتی ہے، اُن میں ہر شخص اس

بات کا مجاز ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی اجازت کے بغیر جتنا چاہے اور جس وقت چاہے اُصول وضوابط اور عرف (Customery Practice) کے مطابق اُنہیں استعمال کرلے لیکن استعمال میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اُس مباح شئے کو کوئی ایسا نقصان نہ پہنچے جس سے دوسرے کے مفادات متاثر ہورہے ہوں۔

(۲) شرکتِ ملک (Joint/Absolute Ownership):

چند افراد کا مشترکہ طور پر کسی شئے کا مالک ہوجانا ''شرکتِ ملک'' کہلاتا ہے، جیسے دو یا دو سے زائد افراد کامل کر کوئی مکان یا دکان خریدنا، وراثت میں مشترکہ طور پر کئی افراد کا حصے دار ہونا یا ایک سے زائد لوگوں کو مشترکہ طور پر کوئی چیز بطور تحفہ ملے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں شرکت ملک کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

شركة الملك: هى كون الشئى مشتركاً بين اثنين فاكثر اى مخصوصاً بهما بسبب من أسباب الملك كاشتراء و اتهاب و قبول وصية و توارث أو بخلط اموالهم أو اختلاطها فى صورة لاتقبل التميز والتفريق كأن يشترى اثنان مثلاً مالاً او يهبهما واحد أو يوصى لهما و يقبلا أو يرثاه يصير ذالك مشتركاً بينهما و يكون كل منهما شريك الأخر فى هذاالمال و كذالك اذا خلط اثنان بعض ذخيرتهما ببعض أو انخرقت عدولهما فى هذا المال بوجه ما فاختلطت ذخيرة الاثنين ببعضها فتصير هذه الذخيرة المخلوقة والمختلطة بين الاثنين مالا مشتركاً.

ترجمہ: ''شرکتِ ملک: کسی شئے کا دو یا دو سے زائد لوگوں کے درمیان مشترک ہونا۔ اس شئے کا دو یا دو سے زیادہ کے ساتھ اَسبابِ ملک میں سے کسی سبب کی وجہ سے مخصوص ہونا مثلاً خریداری، قبولِ ہبہ، قبولِ وصیت، وراثت کے ذریعے یا سب کے مال کا مخلوط ہوجانا یا

ان کے اموال کا اس طرح مل جانا کہ تمیز وتفریق ممکن نہ ہو۔ مثلاً دوافراد نے ملکر ایک مال خریدا یا ان دونوں کو کسی نے ہبہ کیا یا ان دونوں کے لئے کسی نے وصیت کی اور ان دونوں نے قبول کرلیا یا وراثت میں انہیں حاصل ہوا ہو، تو یہ مال ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مال میں شریک ہونگے۔ اسی طرح اگر دواشخاص نے اپنے ذخیرے مخلوط کردیئے ہوں یا ان دونوں کے کسی دشمن نے موقع پاکر دونوں کے ذخیرے مخلوط کردیئے ہوں، تو یہ مخلوط ذخیرہ دونوں کا مالِ مشترک ہوگا یعنی اس مال پر دونوں کی شراکت قائم ہوجائیگی، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر:1060)۔"

ملکیت کے حصول کے ذرائع:

اسبابِ ملک درجِ ذیل ہے۔

(۱) خریداری (۲) قبولِ ہبہ (۳) قبولِ وصیت (۴) وراثت (۵) مال کو مخلوط کردینا (۶) مال کا مخلوط ہوجانا

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں حصولِ ملکیت کے تین اسباب درج کئے گئے ہیں، جن کو ذیل کے سطور میں تحریر کیا جارہا ہے:

حصولِ ملکیت کے تین اسباب ہیں:

(۱) ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقلی جیسے خرید وفروخت اور تبادلہ، تحفہ

(۲) جانشینی جیسے وراثت

(۳) کسی ایسی چیز کو جمع کر کے قبضہ میں لینا، جو مباح ہو اور اس کا کوئی مخصوص مالک نہ ہو (اُس پر شرکتِ اباحت کے تحت تمام لوگ شریک ہوں)۔ اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت تو حقیقی ہوتی ہے یعنی فی الحقیقت اس پر قبضہ کرکے اپنے ہاتھ میں لے لیا

جائے، دوسری صورت حکمی ہوتی ہے یعنی ایسے اسباب مہیا کرنا جن سے وہ شے جمع ہو کر قابو میں آجائے، مثلاً بارش کے پانی کو اکٹھا کرنے کے لئے کوئی برتن رکھ دیا جائے یا شکار کو قابو میں لانے کے لئے جال لگا دیا جائے، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر: 1248)۔

شرکتِ ملک کی اقسام:

شرکتِ ملک کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) شرکتِ ملک اختیاری (Voluntarily Joint Ownership)

(۲) شرکتِ ملک جبری (Joint Ownership per Force)

ہر ایک کی تعریف ذیل میں بیان کی جارہی ہے:

(۱) شرکتِ ملک اختیاری (Voluntarily Joint Ownership):

الشركة الاختيارية: الاشتراک الحاصل بفعل المشاركين كالاشتراک الحاصل فی صورة الاشتراء والاتّهاب و قبول الوصية و بخلط الأموال المحرره قبل

ترجمہ: ''شرکتِ اختیاری وہ شرکت ہے، جو شریک داروں کے اپنے اختیاری عمل سے پیدا ہوئی ہو، مثلاً دونوں نے مل کر ایک مال خریدا، ہبہ یا وصیت قبول کر لی یا اپنے مال کو جو پہلے علیحدہ علیحدہ تھے، خود باہمی رضامندی سے مخلوط (Mix) کر لیا، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر: 1063)۔''

(۲) شرکتِ ملک جبری (Joint Ownership per Force)

الشركة الجبرية: الاشتراک الحاصل بغير فعل المتشاركين كالاشتراک الحاصل فی صورتی التوراث و اختلاط المالين

ترجمہ: ''شرکتِ جبری سے مراد وہ شرکت ہے، جو شرکاء کے کسی فعل کے بغیر پیدا ہوگئی ہو، مثلاً بذریعہ وراثت یا کسی نے ان کے مال کو ان کی اجازت کے بغیر مخلوط کردیا ہو، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر:1064)۔''

مال کے مشترک ہونے کے اعتبار سے شرکتِ ملک کی قسمیں:

اس اعتبار سے شرکتِ ملک کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرکتِ دَین (Joint Ownership on Debt):

اس سے مراد یہ ہے کہ دو افراد کا کسی ایسی شئے میں شریک ہونا جو کسی کے ذمہ واجب الادا یعنی دَین ہو مثلاً دو افراد اپنا مکان کسی کو بیع مؤجل (Deferred Sale) کی بنیاد پر فروخت کریں، تو اب مکان کی قیمت میں وہ دونوں اپنے اپنے حصے کے تناسب سے شریک ہونگے۔

(۲) شرکتِ عین (Joint Ownership of Specific Property):

کسی معین (Specific) اور موجود مال میں شرکت ''شرکت العین'' کہلاتی ہے مثلاً گھر یا زمین یا جانور وغیرہ میں دو یا زائد افراد نے شرکت کی ہو۔

شرکتِ ملک کے تحت مالِ مشترکہ سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے:

جس طرح کوئی شخص اپنی انفرادی ملکیت میں ہر قسم کے جائز تصرف کا مجاز ہوتا ہے بالکل اسی طرح مالِ مشترکہ میں شرکاء باہمی اتفاقِ رائے سے مال پر ہر طرح کا جائز تصرف کرسکتے ہیں۔ فقہاءِ کرام نے عام طور پر شرکتِ ملک کے تحت مالِ مشترکہ سے منفعت حاصل کرنے کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں:

(ا) مہایاۃ(Partition):

اِس کے مطابق شرکاء آپس میں مالِ مشترکہ کو استعمال کرنے کا باہمی رضامندی سے کوئی طریقہ کار وضع کرلیتے ہیں، جس کے تحت فریقین مال کو ایک مقررہ مدت تک یا اُس کی مقررہ جگہ کو استعمال کرتے ہیں۔ مہایاۃ کی درجِ بالا وضاحت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اِس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) مہایاۃ فی الزمان(Partition by Time):

اگر مہایاۃ وقت کے تعین کے ساتھ ہو تو اسے ''مہایاۃ فی الزمان'' کہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک کار میں دو افراد شریک ہیں، دونوں آپس میں یہ طے کرلیتے ہیں کہ ایک ماہ کار کو ایک فریق استعمال کرے گا اور دوسرے ماہ دوسرا فریق۔

(ب) مہایاۃ فی المکان(Partition by Place):

اگر دن مقرر کرنے کی بجائے مالِ مشترک کے استعمال کے لئے حصے مقرر کرلئے جائیں تو یہ ''مہایاۃ فی المکان'' ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی مکان میں دو افراد شریک ہیں ،دونوں نے مشترکہ طور پر باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیا کہ مکان کا آدھا حصہ ایک فریق استعمال کرے گا اور دوسرا حصہ فریقِ ثانی یا دو منزلہ عمارت ہے تو یہ طے پا جائے کہ نیچے والی منزل ایک فریق استعمال کرے گا جبکہ اُوپر والی منزل دوسرا فریق۔

مشترکہ فائدہ حاصل کرنا:

مہایاۃ کے طریقۂ کار کے برعکس اس کے تحت مالِ مشترکہ کو شرکاء میں سے جسے ضرورت ہو، وہ استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک اہم بات یہ ہے کہ کوئی فریق اس شئے کو اِستعمال کرنے میں تعدی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا اور مالِ مشترک کو صرف انہیں اُمور میں

استعمال کرے، جن میں عام طور پر وہ استعمال ہوتا ہے۔ اگر کسی کے غلط استعمال کی وجہ سے مالِ مشترک کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو پھر نقصان پہنچانے والا نقصان کا ذمہ دار ہوگا یعنی نقصان کا ازالہ اُس کے ذمے لازم ہوگا، مثال کے طور پر ایک گاڑی میں دو افراد شریک تھے اور ان میں سے ایک نے گاڑی استعمال کے لئے لی اور اُسے ایسی جگہ کھڑی کر دی جہاں اُس کی حفاظت ممکن نہ تھی اور وہ گاڑی چوری ہوگئی تو استعمال کرنے والا ذمہ دار ہوگا۔

مشترکہ اِنتفاع میں ہر شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی مالِ مشترکہ کو استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شریک اپنی مرضی سے بالکل استعمال نہ کرے بلکہ دوسرا فریق ہی اُس کو استعمال کرے۔ البتہ اگر شرکاء کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ ہوگیا ہو کہ پورا استعمال کرنے والا اپنے دوسرے شریک کو اُس کے حصے کا کرایہ ادا کرے تو شرعی اعتبار سے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، جیسا کہ مروّجہ اسلامی بینکوں میں شرکتِ متناقصہ (Diminishing Musharkah) میں ہو رہا ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ اِسے شرکتِ متناقصہ کے تحت قدرے تفصیل سے بیان کیا جائیگا۔

شرکتِ ملک کو ختم کرنا:

شرکتِ ملک کو ختم کرنے کے متعدد طریقے ہیں، جن میں سے دو کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

خرید و فروخت:

کسی شئے میں دو یا دو سے زائد افراد شریک ہوں تو اِس شراکت کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ باہمی رضامندی کے ساتھ ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک سے فروخت کرے یا دوسرے شرکاء سے اُن کے حصے خرید لے، اس صورت میں فروخت کرنے

والی کی شراکت اُس شئے سے ختم ہو جائیگی۔

مشترک مال کی تقسیم:

تقسیم کے حوالے سے مالِ مشترک کی دو صورتیں ہوتی ہیں یعنی وہ مال قابلِ تقسیم ہے یا نہیں۔ اگر وہ قابلِ تقسیم ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ تقسیم کے بعد وہ قابلِ استعمال رہے گا یا نہیں؟۔ اگر وہ تقسیم کے بعد بھی استعمال کے قابل رہے گا تو پھر شرکاء باہمی رضامندی کے ساتھ اپنے اپنے حصے کا تعین کر کے شرکت کو ختم کر سکتے ہیں۔

لیکن اگر وہ تقسیم کے بعد استعمال کے قابل نہیں رہے گا یا تقسیم کے قابل ہی نہیں ہے تو پھر شرکت کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے سے اپنا حصہ فروخت کر دے یا خرید لے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی تیسرے شخص سے فروخت کر کے اپنے اپنے حصے کے تناسب سے قیمت کو آپس میں تقسیم کر لے۔

مالِ مشترکہ کی پیداوار:

مشترکہ مال اگر کوئی ایسی چیز ہے، جس سے پیداوار حاصل ہو رہی ہو، تو اُس پیداوار میں ہر شریک اپنے اپنے حصے کے تناسب سے شریک ہوگا۔ اگر کسی حصے دار نے اپنے حصے سے زائد لینے کی شرط عائد کر دی تو یہ صحیح نہیں ہوگی یعنی شرط پر عمل نہیں کیا جائیگا۔ مثلاً کسی پھل دار درخت یا کسی جانور میں شریک ہیں، تو درخت کے حاصل شدہ پھل اور جانور کے دودھ میں شرکاء اپنے اپنے حصہ کے تناسب سے ہی شریک ہونگے۔

(۳) شرکتِ عقد (Contractual Partnership):

شركة العقدِ عبارة عن عقد شركة بين اثنين فأكثر على كون رأس المال والرّبح مشتركاً بينهم

ترجمہ: ''شرکتِ عقد سے مراد دو یا دو سے زائد افراد کا اس بات پر معاملۂ شرکت کرنا ہے کہ سرمایہ بھی مشترک ہوگا اور نفع بھی تو یہ شرکتِ عقد کہلاتی ہے، (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مادّہ نمبر:1329)۔''

شرکتِ عقد کو آسان لفظوں میں یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایسی شرکت جو شرکاء میں باہم عقد کے تحت وجود میں آئی ہو مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں تمہارا شریک ہوں ،دوسرے نے کہا مجھے منظور ہے، تو ان دونوں کے درمیان شرکتِ عقد ہوگئی۔

شرکتِ عقد کے ارکان:

شرکتِ عقد کے ارکان ایجاب وقبول ہیں، جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

ركن شركة العقد الايجاب والقبول لفظا أو معنى مثلا اذا قال شخص لآخر شاركتك بقدر كذا قرشارأس مال على أن تاخذ و تعطى و قال الآخر قبلت فتكون الشركة منعقدة بالايجاب والقبول لفظاً واذا أعطىٰ شخص الف قرش لآخر قائلاً ضع أنت الف قرش واشتر مالاً و فعل الآخر مثل ما قال فتصير الشركة منعقدة بقبوله معنىً

ترجمہ: ''ایجاب وقبول لفظاً ہو یا معنیً، شرکتِ عقد کا لازمی رکن ہے، مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اتنے سرمایہ کے ساتھ میں نے تمہارے کاروبار میں شرکت کی لہذا تم لین دین کرو اور دوسرے نے جواب میں کہا کہ اچھا میں نے قبول کیا تو یہ لفظاً ایجاب وقبول ہوگیا اور شرکت قائم ہوگئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک ہزار روپے دیئے اور یہ کہا کہ تم بھی ایک ہزار روپے شامل کرو اور پھر مالِ تجارت خرید لو اور دوسرے شخص نے اس کے کہنے پر عمل کیا تو یہ معنیً قبول ہے اور شرکت قائم ہوگئی، (مادّہ نمبر :1330)۔''

شرکتِ عقد کی اقسام:

شرکتِ عقد کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں۔

(۱) شرکت بالمال(Partnership by Capital):

(۲)شرکت بالعمل(Partnership by work/ Services):

(۳)شرکتِ وجوہ(Partnership by Goodwill):

(۱) شرکت بالمال(Partnership by Capital):

شرکت بالمال سے مراد وہ شرکت ہے، جس میں شرکاءِ کاروبار نفع ونقصان کی بنیاد پر اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔

(۲)شرکت بالعمل(Partnership by work/ Services):

ایسی شراکت جس میں شرکاء مشترکہ طور پر اپنی خدمات ضرورت مندوں کو مہیا کرتے ہیں اور خدمات کے عوض ملنے والی رقم آپس میں طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں۔ اسے شرکۃ الابدان ، شرکۃ الصنائع کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔معاشرے میں شرکت بالعمل کی کئی صورتیں نظر آتی ہیں مثلاً کئی وکلاء کامل کر کنسلٹنٹ بورڈ قائم کرنا اور کلائنٹ کو اپنی خدمات دینا، اسی طرح درزیوں کا مشترکہ طور پر لوگوں کے کام لینا اور مشترکہ طور پر اُنہیں کرنا اور اساتذہ کا ٹیوشن سنٹر قائم کر کے طلباء کو تعلیم دینا وغیرہ۔

شرکت بالعمل کے بارے میں چند اہم مسائل:

(الف) شرکتِ اعمال کسی کے کام کرنے کی قبولیت میں شرکت کو کہتے ہیں، جس میں شرکت قائم کرنے والے دو یا دو سے زائد اجیر (خدمات فراہم کرنے والے) اس عہد و التزام کے ساتھ شرکت قائم کرتے ہیں کہ لوگوں کی طرف سے جو کام کرنے کو ملے گا وہ مل کر

اُسے کرینگے۔البتہ کام کرنے کی مقدار میں برابری بھی ہوسکتی ہےاور کمی بیشی بھی یعنی طے کیا جاسکتا ہے کہ تمام شریک برابر کام کرینگے یا ایک شریک ایک تہائی اور دوسرا دو تہائی۔یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مہارت و تجربے کا اعتبار کرتے ہوئے یہ طے کرلیا جائے کہ فلاں کام ایک شریک سرانجام دے گا اور دوسرا شریک کوئی اور کام۔

(ب) منافع کی تقسیم شرکاء میں باہمی رضامندی کے ساتھ پہلے سے طے شدہ فیصد یا تناسب کے مطابق ہوگی۔یعنی اگر برابر برابر تقسیم کا معاہدہ ہوا ہو،تو منافع برابر برابر ہی تقسیم ہوگا اور کم وبیش کی صورت میں اُس کے مطابق۔

منافع کی تقسیم میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کام تو برابر کرے لیکن منافع کم وبیش ہو،تو یہ بھی جائز ہے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک کاریگر زیادہ ماہر ہو اور دوسرا کم۔

(ج) ہر ایک شریک کو کام کے قبول کرنے اور دوسروں سے معاہدہ کرنے کا اختیار ہوگا اور یہ بھی جائز ہوگا کہ کام ایک قبول کرے اور دوسرا اس کام کو انجام دے۔

کام کے قبول کرنے میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اگر ایک شریک نے کام قبول کرلیا تو دوسرے پر بھی اس کی تکمیل لازمی ہوگی۔اسی طرح کام کی ذمہ داری کے اعتبار سے شرکت اعمال عنان ہو پھر بھی شرکت مفاوضہ کے حکم میں ہوتی ہے۔ایک شریک نے جو کام قبول کرلیا اس کو پورا کرنے کی ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے۔گاہک کو اختیار حاصل ہے کہ دونوں سے یا دونوں میں کسی ایک سے کام کی تکمیل کا مطالبہ کرے۔اور وہ شریک پابند ہوگا کہ اس کے مطالبہ پر کام مکمل کرے لہذا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے میرے شریک نے قبول کیا تھا لہذا میں نہیں کروں گا۔

شرکت اعمال میں معاوضہ کی وصولی کے اعتبار سے عنان بھی مفاوضہ کے حکم میں ہوتی ہے

اس لئے دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کو گاہک سے پوری اُجرت مانگنے کا اختیار حاصل ہے لہذا گاہک نے کسی بھی شریک کو اجرت ادا کردی تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

(د) جس شریک نے کام قبول کیا ہے اسے ہی کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ چاہے خود کرے یا اپنے شریک سے یا کسی سے یہ کام کرائے۔ ہاں اگر گاہک نے خود اسی کے کام کرنے کی شرط عائد کردی ہو، تو پھر اسی پر کام کا کرنا لازم ہوگا۔

(ر) چونکہ شرکاء کے درمیان کام کی ذمہ داری لینے کا معاہدہ ہوتا ہے لہذا دونوں شریک اس بناء پر اجرت کے مستحق ہونگے۔ اس اُصول کی بنیاد پر اگر ایک شریک نے کام کیا لیکن دوسرا شریک کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے کام نہ کرسکا۔ تو پھر بھی منافع اور اجرت کی تقسیم طے شدہ تناسب ہی سے ہوگی یعنی یہ نہیں ہوگا کہ کام نہ کرنے والا شریک حصہ سے محروم ہو جائے۔

(ز) اگر کسی شریک کی وجہ سے گاہک کے مال میں کوئی عیب پیدا ہو گیا یا مال ضائع ہو گیا تو ذمہ داری دونوں شریکوں پر ہوگی اور گاہک کو اختیار حاصل ہوگا کہ جس شریک سے چاہے اپنا نقصان وصول کرے اور شرکاء منافع میں اپنے اپنے حصے کے تناسب سے نقصان برداشت کرینگے یعنی اگر منافع نصف نصف طے پایا تھا تو نقصان بھی نصف نصف ہی دونوں پر عائد ہوگا یعنی نفع جس تناسب/فیصد سے طے پایا اسی تناسب/فیصد سے نقصان بھی برداشت کرینگے۔

شرکتِ اعمال کی چند صورتیں:

(الف) اگر دو افراد شرکتِ اعمال اس طریقے سے کریں کہ دوکان ایک کی ہو اور آلات اور اوزار دوسرے کے تو یہ بھی صحیح ہے۔

(ب) اسی طرح دو افراد نے ملکر ایسی شرکتِ صنائع قائم کی کہ دوکان ایک کی اور کام دوسرا

کرے گا تو یہ بھی صحیح ہے۔

(ج) اگر دو افراد نے ایک شرکتِ اعمال قائم کی، ایک کے پاس ایک ٹرک اور دوسرے کے پاس ایک سوزوکی ہے اور دونوں مشترکہ مال کے نقل وحمل کا ٹھیکہ لیں گے اور اُجرت آدھی آدھی تقسیم ہوگی، تو یہ بھی درست ہے۔

(۳) شرکتِ وجوہ (Partnership by Goodwill):

شرکت وجوہ یہ ہے کہ شرکاء اپنی ساکھ (Goodwill) اور تعلقات کی وجہ سے اشیاءِ تجارت دکانداروں سے اُدھار خرید کر نقد قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں اور حاصل شدہ منافع آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں۔ مارکیٹ میں عام طور پر اس قسم کے کاروبار کا بہت زیادہ رواج ہے کیونکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے پاس آرڈر تو ہوتا ہے لیکن پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کاروبار نہیں کر پاتے لہذا شریعت نے ان کے فائدے کے لئے اس طرح کے کاروبار کی اجازت دی تا کہ وہ بھی معاشی معاملات میں حصہ ڈال سکیں۔ اس طرح کے معاملے میں عام طور پر منافع کی شرح کم ہوتی ہے۔

شرکتِ وجوہ کے متعلق چند اہم مسائل:

(الف) مال میں برابری شرط نہیں:

شرکتِ وجوہ میں خریدے ہوئے مال میں تمام شرکاء کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کا حصہ ایک تہائی اور کسی کا دو تہائی یا اس کے علاوہ کسی اور تناسب سے ہوسکتا ہے۔

(ب) قیمت کی ادائیگی:

خریدے ہوئے مال کی قیمت کی ادائیگی ہر شریک پر اس طرح ہوگی کہ جس نے

جتنا مال خریدا ہے وہی اُس کی قیمت کی ادئیگی کرے گا۔

(ج) نفع ونقصان کی تقسیم:

شرکتِ وجوہ میں نفع کی تقسیم کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ ہر شریک اپنے خریدے ہوئے مال کے تناسب سے منافع میں حصہ دار ہوگا لہذا اگر کسی کو زائد حصہ ملنے کی شرط لگائی گئی تو شرکت جائز ہے لیکن شرط لغو قرار دی جائیگی یعنی نافذ العمل نہیں ہوگی۔

مثلاً مال میں حصہ آدھا آدھا تھا تو نفع بھی آدھا آدھا ہی تقسیم ہوگا اور اگر خرید شدہ مال میں حصہ ایک تہائی اور دو تہائی ہو، تو نفع کی تقسیم بھی ایک تہائی اور دو تہائی کے اعتبار سے ہوگی۔ اگر مال میں حصہ برابر ہو اور شرط لگا دی جائے کہ ایک شریک کو زائد نفع ملے گا تو یہ شرط لغو ہوگی اس کا اعتبار نہیں ہوگا، نفع برابر برابر ہی تقسیم ہوگا۔

شرکتِ وجوہ میں منافع لینے کا حق ذمہ داری میں شرکت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو ہر شریک مال میں اپنے حصے کے تناسب سے نقصان اُٹھائے گا، چاہے خریداری ایک نے کی ہو یا دونوں نے مل کر۔ مثلاً شرکت وجوہ کے دو شراکت داروں نے خریدے ہوئے مال میں آدھا آدھا حصہ ملایا تو، اب اگر خریداری یا فروخت میں نقصان ہو گیا تو یہ نقصان دونوں پر نصف نصف ہی عائد ہوگا۔ اور اگر مال میں حصہ ایک تہائی اور دو تہائی تھا تو نقصان بھی بالترتیب ایک تہائی اور دو تہائی ہی تقسیم ہوگا۔ چاہے دونوں نے مل کر مال خریدا اور فروخت کیا ہو یا ان میں سے کسی ایک نے شرکت کے لئے مال خریدا اور فروخت کیا ہو۔

شرکتِ عقد کی ایک اور تقسیم:

شرکتِ عقد کی مندرجہ بالا تینوں اقسام میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرکتِ مفاوضہ (Partnership with Equal Rights and :

Resposibilities)

(۲) شرکتِ عنان (Partnership with Un-equal Rights and Responsibilities):

ہر ایک کی تعریف درج کی جارہی ہے۔

(۱) شرکتِ مفاوضہ (Partnership with Equal Rights and Responsibilities) :

شرکتِ مفاوضہ یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل و کفیل ہو یعنی ہر ایک کا مطالبہ دوسرا وصول کرسکتا ہو اور ہر ایک پر جو مطالبہ ہو دوسرا اس کی طرف سے ضامن یعنی ذمہ دار ہو۔ شرکتِ مفاوضہ میں مال نفع ونقصان اور تصرف و دین میں شرکاء مساوی ہوتے ہیں، لہٰذا آزاد غلام، بالغ و نابالغ اور مسلمان و کافر میں شرکتِ مفاوضہ نہیں ہوسکتی ہے۔ شرکت کی یہ قسم عام طور پر نہیں ہوتی کیونکہ اس کی شرائط کو پورا کرنا بہت مشکل ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

فاذا عقد اثنان أو أکثر الشرکة بینهما علی المساواۃ التامة

ترجمہ: ''وہ شرکتِ عقد، جس میں (سرمایہ اور نفع) دونوں میں شرکاء کے درمیان مکمل برابری ہو، (مادّہ نمبر: 1331)۔''

(۲) شرکتِ عنان (Partnership with Un-equal Rights and Responsibilities):

شرکتِ عنان سے مراد یہ ہے کہ شرکاء کاروبار کسی خاص نوع کی تجارت یا کسی بھی قسم کی تجارت میں شرکت کرتے ہیں، مگر ہر ایک دوسرے کا ضامن نہیں ہوتا صرف دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

واذا عقدوا الشركة بلاشرط المساواة التامة فتكون الشركة عنانا

ترجمہ: شرکاء نے سرمایہ ومنافع میں برابری کی شرط کے بغیر شرکت قائم کی تو یہ شرکتِ عنان ہے

مشارکہ :

اس سے پہلے شراکت کی مختلف اقسام کی تعریفات نہایت اختصار کے ساتھ بیان کی گئیں ہیں، اب شراکت کی اس قسم کی وضاحت کی جارہی ہے، جسے اسلامی بینکوں میں بطور تمویل (Mode of Finance) کے استعمال کیا جارہا ہے۔ اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والا یہ طریقہ، جسے مشارکہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے دراصل شرکت العقد کی قسم ''شرکتِ عنان'' کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس کے مطابق بینک اور کلائنٹ/کلائنٹس مشترکہ طور پر کسی کاروبار کو چلانے کے لئے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور منافع آپس میں پہلے سے طے شدہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں جبکہ نقصان اپنے لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرتے ہیں۔ منافع کی تقسیم کے بارے میں تفصیلی وضاحت ذیل میں دی جائیگی۔

اسلامی بینکاری نظام اور مشارکہ:

اسلامی بینکوں میں مشارکہ مختلف النوع مختصر میعادی (Short Term)، درمیانی (Mid Term) اور طویل المیعادی (Long Term) کاروبار میں استعمال کیا جارہا ہے۔

طویل المیعاد مشارکہ:

مشارکہ کی اس قسم میں اسلامی بینک کسی پروجیکٹ میں منافع کے حصول کے لئے

سرمایہ کاری کرتا ہے۔ اس میں مدّت کا تعیّن نہیں ہوتا، البتہ شرکاء اپنی صوابدید پر اسے بڑھا سکتے ہیں۔ اس قسم کا مشارکہ طویل المیعاد سرمایہ کاری کے لئے مناسب ہوتا ہے۔

شرکتِ متناقصہ(Diminishing Musharakah):

یہ مشارکہ کی جدید ترین شکل ہے، جسے اسلامی بینکوں میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ دراصل شرکتِ ملک اور اجارہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس کے مطابق اسلامی بینک اور اس کا کلائنٹ کسی جائداد یا مشینری کے شرکت ملک کے تحت مشترکہ طور پر مالک بن جاتے ہیں۔ اس جائداد یا مشینری کو یونٹس میں تبدیل کرلیا جاتا ہے، ساتھ ہی بینک اپنا حصہ کلائنٹ کو اِجارہ پر دے دیتا ہے، اس کے علاوہ بینک کلائنٹ سے اس بات کا یقین حاصل کرتا ہے کہ وہ بینک سے اس کے یونٹس پہلے سے طے شدہ اُصول وضوابط کے مطابق ایک ایک کر کے خریدے گا جوں جوں یونٹس کی تعداد کم ہوتی جائیگی، اجارہ کی مدمیں کرایہ کی رقم میں بھی کمی آتی جائیگی۔ یہاں تک کے بینک کا حصہ کم ہوتے ہوتے جائداد کی ساری ملکیت کلائنٹ کو منتقل ہو جائیگی۔ اور بالآخر کلائنٹ اس شئے کا واحد مالک بن جائیگا۔ اس طریقہ کار کو ہاؤس فنانسنگ میں بڑی کامیابی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔

شرکتِ متناقصہ کے مراحل:

شرکتِ متناقصہ کی درجِ بالا وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل تین قسم کے معاملات پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں سے ہرایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ وہ معاملات درجِ ذیل ہیں:

(۱) شرکت الملک اختیاری (۲) اِجارۃ الاعیان (۳) خرید وفروخت

ان میں سے ہر ایک شرائط اور اُصول وضوابط ان کے متعلقہ ابواب میں بیان کئے جا چکے

ہیں۔

شرکتِ عقد میں نفع ونقصان کی تقسیم:

منافع کی تقسیم:

مشارکہ میں منافع کی تقسیم شرکاء کے درمیان پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے مطابق کی جاتی ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شرکاء اپنے لگائے گئے سرمایہ (Capital) کے تناسب سے ہی منافع تقسیم کریں، بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ باہمی رضامندی کے ساتھ جو بھی شرح منافع چاہے متعین کرلیں۔ مثلاً دو افراد نے ملکر ایک کاروبار شروع کیا جس میں ایک نے 60% فیصد اور دوسرے نے 40% فیصد حصہ ملایا تو اب وہ منافع کی تقسیم کا طریقۂ کار درجِ بالا میں سے کسی ایک طرح سے طے کرسکتے ہیں:

(۱) دونوں نصف نصف لینگے،

(۲) اپنے لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے حصہ لینگے یعنی پہلا 60% فیصد اور دوسرا 40% فیصد لے گا۔

(۳) باہمی رضامندی کے ساتھ کسی دوسرے تناسب یا فیصد پر اتفاق کرلیں۔

واضح رہے کہ اُوپر بیان کردہ طریقۂ کار اُس وقت اختیار کیا جائے گا، جب تمام شرکاء کاروبار کے انتظام وانصرام میں عملی طور پر حصہ لے رہے ہوں یعنی شریک عامل ہوں۔ اگر کوئی شریک غیر عامل (Sleeping Partnership) کے طور پر شریک ہوتو پھر ضروری ہے کہ اس کا منافع میں حصہ اس کے لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے زیادہ نہ ہو، جیسے زید اور عمرو نے ملکر ایک کاروبار شروع کیا جس میں عمرو نے 55 فیصد سرمایہ کاری کی۔ زید اس کاروبار میں عملی طور پر شامل ہے، جبکہ عمرو بطور غیر عامل اس میں شامل ہے لہذا اب

منافع میں سے عمرو 55 فیصد سے زائد حصہ نہیں لے سکتا۔ فرض کریں کاروبار میں 1000 ہزار روپے کا منافع ہوا تو اس منافع میں عمرو کا حصہ 550 روپے سے زائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ غیر عامل ہے۔

نقصان کی تقسیم:

شراکت میں نقصان کی تقسیم کا طریقہ منافع کی تقسیم سے مختلف ہے۔ شرعی لحاظ سے نقصان کی صورت میں ضروری ہے کہ ہر شریک اپنے لگائے گئے سرمایہ کے تناسب / فیصد کے مطابق نقصان برداشت کرے۔ آپس کی رضامندی سے نقصان میں تناسب مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً زید، عمرو اور بکر نے مل کر لاکھ روپے سے مشترکہ کاروبار شروع کیا، جس میں زید کا حصہ 40000، عمرو کا حصہ 35000 اور بکر کا حصہ 25000 ہزار روپے ہے۔ کاروبار کے اختتام پر معلوم ہوا کہ کاروبار میں 10000 ہزار روپے کا نقصان ہوا، تو اس صورت میں شرعی قاعدے کے مطابق زید 4000، عمرو 3500 اور بکر 2500 روپے کا نقصان برداشت کرینگے۔

☆☆☆
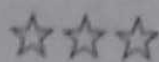
باب......۱۰

مضاربت:Mudarabah

مضاربت کی تعریف:

مضاربت کا لفظ ''ضرب فی الارض'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ ''زمین پر پھرنا اور گشت کرنے'' کے ہیں۔اس معاہدے کو مضاربت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار کرنے والا نفع حاصل کرنے کی غرض سے مختلف زمین پر سفر کرتا ہے اور محنت و کوشش کرتا ہے۔بعض فقہاء اسے ''مقارضہ'' بھی کہتے ہیں، جس کی اصل لفظ قرض بمعنیٰ ''قطع (کاٹنے) کے ہے۔چونکہ صاحب مال اپنا کچھ مال کاٹ کر مضارب (یعنی کاروبار کرنے والے) کو دیتا ہے،اس لئے یہ مقارضہ اور قراض کہلاتا ہے۔

مضاربت شرکت کی ایک ایسی قسم ہے، جس میں فریقین میں سے ایک سرمایہ فراہم کرتا ہے، جبکہ دوسرا اُس سے کاروبار کرتا ہے اور اپنی مہارت و محنت استعمال کر کے منافع حاصل کرتا ہے اور منافع کو پہلے سے طے شدہ تناسب کے مطابق دونوں آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔سرمایہ لگانے والے کو ''رب المال یا صاحب المال'' اور محنت کرنے والے کو ''مضارب یا صاحب العمل'' کہتے ہیں، جبکہ کاروبار میں لگائے گئے سرمایہ کو ''راس المال یا مالِ مضاربت'' کہتے ہیں۔

مضاربت کی ضرورت:

مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''بہارِ شریعت'' میں مضاربت کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کو مضاربت کی

ضرورت پڑتی ہے کیونکہ مالیاتی اعتبار سے انسان مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض دولت مند ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن کاروبار چلانے کا تجربہ نہیں ہوتا اور بہت سے غریب ایسے ہوتے ہیں، جن کو تجارتی کاروبار کو دیانت کیساتھ چلانے کا سلیقہ تو ہوتا ہے مگر وہ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے کاروبار نہیں کر سکتے۔ لہذا دونوں کو جائز دولت کمانے اور خصوصا سرمایہ سے محروم کو اپنی محنت کا پھل لینے کے لئے حسن سلوک اور امداد باہمی کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ صاحب مال کسی دوسرے شخص کو تحفظِ سرمایہ کے اطمینان کے ساتھ اپنا مال حوالے کر دے اور اس کو موقع دے کہ وہ کاروبار کر کے نہ صرف خود فائدہ حاصل کرے، بلکہ اسے بھی فائدہ دے۔

فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ ایک بڑے تاجر کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنا کچھ سرمایہ مضاربت میں بھی لگائے تاکہ غریبوں کا بھی فائدہ ہو اور مجموعی طور پر ملت اسلامیہ معاشی ترقی کرے۔

مضاربت کی مشروعیت:

فقہاءِ کرام نے مضاربت کے جواز کو سورۂ جمعہ کی درجِ ذیل آیتِ کریمہ سے ثابت کیا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ☆

ترجمہ: ”پھر جب نماز پڑھ لی جائے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو، (سورۂ جمعہ، آیت: 10)۔“

علماءِ کرام نے فرمایا کہ چونکہ مضارب بھی مضاربت کا مال لے کر زمین پر سفر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے لہذا یہ معاملہ جائز ہے۔ لہذا اس آیتِ کریمہ کے لفظِ ”فضل“

سے مضاربت کے جائز ہونے کا پتا چلتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال مضاربت کے اصول تحت ہی شام کی منڈی میں فروخت کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس طرح کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا، نیز حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت حکیم ابن حزام، حضرت جابر بن عبداللہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر عمل پیرا رہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک یتیم کے مال کو مضاربت پر لگا کر اُس سے منافع حاصل کیا، جس کی وجہ سے یتیم کے مال میں اضافہ ہوا۔

اصطلاحاتِ مضاربت:

۱۔ ربّ المال یا صاحبِ مال **(Capital Provider)**

۲۔ مضارب یا صاحبِ عمل **(Fund Manager)**

۳۔ رأس المال یعنی سرمایہ **(Capital)**

ایجاب وقبول:

کاروبار کے دوسرے معاہدوں کی طرح شرکتِ مضاربت میں بھی فریقین کے درمیان لفظی یا معنوی ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔ باقاعدہ ایجاب وقبول کے بغیر مضاربت درست نہیں۔

مضاربت کی اقسام:

مضاربت کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

(۱)مضاربتِ مطلقہ (Un-Restricted Mudarabah):

(۲)مضاربتِ مقیدہ(Restricted Mudarabah):

(۱)مضاربتِ مطلقہ (Un-Restricted Mudarabah):

ایسی مضاربت جس میں زمان ومکان کی کوئی قید نہ ہو اور نہ ہی رب المال کی طرف سے مضارب کو کسی خاص قسم کی تجارت کے لئے پابند کیا گیا ہو بلکہ ربّ المال نے مطلق سرمایہ فراہم کیا ہو کہ اس سے جو چاہو تجارت کرو اور نفع میں دونوں کی مقررہ تناسب سے شرکت ہوگی، مضاربتِ مطلقہ کہلاتی ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں مضاربتِ مطلقہ کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

المضاربة المطلقة هی التی لا تتقید بزمان ولا مکان ولا نوع تجارة ولا بتعین بائع ولا مشتر

ترجمہ:''مضاربتِ مطلقہ وہ ہوتی ہے، جس میں زمانہ، مقام، کسی خاص قسم کی تجارت اور متعین فروخت کنندہ وخریدار کی قید نہ ہو، (مادّہ نمبر:1407)۔''

مضاربتِ مطلقہ میں مضارب کو ہر قسم کے حلال کاروبار کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور مضارب ہر اس طریقے کو اپنا سکتا ہے، جسے عرفِ عام میں تاجر حضرات سرانجام دیتے ہیں۔لیکن اگر کسی اور کو یہ سرمایہ مضاربت پر دینا چاہتا ہے اور اس سے شراکت کرنے کا متمنی ہے تو ربّ المال سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے، اسی طرح مضاربت کے مال میں اپنا مال ملانے کے لئے بھی رب المال کی اجازت ضروری ہے۔مضاربت مطلقہ میں مضارب اپنی مرضی سے مضاربت کے لئے سفر بھی کرسکتا ہے،لیکن سفر اس وقت کرسکتا ہے جب بظاہر کوئی خطرہ نہ ہو، اور اگر راستہ خطرناک ہو تو مضاربت کا مال اس راستہ سے نہیں لے جاسکتا

وگرنہ مضارب ضامن ہوگا۔

(۲) مضاربتِ مقیدہ (Restricted Mudarabah):

اگر ربّ المال کی طرف سے مضارب کو کسی مخصوص کاروبار یا مخصوص جگہ میں کاروبار کرنے کا پابند کردیا گیا ہو تو یہ مضاربتِ مقیدہ کہلاتی ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ صرف لاہور میں کاروبار کیا جائے اور سرمایہ کاری صرف ٹیکسائل مل میں کی جائے تو اب مضارب پر یہ لازم ہے کہ وہ ربّ المال کی بتائی ہوئی جگہوں میں اور کاروبار میں سرمایہ لگائے وگرنہ نقصان کی صورت میں مضارب ضامن ہوگا۔

مجلّہ میں ہے کہ:

وإذا تقيدت بواحد من هذه فتكون مضاربة مقيدة

ترجمہ: ''مضاربت میں اگر (درجِ بالا میں سے) کوئی قید لگادی جائے تو وہ مضاربتِ مقیدہ ہے۔''

مضاربت اور اُس کی قسموں کی تعریفات کے بعد ربّ المال، مضارب اور رأس المال کے احکام درج کیے جارہے ہیں:

(الف) ربّ المال/صاحب المال کے احکام:

☆ مضاربت میں چونکہ ربّ المال سرمایہ فراہم کرنے والا ہوتا ہے، لہذا تکمیلِ معاہدہ کے بعد ضروری ہے کہ وہ سرمایہ مضارب کے حوالے کردے۔

☆ سرمایہ کی سپردگی کے بعد ربّ المال کا سرمایہ پر کوئی عمل دخل نہ ہوگا، البتہ رب المال اطمینان قلبی کے لئے نگرانی کرسکتا ہے۔

☆ ربّ المال مضارب کی اجازت کے بغیر کام میں حصہ نہیں لے سکتا۔

(ب) مضارب/صاحب العمل کے متعلق احکام:

شرکتِ مضاربت میں مضارب کی مختلف حیثیت ہوتی ہیں، جنہیں ذیل میں

بیان کیا جا رہا ہے:

☆ جب ربّ المال سرمایہ مضارب کے حوالے کرتا ہے، تو مضارب کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے یعنی اس کے پاس سرمایہ امانت کے طور پر ہوتا ہے۔ امین کی حیثیت سے مضارب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سرمایہ کی ہر ممکن حفاظت کرے البتہ اگر سرمایہ اس کی کسی کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے سرمایہ کی حفاظت میں کوتاہی کی اور سرمایہ ضائع ہو گیا تو اس کی غلطی ثابت ہو جانے پر اسے ضامن یعنی نقصان کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

☆ جب مضارب سرمایہ کو تجارت میں لگا دیتا ہے تو اب اس کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، لہذا بحیثیت وکیل اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی بیان کردہ ہدایت کے مطابق سرمایہ کاری کرے اور کسی بھی مرحلہ میں ربّ المال سے کئے گئے معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

☆ سرمایہ کاری کی وجہ سے اگر کاروبار میں منافع حاصل ہوا ہو، تو پھر مضارب منافع میں شریک ہوگا اور پہلے سے طے شدہ تناسب سے اپنا حصہ لینے کا حقدار ہوگا۔

☆ اگر مضارب نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کاروبار کیا جس کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو وہ غاصب کہلائے گا اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

☆ کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہو گئی تو مضاربت اجارہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور مضارب کی حیثیت ایک اجیر کی مانند ہوگی۔ اب مضارب کو نفع جو مقرر ہوا ہے وہ نہیں ملے گا بلکہ اجرت مثل ملے گی چاہے نفع اس کام میں ہو یا نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ یہ اجرت مضاربت کے نفع سے زائد نہ ہو۔

۳۔ سرمایہ کے متعلق احکام:

☆ رأس المال معلوم ہو یعنی اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو لہذا اندازے سے متعین کیے گئے رأس المال میں مضاربت درست نہیں۔

☆ مضاربت کی درستگی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رأس المال مکمل طور پر مضارب کے سپرد کر دیا گیا ہو اور ربّ المال کا اس میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ ہو (جیسا کہ ربّ المال کے احکام میں ذکر کیا گیا)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رأس المال مضارب کے پاس امانت کے طور پر ہوتا ہے تو جس طرح مالِ امانت کو امین کے حوالے کرنا ضروری ہے ایسے ہی رأس المال کو مضارب کے سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مضاربت میں رأس المال ربّ المال کی جانب سے ہوتا ہے اور مضارب اُس سرمایہ سے کاروبار کرتا ہے لہذا سرمایہ پر اُس کا مکمل قبضہ ہو تاکہ وہ اپنی صوابدید پر اُسے مکمل آزادی کے ساتھ استعمال کرے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔

☆ رأس المال کرنسی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور عروض یعنی سامان کی صورت میں بھی

☆ رأس المال اگر عروض یعنی سامان کی صورت میں ہے تو ضروری ہے کہ ابتدا ہی میں اس کی بازاری قیمت (Market Value) کا تعین کر لیا جائے تاکہ بعد میں فریقین (ربّ المال اور مضارب) کے درمیان کوئی تنازع (Dispute) نہ ہو۔

(د) نفع ونقصان کے اَحکام:

☆ شرکتِ عقد کی طرح مضاربت میں بھی یہ ضروری ہے کہ باہمی رضامندی کے ساتھ منافع میں حصے کی شرح فیصد یا تناسب شروع ہی میں طے کر لی جائے۔

☆ منافع اس طریقے سے طے کرنا ناجائز ہے کہ مضارب یا ربّ المال منافع میں سے مثلاً 4000 روپے لے گا اور باقی دوسرا۔ اسی طرح سرمایہ متعین تناسب کے ساتھ اسطرح مقرر کرنا کہ سرمایہ کا 40 فیصد منافع ربّ المال کا اور باقی مضارب کا تو یہ بھی درست نہیں ہے۔

☆ نقصان کی صورت میں سارا نقصان ربّ المال برداشت کریگا اور مضارب صرف اپنی محنت کے ضائع ہونیکا نقصان برداشت کریگا یعنی اسے اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

☆ لیکن اگر نقصان مضارب کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہو، تو پھر نقصان مضارب ہی برداشت کرے گا۔

عقدِ مضاربت کا اختتام:

اگر مضاربت کے لئے وقت معین ہو تو وقت کے گذرتے ہی عقدِ مضاربت ختم ہو جائیگی کیونکہ یہ معاملۂ وکالت کی طرح ہے لہذا وکالت کی طرح مضاربت بھی وقت کے گذرنے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر سرمایہ کار نے مضارب کو کسی وجہ سے معزول کر دیا ہو تو جیسے ہی مضارب کے علم میں آئیگا مضاربت ختم ہو جائیگی۔

مضاربت اور اسلامی بنکاری نظام:

اسلامی بنکوں میں مرابحہ اور اجارہ کی طرح مضاربت کو ایک اہم پروڈکٹ کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ مضاربت میں کبھی بنک ربّ المال بنتا ہے اور کبھی اپنے کلائنٹ سے سرمایہ لیکر مضارب کا کردار ادا کرتا ہے۔ عام طور پر بنک مضارب کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیتا ہے۔ جس میں بنک اپنے کلائنٹ سے مضاربت مطلقہ کے معاہدے کے تحت رقم حاصل کر کے اس سے مختلف قسم کے شرعی کاروبار کرتا ہے اور نفع کو پہلے سے طے شدہ تناسب سے آپس میں تقسیم کر لیتا ہے۔ ذیل میں اسلامک بنک کی مختلف حیثیت کے حوالے سے مراحل بیان کئے جارہے ہیں۔

بنک بحیثیت ربّ المال:

بنک ربّ المال کی حیثیت سے مندرجہ ذیل طریقے سے مضاربت کرتا ہے:

☆ بنک کلائنٹ سے تجارت کی نوعیت کے متعلق تمام شرائط طے کر لینے کے بعد اسے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور اس طرح بنک اور کلائنٹ کے درمیان معاہدۂ مضاربت کی رو سے بالترتیب ربّ المال اور مضارب کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

☆ کلائنٹ (مضارب) بنک کے فراہم کردہ سرمایہ کو معاہدے کے مطابق مختلف قسم کے شرعی کاروبار میں لگاتا ہے۔

☆ کاروبار کے اختتام پر نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ منافع کی صورت میں بنک اور کلائنٹ منافع کو پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں۔ اور نقصان کی صورت میں تمام نقصان بنک (ربّ المال) براداشت کرتا ہے اور کلائنٹ صرف اپنی محنت کا معاوضہ نہ ملنے کا نقصان برداشت کرتا ہے۔

بنک بحیثیت مضارب:

☆ اس کے مطابق بنک اور کلائنٹ کے درمیان تمام شرائط طے پا جانے کے بعد کلائنٹ ربّ المال کی حیثیت سے بنک کو سرمایہ فراہم کر دیتا ہے اور اس طرح دونوں کے درمیان بالترتیب ربّ المال اور مضارب کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

☆ بنک مضارب کی حیثیت سے سرمایہ کو مختلف شرعی اُصولوں کے مطابق قابلِ نفع اور حلال پروجیکٹ میں لگاتا ہے۔

☆ کاروبار میں نفع ہوتا ہے یا نقصان۔ نفع کی صورت میں بنک اور کلائنٹ آپس میں پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد سے منافع تقسیم کر لیتے ہیں عام طور پر بینک کا حصہ تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ نقصان کی صورت میں سارا نقصان کلائنٹ، جو ربّ المال ہے برداشت کرتا ہے۔

☆☆☆

باب......١١

مزارعت (Crop Sharing) و مساقات (Watering)

مزارعت یا مخابرہ (Crop Sharing/ A Partnership in production of Land)

رزقِ حلال کے حصول کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ کھیتی باڑی بھی ہے۔ زراعت کے ذریعے نہ صرف انسانوں کی غذائی اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ دوسرے جاندار بھی اِس سے اپنی کئی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کا تذکرہ کیا ہے، جن میں اُس کی مختلف صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کے ذریعے حاصل ہونے والے اجناس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ذیل میں چند آیاتِ کریمہ درج کی جارہی ہیں۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ☆ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ☆ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ☆

ترجمہ: ’’بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو، اس کو (حقیقت) میں تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کردیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ، (سورۂ واقعہ، آیت: 63,64,65)۔‘‘

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ☆

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے، پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے، پھر اس سے مختلف رنگوں کی فصل اُگاتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نصیحت ہے، (سورۂ زمر، آیت: 21)۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ☆یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ☆

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی نازل کیا، جس کو تم پیتے ہو اور اسی سے درخت (بھی سیراب ہوتے) ہیں، جن میں تم مویشی چراتے ہو، وہ اس پانی سے تمہارے لئے فصل اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے، (سورۂ نحل، آیت: 10,11)۔''

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زراعت کی طرف رغبت دلانے کے لئے احادیثِ مبارکہ میں اِس کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیثِ شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْكُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بھی پودے لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے پرندے یا

انسان یا چوپائے کھاتے ہیں ،تو وہ اُس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے ،(صحیح مسلم ،کتاب المساقات ،باب فضل الغرس والزرع ،رقم الحدیث :4055)''۔

ایک اور حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِلْتَمِسُوا الرِّزْقَ مِنْ خَبَايَا الْاَرْضِ یعنی زمین کے پوشیدہ خزانوں سے رزق تلاش کیا کرو (پوشیدہ خزانے سے مُراد زراعت ، ماہی گیری اور کان کنی وغیرہ ہے)،(الطبرانی فی المعجم الوسیط ،رقم الحدیث :895)۔

صاحبِ زمین (Land Lord) کے لئے زمین سے زرعی اعتبار سے فائدہ حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ ہے کہ وہ خود زمین پر کاشتکاری کر کے اُس سے پیداوار حاصل کرے یا پھر اپنی زمین کسی ایسے شخص کے حوالے کر دے ، جو اُس پر کاشتکاری کرے اور اُس سے حاصل ہونے والی پیداوار کو پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے اعتبار سے آپس میں تقسیم کر لے۔ زمین سے حصولِ پیداوار کے مذکورہ بالا طریقۂ کار کو بالترتیب زراعت اور مزارعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ذیل میں دوسرا طریقہ یعنی مزارعت کے بارے میں شرعی اُصول و ضوابط قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاءِ کرام کی روشنی میں درج کئے جا رہے ہیں۔

مزارعت کے لغوی وشرعی معنیٰ:

لفظِ مزارعت ''زرعۃ'' یا ''زَرْع'' سے ماخوذ ہے اور عربی لغت میں زَرْع کے تین معانی مستعمل ہیں ،جنہیں ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

(۱) اَلْاِنْبَات اُگانا

(۲) طَرْحُ الْبَذْرِ فِی الْاَرْضِ زمین میں بیج بونا

(۳) نَبَاتُ کُلِّ شَیٍٔ اُگی ہوئی تیار فصل

قرآن وحدیث میں یہ لفظ اپنے تینوں معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حقیقی معنیٰ اور باقی دو مجازی معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ذیل میں ہر ایک کی مثال پیش کی جارہی ہے۔

اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ☆ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ☆ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ☆

ترجمہ: ''بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو، اس کو (حقیقت) میں تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کردیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ، (سورۂ واقعہ، آیت:63,64,65)۔''

اِس آیتِ کریمہ میں الـزّارعون اپنے حقیقی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔اِس معنیٰ میں کسی اور کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

مَنْ زَرَعَ فِيْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهٗ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهٗ نَفَقَتُهٗ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی زمین پر بغیر اُن کی اجازت کے کاشتکاری کی، تو اُس کے لئے اُس کی پیداوار میں کچھ حصہ نہیں ہے اور وہ صرف اپنے اخراجات کا حقدار ہوگا، (سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا، رقم الحدیث:3403)۔''

مزارعت کی تعریف:

مزارعت زمین کی پیداوار میں شرکت کا ایک ایسا طریقۂ کار ہے، جس میں زمین

ایک شخص مہیا کرتا ہے، جبکہ دوسرا اُس پر کاشتکاری کرتا ہے اور اُس سے حاصل ہونے والی پیداوار کو آپس میں طے شدہ تناسب مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف وغیرہ سے تقسیم کر لیتے ہیں۔

فقہ المالیات میں حنفی مذہب کی مشہور کتاب مجلۃ الاحکام العدلیہ میں مزارعت کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

المزارعة نوع شركة على كون الاراضى من طرف والعمل من طرف آخر يعنى انّ الاراضى والزرع تقسم بينهما

ترجمہ: "مزارعت شریک کی ایسی قسم ہے، جس میں ایک فریق کی زمین ہوتی ہے اور عمل دوسرے فریق کا ہوتا ہے یعنی زمین پر فصل لگائی جائے اور پیداوار میں دونوں میں تقسیم کر دی جائے، (مادّہ نمبر: 1431)۔"

معجم لغۃ الفقہاء میں مزارعت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

دفع الارض الىٰ من يزرعها على أن يكون الزرعُ بينهما

ترجمہ "مزارعت سے مراد یہ ہے کہ زمین ایسے شخص کے حوالے کر دینا، جو اُس پر کاشتکاری کرے اور اُس سے حاصل شدہ پیداوار کو دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کرلیں۔"

مزارعت کی مشروعیت یعنی شرعی حیثیت :

مزارعت کے جواز (Validity) وعدمِ جواز (Invalidity) کے بارے میں فقہاءِ کرام میں اِختلاف پایا جاتا ہے۔ اَحناف میں اِمام اعظم ابو حنیفہ اور اِمام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک مزارعت مطلقاً جائز نہیں، جبکہ اِمام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ چند شرائط کے ساتھ (اِمام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مزارعت معاہدۂ مساقات کے ضمن میں جائز ہے) اِسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اِمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اور احناف

میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک مزارعت کرنا مطلقاً جائز ہے، (تلخیصِ عبارت الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد ۶، صفحہ نمبر: 4684)۔

مزارعت کا رکن:

مزارعت کا رکن ایجاب وقبول ہے۔ اگر زمین کے مالک نے کاشتکار سے یہ کہا کہ میں نے تمہیں اپنی زمین مزارعت پر دی، جس میں تمہارا حصہ اتنا ہوگا اور کاشتکار نے اسے قبول کرلیا یا صرف اتنا کہہ دیا میں راضی ہوں یا کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے رضامندی ثابت ہوتی ہو، تو معاملۂ مزارعت منعقد ہو جائے گا۔

مزارعت کی درستگی کی شرائط:

مزارعت کے درست ہونے کے لئے آٹھ شرائط ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ زمین قابلِ زراعت ہو یعنی ایسی زمین، جس میں سیم تھور یا کسی اور وجہ سے زراعت کرنا ممکن نہ ہو اُس زمین کو مزارعت پر دینا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی زمین جو وقتِ معاہدہ کسی وجہ سے مثلاً پانی نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ کاشت نہ ہو لیکن جس وقت کسان اُس پر کام شروع کرے گا، اُس وقت تک وہ کاشت کے قابل ہو جائیگی تو اُس پر مزارعت کرنا جائز ہوگا۔

۲۔ صاحبِ زمین اور مزارع دونوں اہلِ عقد میں سے ہوں۔

۳۔ جو زمین مزارعت پر دی جارہی ہے، اُس کی تعیین بھی ضروری ہے۔

۴۔ جس مدّت کیلئے معاہدہ کیا جارہا ہے اُس کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔ عام طور پر ایک سال یا ایک فصل کا معاہدہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ اِس کا تعین کہ بیج کون مہیا کرے گا۔

۶۔ بیج کی جنس کا تعین کہ کھیت میں کس قسم کا بیج استعمال کیا جائیگا۔

۷۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد مزارع کو زمین پر مکمل قبضہ دینا تا کہ وہ اپنی صوابدید پر زمین پر آزادی کے ساتھ کاشتکاری کر سکے۔

۸۔ زمین سے حاصل پیداوار پر دونوں کے حصے کا تعین فیصد یا تناسب کے اعتبار سے

مزارعتِ فاسدہ کا حکم:

مزارعت کی بیان کردہ درجِ بالا شرائط میں سے کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی تو پھر مزارعت فاسد ہو جائیگی اور مزارعتِ فاسدہ کی صورت میں قاعدہ یہ ہے کہ تمام پیداوار اُس کی ہوگی جس نے بیج مہیا کئے تھے۔ یعنی اگر بیج کسان کا تھا تو ساری فصل کسان کی ہوگی زمین دار کو صرف زمین کا مروّجہ کرایہ ملے گا اور اگر بیج زمیندار کا ہے تو ساری پیداوار اُس کی ہوگی اور کسان کو اُجرتِ مثلی ملے گی۔

فریقین میں سے کسی کا انتقال:

معاملہ مزارعت میں اگر زمین دار کا انتقال ہو جائے اور فصل ہری ہو، تو کسان کو کام جاری رکھنے کا اختیار حاصل ہے، جب تک فصل تیار ہو کر اُٹھا نہ لی جائے۔ زمیندار کے وارثوں کو اس کے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اگر کسان کا انتقال ہو جائے تو اس کے وارثوں کو حق حاصل ہے کہ اس کے قائم مقام ہو کر کام جاری رکھیں لہذا زمین دار کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ وارثوں کو روکے بلکہ انہیں فصل کے تیار ہونے تک مہلت دی جائیگی۔

مساقات

(Partnership in Trees/ Contract of Gardening):

''مساقات'' شرکت کی ایک قسم ہے، جو باغات کے پھلوں میں ہوتی ہے۔ اِس

کی صورت یہ ہے کہ درخت (یعنی باغ) ایک فریق کا ہو اور اُس کی نگہداشت و پرداخت دوسرا فریق کرے اور پھلوں کی پیداوار فریقین میں (پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے مطابق) تقسیم ہو۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں مساقات کی تعریف یہ ہے کہ:

المساقاة نوع شركة على أن يكون أشجار من طرفٍ و تربية من طرفٍ آخر و يقسم ما يحصل من الثمرة بينهما

ترجمہ: ”مساقات شرکت کی ایک شکل ہے، جس میں درخت ایک فریق کا ہوتا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش دوسرا فریق کرتا ہے اور جو پھل آئیں وہ آپس میں تقسیم کر لئے جاتے ہیں، (مادہ نمبر: 1441)۔“

مساقات کا رُکن:

مزارعت کی طرح مساقات کا رکن بھی ایجاب وقبول ہے لہذا باغ کے مالک نے مالی سے یہ کہا کہ یہ درخت میں نے تمہیں مساقات کے تحت دیئے، جس کی پیداوار میں تمہارا حصہ اتنے فیصد یا اتنے تناسب سے ہوگا اور مالی نے اسے قبول کرلیا تو یہ مساقات منعقد ہوگئی۔

مساقات کی درستگی کے لئے شرائط:

۱۔ دونوں فریق کا عاقل ہونا۔

۲۔ مزارعت کی طرح مساقات میں بھی دونوں فریق کے حصوں کا تناسب یا فیصد کے اعتبار سے متعین ہونا۔

۳۔ درختوں کا مالی کے سپرد کردینا تا کہ وہ آزادی کے ساتھ اُن کی دیکھ بھال کر سکے۔

مساقاتِ فاسدہ:

مساقات اگر اپنی تمام شرائط کے ساتھ ہو، تو پیداوار ہونے کی صورت میں وہ پہلے سے طے شدہ قاعدے کے مطابق تقسیم ہوگی لیکن اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے، تو پھر ساری پیداوار درختوں کے مالک کی ہوگی اور عامل (کام کرنے والا) صرف اُجرتِ مثل کا حقدار ہوگا بشرطیکہ اُجرت مثل طے شدہ فیصد یا تناسب سے زیادہ نہ ہو۔ مثلاً معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا کہ پیداوار فریقین کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی۔ اس طریقہ سے مالی کا حصہ دس من آیا لیکن مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی لہذا جب اُجرتِ مثل معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ دس من یا اس سے کم ہے تو عامل کو اُس کے مطابق دے دیا جائیگا لیکن اگر اُجرتِ مثل دس من سے زائد ہوئی تو پھر دس من ہی ملیں گے زائد نہیں۔

مساقات اور فریقین کا انتقال:

معاملۂ مساقات میں اگر درختوں کے مالک کا انتقال ہو جائے اور پھل ابھی تیار نہ ہوئے ہوں بلکہ کچے ہوں تو عامل اپنا کام جاری رکھے گا۔ متوفی کے ورثاء (Heirs) کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ معاملہ کو ختم کر دیں۔ اسی طرح اگر عامل کا انتقال ہو گیا تو اس کے وارث اُس کے قائم مقام ہونگے لہذا جب تک پھل تیار نہ ہو جائیں درختوں کے مالک کو روکنے کا حق نہیں ہوگا۔

باب……۱۲

وقف اور ہبہ

وقف (Endowment for Pious Uses):

وقف کے لغوی معنیٰ:

وقف کے لغوی معنیٰ ''حبس یعنی روکنے، باندھنے اور تحویل میں رکھنے'' کے ہیں۔ علامہ سرخسی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''المبسوط'' میں اِس کے معنیٰ ''حبس یعنی روکنے اور قید کرنے'' کے تحریر کئے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

شرعی اعتبار سے وقف سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنی مملوکہ شئے کو اپنی ملکیت سے نکال کر اِس طریقے سے اللہ تعالیٰ کے ملک کر دینا کہ اُس شئے کے فوائد اللہ تعالیٰ کی مخلوق یا اُن کو جن کے لئے وقف کیا جا رہا ہے، حاصل ہو جائیں۔

وقف کی تعریف میں فقہاءِ کرام کا اختلاف:

وقف کی تعریف کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ) کے درمیان اختلاف ہے، وہ اِس طرح کہ امام اعظم کے نزدیک شئے موقوفہ وقف ہو جانے کے بعد بھی واقف کے انتقال سے پہلے تک اُسی کی ملکیت میں رہتی ہے، صرف اُس کا حقِ استعمال و منافع دوسروں کو حاصل ہو جاتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک شئے موقوفہ واقف کی ملکیت سے نکل کر معنوی طور پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اِمام مالک علیہ الرحمۃ کا قول امام اعظم علیہ الرحمۃ

اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول صاحبین کی رائے کے مطابق ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے اوپر ذکر کردہ دونوں نظریات سے بالکل مختلف ہے۔اُن کے نزدیک مالِ مالِ موقوفہ واقف کے ملکیت سے نکل کر موقوف علیہم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، (تلخیص از الفقہ علی المذاہب الاربعہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، شرح صحیح مسلم)۔

وقف کا حکم:

وقف کا حکم یہ ہے کہ وقف کرنے کے بعد مالِ موقوفہ فوری طور پر واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلا جاتا ہے لہذا وقف نہ باطل کیا جاسکتا ہے نہ ہی اس کی خرید وفروخت ہو سکتی اور نہ ہی اُسے ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح مالِ موقوفہ وراثت میں تقسیم بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اصطلاحاتِ وقف:

ذیل میں وقف کے متعلق چند ضروری اصطلاحات اور اُن کے معنیٰ بیان کئے جارہے ہیں۔

واقف یا بانی وقف (Settler):

کسی شئے کو وقف کرنے والے کو واقف کہتے ہیں۔

موقوف علیہ یا موقوف علیہم:

جس فرد یا جماعت کے فوائد کے لئے کوئی شئے وقف کی جائے، اُسے موقوف علیہ یا موقوف علیہم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مالِ موقوفہ:

وقف کی جانے والی شئے کو مالِ موقوفہ کہا جاتا ہے۔

متولی وقف:

اِس سے مراد وہ فرد یا افراد ہیں، جنہیں بانی وقف یا حاکمِ وقت کی طرف سے مالِ موقوفہ کے معاملات سرانجام دینے کیلئے مقرر کیا گیا ہو۔ بانی وقف خود بھی متولی (نگران) بن سکتا ہے

وقف کی مشروعیت (شرعی حیثیت):

وقف کرنا ایک پسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول عمل ہے، جس پر اللہ ربّ العزت واقف کو بے شمار اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ وقف کی مشروعیت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث موجود ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کی اہمیت اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحاب نے اپنی کئی چیزوں کو وقف کیا، جن سے لوگ فائدہ حاصل کیا کرتے تھے۔ ذیل میں وقف کے حوالے سے چند احادیث مبارکہ درج کی جارہی ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَاتَ لْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّامِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍصَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے، تو سوائے تین اعمال کے اُس کے اعمال پر اجر وثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ (وہ تین اعمال یہ ہیں) صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جارہا ہو یا نیک اولاد جو (اُس کے مرنے کے بعد) اُس کے لئے دعائے خیر کرے، (صحیح مسلم، کتاب الوصایا، باب ما یلحق الانسان من الثوابِ بعدوفاتہ، رقم الحدیث:1631)۔‘‘

اِس حدیث میں ''صدقۂ جاریہ'' سے مراد وقف ہے۔

وقف کے جواز کے لئے شرائط:

وقف کے جواز کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

(۱) واقف عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ بالفاظِ دیگر ایک پاگل اور نابالغ شخص کا کیا ہوا وقف شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

(۲) جس وقت مال وقف کیا جارہا ہے، اُس وقت واقف غیر مجور ہو۔ غیر مجور سے مراد وہ شخص ہے، جسے اُس کی کم عقلی یا قرض کی وجہ سے اُس کی اپنی جائداد میں تصرف کرنے سے نہ روکا گیا ہو۔

(۳) وقف کے وقت شئے موقوفہ کا مالک ہو۔ چنانچہ کسی شخص نے ایک زمین خرید کر اُسے وقف کردیا لیکن بعد میں کسی تیسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ زمین فروخت کنندہ کی ملکیت نہیں تھی بلکہ اُس نے زمین مدعی سے غصب کر کے فروخت کی ہے اور مدعی اپنے دعوے کو گواہوں سے ثابت بھی کردے، تو وقف باطل ہو جائیگا۔ اِسی طرح وقف کئے جانے کے بعد مالِ موقوفہ پر کوئی حقِ شفعہ کا دعویٰ کر کے اپنا حق ثابت بھی کردے، تو بھی وقف باطل ہو جائیگا اگرچہ زمین پر مسجد ہی تعمیر کر لی گئی ہو۔

(۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی اعلان کے ساتھ ہو۔

(۵) وقف ماسوائے وقف بالوصیت کے فوری ہو اور کسی شرط کے ساتھ مقید نہ ہو۔

(۶) شئے موقوفہ اور موقوف علیہ متعین اور مشخص (معلوم) ہوتا کہ بعد میں کسی قسم کے نزاع کا باعث نہ بنے۔

(۷) وقف عارضی نہ ہو بلکہ دوامی یعنی ہمیشہ کے لئے ہو۔ اگر کسی شخص نے وقف اِس طور پر کیا کہ میری فلاں چیز صرف ایک ماہ کے لئے وقف ہے، تو اُس کی اِس شرط کی وجہ سے

وقف باطل ہو جائیگا یعنی منعقد ہی نہیں ہوگا۔ وقف عارضی ہو سکتا ہے یا نہیں اس کے بارے میں فقہاءِ کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کا ذکر ''وقف عارضی ہو یا دائمی'' کے عنوان سے آگے آرہا ہے، (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

(۸) جس کام کے لئے وقف کیا ہے، وہ کام شرعی نقطۂ نظر سے کارِ ثواب ہو لہذا اگر واقف نے کسی ایسے کام کے لئے وقف کیا ہے، جو شرعاً درست نہ ہو مثلاً سینما ہال کے لئے وقف کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

وقف عارضی ہو یا دائمی:

فقہاءِ کرام کی اکثریت نے وقف کے دائمی (ہمیشہ کے لئے) ہونے کو وقف کی درستگی کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی وقف عارضی یا ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہو تو وہ باطل قرار پائیگا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مقصد مستقل اور دائمی طور پر ثواب کا حصول ہوتا ہے جو صرف دائمی وقف ہی کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اِسی طرح نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث مبارک، جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین کو وقف کرنے کا تذکرہ ہے، اُس کے الفاظ ''حبس الاصل''، ''لَا یُبَاعُ وَلَا یُوْهَبُ وَلَا یُوْرَثُ یعنی نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی ورثہ میں تقسیم کیا جائے'' اور ''حبیس ما دامت السموات والارض'' بھی وقف کے دائمی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ وقف کے دائمی ہونے کی شرط کے قائل اِمام شافعی، اِمام احمد بن حنبل اور صاحبین ہیں۔ ان کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ امام شافعی اور اِمام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ مطلق دوام کے قائل ہیں، جبکہ امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقف کے وقت دوام کو صراحتاً بیان کرنے کی بھی قید لگاتے ہیں۔ حنفی فقہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا گیا ہے۔

اِمام اعظم ابو حنیفہ اور اِمام مالک علیہما الرحمہ وقف میں دوامی (ہمیشہ کے

لئے) ہونے کی شرط لازم قرار نہیں دیتے بلکہ اُن کے نزدیک وقف موقتی (کچھ وقت کے لئے) بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اِن کے نزدیک ضرورت کے وقت مالِ موقوفہ کو فروخت کرنے کی شرط بھی لگائی جاسکتی ہے۔ اِن کی دلیل یہ ہے کہ وقف اپنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے ایک قسم کا صدقہ ہے اور صدقات جس طرح ابدیت (ہمیشگی) کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں، اِسی طرح ایک مقررہ وقت کی شرط کے ساتھ بھی درست ہوتے ہیں۔ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ابدی صدقہ تو جائز قرار دیا جائے اور وقتی صدقہ جائز نہ ہو، (تلخیصِ عبارت مجموعۂ قوانینِ اسلام، صفحہ نمبر:1074)۔

وقف کی صورتیں:

وقف کی عام طور پر مندرجہ ذیل تین صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) **وقف بالوصیت(Endowment by Way of Will):**

(۲) **وقف بحالتِ مرض(Endowment in the Time of Illness) :**

(۳) **وقف علی الاولاد(Endowment for Offspring):**

ہر ایک کی مختصراً وضاحت عبارتِ ذیل میں بیان کی جارہی ہے۔

(۱) وقف بالوصیت(Endowment by Way of Will):

وقف بالوصیت سے مراد یہ ہے کہ واقف نے مال کو وقف اِس شرط کے ساتھ کیا ہو کہ اس کا نفاذ واقف کے انتقال کے بعد ہوگا اور زندگی میں وہ شئے اُسی کی ملکیت میں رہے گی۔ لہٰذا جیسے ہی واقف کا اِنتقال ہوگا، وہ مال واقف کی ملکیت سے نکل اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہوجائیگا اور اُس کا حقِ منفعت اُن لوگوں یا ادارے کو حاصل ہوجائیگا، جس کے لئے اُس نے وقف کیا ہے۔

وقف بالوصیت کی صورت میں واقف صرف اپنی جائداد کا ایک تہائی تک وقف کرسکتا ہے۔ اگر واقف نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کردی، تو اُس کا نفاذ وارثین کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر ورثاء میں سے چند نے اجازت دی اور باقی نے نہیں دی تو جنھوں نے اجازت دی ہے اُن کے حصے وقف میں شامل ہونگے باقی کے نہیں۔ جس طرح موصی (وصیت کرنے والا) اپنی زندگی میں جس وقت چاہے وصیت میں ترمیم یا اُسے منسوخ کرسکتا ہے، اسی طرح وقف بالوصیت میں بھی واقف ترمیم و تنسیخ کا مجاز ہے۔

(۲) وقف بحالتِ مرض(Endowment in the Time of Illness):

شرعی اصطلاح میں مرض الموت سے مراد ایسا مرض ہے، جس میں کوئی شخص مبتلا ہو اور اُس مرض میں اس کا انتقال ہو جائے۔ لہذا حالتِ مرض میں کیا گیا وقف بھی شرعاً جائز ہوتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔ اگر ایک تہائی سے زائد کردیا تو اُس کا نفاذ وقف بالوصیت کی طرح ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

(۳) وقف علی الاولاد(Endowment for Offspring):

وقف علی الاولاد یہ ہے کہ واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط عائد کی کہ مال موقوفہ کی منفعت سے صرف اُس کی اولاد مستفید ہوگی اور موجودہ اولاد کے بعد اس کے بعد والی نسل اور اگر کسی مرحلے میں اولاد کا انقطاع ہو جائے یعنی اس کی اولاد نہ رہے تو پھر اس سے فقراء و مساکین فائدے اٹھائینگے۔ اس طریقے سے وقف کرنا شرعاً جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ صدقات و خیرات اور اوقاف وغیرہ میں پہلے اپنے قریبی رشتے داروں کے مفاد کو ترجیح دے پھر بعد میں دوسرے لوگوں کو۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی

ابتداقریبی رشتے داروں سے کی جائے ۔جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ☆

ترجمہ: ''یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے، تو وہ ان کا حق ہے اور تم جو نیک کام بھی کرو گے، تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے، (سورۂ بقرہ، آیت: 215)۔''

واقف نے اگر وقف علی الاولاد کیا ہو، تو اس میں اولاد مذکر و مؤنث دونوں شامل ہونگے ۔لیکن وقف کرتے وقت صرف لڑکا یا لڑکی کی قید لگادی تو پھر قید کا اعتبار کیا جائیگا۔''

وقف علی الاولاد کی صورت میں آمدنی کی تقسیم:

واقف نے اگر مطلقاً وقف علی الاولاد کیا ہے، تو مالِ وقف سے آنے والی آمدنی کو جملہ اولاد (مذکر و مؤنث) میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔وقف پر وراثت کے اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا، جس کی رو سے مذکر کو مؤنث سے دوگنا ملتا ہے۔لیکن اگر واقف نے وقف کے وقت اپنی اولاد میں مالِ موقوفہ کی آمدنی کو خرچ کرنے کا کوئی طریقہ وضع کیا ہو، تو پھر اسی طریقے سے مال کی تقسیم ہوگی۔

تنسیخِ وقف:

کیا وقف کی تکمیل کے بعد اسے منسوخ کیا جاسکتا ہے؟ اِس بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر وقف بالوصیت ہے، تو اعلانِ وقف کے باوجود واقف اپنی زندگی میں کسی وقت بھی وقف کو منسوخ کرسکتا ہے، کیونکہ وقف بالوصیت کا نفاذ انتقالِ واقف کے بعد ہوتا ہے لہذا اُس کی زندگی میں ایسا ہی ہوگا کہ اُس نے اپنی چیز کو وقف کرنے کا ارادہ کیا ہے یعنی

یہ صرف وعدۂ وقف کے درجے میں ہوگا۔لیکن ایسا وقف جس کا نفاذ واقف کی زندگی میں ہی ہو چکا ہو، اُسے بعد میں کسی بھی صورت میں منسوخ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر کسی نے اِس شرط کے ساتھ وقف کیا ہو، تو شرط باطل قرار پائیگی اور وقف نافذ العمل ہو جائیگا۔

مقروض کا وقف:

اگر کوئی شخص اِس طرح مقروض ہے کہ قرض اُس کی کل جائداد کے مساوی یا اُس سے زائد ہے تو ایسے مقروض کا وقف کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے خود کو قرض سے نجات دے پھر اگر توفیقِ باری تعالٰی ہو، تو وہ وقف کرے۔اسی طرح کسی مقروض کا اپنے قرض خواہوں کو تنگ کرنے کے ارادے سے وقف کرنا بھی شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے اور وقف کیے جانے سے تین سال تک قرض خواہوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ قاضی کے ذریعے منسوخ کروا سکتے ہیں۔

ہبہ (Gift):

کسی دوسرے کو اپنی محبت و مودّت کے اظہار کے لئے بغیر کسی عوض و بدلہ کے اپنی مملوکہ چیز کا مالک بنا دینا ''ہبہ/تحفہ'' کہلاتا ہے، (اصطلاحاتِ اسلامی معیشت و وراثت)۔

فقہ حنفی کی معروف و مشہور کتاب ''کنز الدقائق'' میں ہبہ کی تعریف یہ ہے کہ:

ھی تملیک العین بلاعوضٍ

ترجمہ: ''کسی شئے کی ملکیت کا حق بغیر معاوضے کے دینا ''ہبہ'' کہلاتا ہے۔''

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہبہ کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

الھبۃ: ھی تملیک مال الآخر بلاعوضٍ

ترجمہ: ''کسی دوسرے کو بغیر عوض کے مال کا مالک بنا دینا ''ہبہ'' ہے، (مادہ نمبر:873)۔''

پاکستان مین رائج الوقت قانونِ انتقالِ جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ کی دفعہ ۱۲۲ کے تحت ہبہ کی حسبِ ذیل تعریف بیان کی گئی ہے:

''ہبہ کسی ایسی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کا انتقال ہے، جو وجود میں ہو اور جو رضا کارانہ طور پر بلا معاوضہ ایک شخص کی طرف جس کو واہب (Donor) کہا جاتا ہے دوسرے شخص کے حق میں جس کو موہوب لہ کہا جاتا ہے کیا جائے اور جو موہوب لہ یا اس کی طرف سے قبول کرلیا جائے،(مجموعہ قوانینِ اسلام، جلد نمبر سوئم، صفحہ نمبر:924)۔''

مذکورہ بالا انتقال جائداد ایکٹ کے تحت نہ صرف ہبہ کی تعریف بیان کی گئی ہے بلکہ کسی حد تک ہبہ کے عناصر مثلاً واہب اور موہوب لہ کی تعریف بھی بیان کردی گئی ہے۔

اصطلاحاتِ ہبہ:

واہب(Gift Giver/Donor):

اپنی مملوکہ شئے کسی دوسرے شخص کو اپنی محبت کے اظہار کے لئے دینے والا ''واہب'' کہلاتا ہے۔

موہوب(Gift): وہ مال، جسے کسی کو ہبہ کردیا جائے۔

موہوب لہ(Donee): جس شخص کو کسی نے اپنی مملوکہ شئے ہبہ کردی ہو، وہ ''موہوب لہ'' ہے۔

ہبہ نامہ(Gift Deed):

وہ دستاویز، جس میں کسی چیز کو ہبہ کرنے کا اقرار لکھا جائے۔

اُرکانِ ہبہ

ہبہ کے ارکان ایجاب وقبول ہیں اور یہ قبضہ سے مکمل ہوجاتا ہے یعنی ہبہ کا انعقاد

صرف ایجاب وقبول سے ہوجاتا ہے لیکن اس کے نافذ العمل اور مکمل ہونے کے لئے قبضہ ضروری ہے۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

تنعقد الھبۃ بالایجاب و القبول و تتم بالقبض

ترجمہ: ''ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوجاتا ہے، (مادّہ نمبر :837)۔''

مذکورہ بالا عبارت میں قبضہ کو ہبہ کی تکمیل کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے لیکن بعض فقہاءِ کرام کے نزدیک ہبہ کے لئے قبضہ ضروری نہیں، اِس اِختلاف کو آگے الگ عنوان کے تحت دلائل کے ساتھ بیان کیا جائیگا۔

ہبہ لفظاً ایجاب وقبول کی طرح تعاطی یعنی لے لینے اور دے دینے سے بھی منعقد ہوجاتا ہے۔

شرائطِ ہبہ:

درجِ ذیل شرائط ہبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں:

(۱) واہب کا عاقل وبالغ ہونا یعنی ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ ہبہ کرنے والا عاقل وبالغ ہو۔ عقل وبلوغت کی شرط صرف واہب کے لئے ہے، موہوب لہ کے لئے نہیں۔ لہذا اگر کسی عاقل وبالغ نے کسی غیر عاقل وبالغ کو ہبہ کیا اور موہوب لہ کے ولی نے مالِ موہوب پر قبضہ کرلیا، تو یہ ہبہ جائز ہے۔

(۲) واہب کا مالِ موہوب کا مالک ہونا بھی ضروری ہے، لہذا کسی اور شخص کی شئے کو ہبہ کردیا، تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

(۳) مالِ موہوب موجود ہو۔ ایسی شئے جس کا وجود نہیں ہے، اُسے ہبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کسی باغ کے مالک کا اس طرح ہبہکرنا کہ اس سال جتنے پھل آئینگے میں اُسے ہبہ

کر رہا ہوں، جائز نہیں ہے۔

(۴) قبضہ میں ہو، ایسی شئے جس کا واہب مالک تو ہے لیکن وہ شئے اُس کے قبضے میں نہیں ہے، تو یہ ہبہ نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے اور اس صورت میں قبضہ ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ واہب اپنی ایسی اشیاء کے بارے میں، جو اُس کی ملکیت میں ہے لیکن قبضہ میں نہیں ہے، ہبہ کا وعدہ کر سکتا ہے، جسے عام طور پر ہبہ استقبالی کہا جاتا ہے۔

(۶) مالِ موہوب نا قابلِ تقسیم مشاع نہ ہو کیونکہ نا قابلِ تقسیم مشاع جائداد کا ہبہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہوتا ہے۔

(۷) مالِ موہوب دوسری اشیاء سے اس طرح ممتاز و مشخص ہو کہ اس کی شناخت ممکن ہو۔

(۸) مالِ موہوب کسی بھی قسم کے قرض یا ذمہ داری سے آزاد ہو۔

ہبہ سے رجوع کرنے کا مسئلہ:

مالِ موہوب پر قبضہ دیدینے یعنی ہبہ کی تکمیل کے بعد اُسے واپس لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہبہ کی ہوئی شئے کو چند شرائط کے ساتھ واپس لینا جائز ہے لیکن شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں یہ ایک ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یُعْطِی الْعَطِیَّةَ ثُمَّ یَرْجِعُ فِیْهَا كَالْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰی اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِیْ قَیْئِهٖ

ترجمہ: ”جو شخص کسی کو کوئی عطیہ دینے کے بعد دوبارہ واپس لے لے وہ اِس کتے کی طرح ہے، جو پیٹ بھر کر کھالے پھر قے کر دے، اور پھر اپنی قے کو دوبارہ چاٹ لے۔ (سنن ترمذی، کتاب الولاء والھبة، باب ماجاء فی کراھیة الرجوع فی الھبة، رقم الحدیث: 2131)۔“

ذیل میں اُن شرائط کو بھی بیان کیا جا رہا ہے، جو ہبہ سے رجوع کیلئے ضروری ہیں:

(۱) موہوب لہ کی مرضی سے ہو۔ (۲) قاضی نے رجوع کو صحیح قرار دیدیا ہو۔

(۳) ہبہ قبول کرنے کے بعد اُس کا بدلہ یا عوض دے دیا ہو، تو بھی قاضی کے ذریعہ رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ہبہ کی منسوخی:

درجِ ذیل صورتوں میں ہبہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔

اُردو زبان میں فقہ حنفی کی معروف کتاب ''بہارِ شریعت'' میں مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے موانع رجوع ہبہ کو مجموعی طور پر دو الفاظ میں بیان کیا ہے، جو ''دمع خزقہ'' ہے۔ ان میں حرفِ دال سے مراد زیادتِ متصلہ، میم سے مراد موت یعنی واہب اور موہوب لہ میں کسی ایک کی موت، عین سے عوض (بدلہ)، خا سے خروج یعنی مالِ موہوب کا موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جانا، زا سے زوجیت، قاف سے قرابت اور ہا سے مراد ہلاکت یعنی مالِ موہوب کا ہلاک ہو جانا ہے، **(ملخص از بہارِ شریعت، حصہ نمبر: 14، موانع رجوع اور مسائل)۔**

ذیل میں مذکورہ بالا موانع کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے:

(۱) زیادتِ متصلہ:

اگر مالِ موہوب میں اِس قسم کی تبدیلی آچکی ہو، جسے اُس سے جُدا کرنا ممکن نہ ہو، تو واہب کے لئے مالِ موہوب کو واپس لینا جائز نہیں ہوگا۔ چاہے وہ تبدیلی موہوب لہ کے ذاتی فعل کی وجہ سے ہوئی ہو یا خود بخود ہوگئی ہو۔ جیسے مکان ہبہ کیا موہوب لہ نے اُسے گرا کر نئے سرے سے تعمیر کر لیا ہو یا کسی کو بچھیا ہبہ کی تھی اب وہ گائے ہوگئی ہو وغیرہ۔ مالِ موہوب میں کسی قسم کی طبعی تبدیلی کی وجہ سے اضافہ ہو جانا بھی زیادتِ متصلہ ہی ہے، مثلاً دبلا

جانور ہبہ کیا اور وہ موہوب لہ کے پاس فربہ (موٹا) ہو گیا، جس کی وجہ سے اُس کی قیمت بڑھ گئی۔ کپڑے کو سی دیا وغیرہ۔

البتہ زیادتِ منفصلہ یعنی ایسی تبدیلی ہو جو مالِ موہوب سے جدا ہو سکے تو مالِ موہوب کو واپس لیا جا سکتا ہے مثلاً کسی نے بکری ہبہ کی اور اُس نے بچہ جنا تو واہب بکری کو واپس لے سکتا ہے البتہ بچہ موہوب لہ کا ہو گا۔

(۲) موت احد الفریقین (واہب یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جانا):

ہبہ کی تکمیل کے بعد اگر واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، تو پھر ہبہ سے رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر موہوب لہ کا انتقال ہوا ہو، تو مالِ موہوب اُس کا ترکہ بن کر ورثاء کے درمیان تقسیم ہو گا اور واہب کے انتقال کی صورت میں اُس کے ورثاء کو اُس مال پر کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

(۳) واہب کا مالِ موہوب کا عوض لے لینا:

اگر واہب نے موہوب لہ سے ہبہ کے بدلے کوئی چیز لے لی ہو، تو اُس کے لئے ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہو گا۔ عوض دینے کا مفہوم یہ ہے کہ موہوب لہ نے مالِ موہوب کے علاوہ کوئی اور شئے ہبہ کی ہو، اگر اُسی شئے کے کچھ حصے کو تبدیلی کئے بغیر بطورِ عوض دیدیا ہو، تو بقیہ سے رجوع کرنا جائز ہے۔

(۴) مالِ موہوب کا ملکیتِ موہوب لہ سے نکل جانا:

اگر مالِ موہوب کو بیع، صدقہ یا ہبہ کر دیا گیا ہو، تو بھی واہب ہبہ سے رجوع نہیں کر سکتا۔

(۵) زوجیت:

شوہر نے بیوی یا بیوی نے شوہر کو ہبہ کیا تو اب رجوع کرنا جائز نہیں

ہے۔زوجیت مانعِ رجوع اُس وقت ہوگی ، جبکہ یہ ہبہ کے وقت قائم ہو۔ اگر ہبہ کے بعد نکاح کیا تو رجوع کرنا جائز ہوگا۔

(۶) قرابت:

قرابت یعنی رشتہ داری بھی مانع رجوع ہے۔ قرابت سے مراد یہ ہے کہ واہب اور موہوب لہ کے درمیان ایسی رشتے داری ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے لئے نسبی اعتبار سے محرم ہوں، جیسے باپ، دادا، بیٹا، بیٹی، پوتا، نواسہ اور بھائی بہن وغیرہ۔ لیکن اگر رضاعت (دودھ شریک) یا مصاہرت (سسرالی رشتے داری) کی وجہ سے محرم ہو تو پھر یہ قرابت مانع رجوع نہیں ہے۔

(۷) مالِ موہوب کا ہلاک یا استعمال ہو جانا:

اگر مالِ موہوب استعمال یا ہلاک ہوگیا ہو، تو بھی رجوع نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جب مال ہی نہ رہا، تو رجوع کس چیز سے ہوگا۔

عمریٰ/تاحیات ہبہ (Donation till Life):

کسی کو کوئی چیز اس طرح ہبہ کرنا کہ موہوب لہ اُس چیز سے تاحیات فائدہ حاصل کرسکتا ہے اور اُس کے انتقال کے بعد وہ دوبارہ واہب کی ملکیت میں چلی جائے گی، عمریٰ کہلاتا ہے۔ عمریٰ کے طریقے سے ہبہ کرنا جائز ہے لیکن اِس میں واپس لینے کی شرط باطل ہے۔ یعنی موہوب لہ کے انتقال کے بعد مالِ موہوب اُس کا ترکہ ہو کر اُس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: العمری جائزۃ یعنی عمریٰ جائز ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ **اَلْعُمْرٰی لِمَنْ وُهِبَتْ لَهٗ** یعنی عمریٰ اُسی کے لئے ہے، جسے ہبہ کیا گیا ہے، (صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب العمریٰ، رقم

الحدیث:1625)۔

رقبیٰ:

(Donation with provision as to death of donor or donee)

رقبیٰ بھی ہبہ ہی کا ایک طریقہ ہے، جس میں واہب اپنے موہوب لہ سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کر گئے تو مالِ موہوب دوبارہ میں لے لوں گا اور اگر میرا انتقال پہلے ہوا تو پھر تم اِس کے مالک ہو جاؤ گے۔

رقبیٰ کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کا مؤقف یہ ہے کہ رقبیٰ باطل ہے، کیونکہ اِس میں شرطِ فاسد ہے، جس کی وجہ سے جہالت پیدا ہو رہی ہے۔ علاوہ ازیں فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا خواستگار رہتا ہے۔ البتہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ چند شرائط کے ساتھ عمریٰ کی طرح رقبیٰ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

ہبہ بحالتِ مرض(Gift at the time of Illness):

اگر کوئی شخص مرض الموت میں کسی کو اپنی چیز ہبہ کرے، تو اِس طرح سے کئے جانے والا ہبہ ''ہبہ بحالتِ مرض الموت'' کہلاتا ہے۔ اِس کا حکم یہ ہے کہ اگر موہوب لہ غیرِ وارث ہے، تو یہ ہبہ وصیت کے حکم میں ہو کر واہب کی ایک تہائی جائداد تک نافذ العمل ہوگا لیکن اگر واہب کے ورثاء پورے یا زائد پر بھی راضی ہو جائیں، تو بھی جائز ہے۔ اور اگر موہوب لہ وارث ہو، تو پھر یہ ہبہ وصیت کے حکم میں ہو کر باطل ہو جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ یعنی وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے، (سنن ترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، رقم الحدیث:2121)۔

باب.....۱۳

تکافل (Takaful):

لفظِ تکافل کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ ''کِفالہ'' سے ماخوذ ہے۔ ''کِفالہ'' کے معنیٰ ہیں ''کسی کی کفالت کرنا یا اُس کا ضامن بننا(To Give Guarantee)'' اور 'تکافل' کے لغوی معنیٰ ''ایک دوسرے کی کفالت کرنا(Mutual Co-operation)''۔ اِصطلاح میں تکافل سے مراد اِمدادِ باہمی اور آنے والے خطرات سے نبرد آزما ہونے کا ایسا طریقۂ کار ہے، جس کے تحت اَفرادِ معاشرہ وقف اور تبرّع (احسان) کی بنیاد پر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں، پھر اُن میں سے کسی فرد یا افراد کا مالی نقصان ہو جائے، تو مل جل کر اُس کی تلافی کرتے ہیں یعنی اُس نقصان کا بوجھ کسی ایک پر نہیں پڑتا بلکہ سب اُس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک معروف اسلامی فقہی تصور ہے اور اسی کی بنیاد پر اسلامی تکافل کمپنیاں وجود میں آئی ہیں۔ تکافل کو روایتی بیمہ کے متبادل کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔

تکافل کے نظام میں جہاں ایک طرف طے شدہ مقدار کی حد تک وقف فنڈ (PTF) سے تحفظ کی ضمانت فراہم ہوتی ہے، وہاں شرعی مضاربت (PIA) کی شکل میں جائز منافع کا اہتمام بھی موجود ہے۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں یہ کفالہ یعنی کسی کی کفالت کرنے یا اُس کا ضامن بننے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا

ترجمہ: ''اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا، (سورۂ اٰل عمران، آیت: 37)'

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَیُّھُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ**

ترجمہ: ''ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، (سورۂ اٰل عمران، آیت: 44)''۔

اِسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی یہ لفظ ''گارنٹی دینے اور کفالت کرنے کے'' معنیٰ میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ سنن ابنِ ماجہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس جنازے کی اِمامت فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ ادا کرلو کیونکہ اِس پر قرض ہے۔ اِس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ نماز پڑھائیں اور **اَنَا اتکفل بہ** یعنی میں اِس میت کی طرف سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اِس حدیث میں ''**اتکفل**'' کا لفظ کفالہ سے بنا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں ہے:

اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی ذمہ داری لینے والا جنت میں اِس طرح ہونگے اور آپ نے یہ کہتے ہوئے اپنی شہادت اور درمیانی انگلیوں کو آپس میں ملالیا، (سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی ضم الیتیم، رقم الحدیث: 5151)۔ اِس حدیث میں ''**کافل**'' کا لفظ کفالہ سے ماخوذ ہے۔

تکافل کے بارے میں چند اہم اشکالات اور ان کا شرعی جائزہ:

تکافل کے متعارف ہوجانے کے بعد سے اب تک عوام الناس کی جانب سے اس کے بارے میں چند اہم سوالات اُٹھائے گئے ہیں، جن کے جوابات قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں درج کیے جارہے ہیں:

تکافل کی نظائر (Precedents of Takaful):

تکافل کے بارے میں عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آیا امداد باہمی (Mutual Co-operation) اور خطرات (Risk) کو افرادِ معاشرہ میں تقسیم کرنے کے اِس طریقۂ کار کی کوئی نظیر اسلام میں موجود ہے یا نہیں؟۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسے عملی طور پر اپنایا ہے یا نہیں؟۔اِس حوالے سے طلوعِ اسلام سے پہلے اور زمانۂ اسلام میں اہلِ عرب کے معاملات پر غور کیا جائے تو ایسی کئی مثالیں ملیں گی، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مستقبل کے مسائل کو حل کرنے کے لئے اِمدادِ باہمی کے جذبے کے تحت کئی طریقوں کو اختیار کیا ہوا تھا، جن میں سے عاقلہ، ضمان خطر الطریق اور مولی الموالات زیادہ معروف ہیں۔

عاقلہ (Doctrone of Aqilah):

عاقلہ کے لغوی معنیٰ ''روکنے'' کے ہیں، جبکہ اِس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص کسی دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے، تو مقتول کے ورثاء کو دیت (جو سو اُونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار یا ان کے مساوی قیمت ہے) دی جاتی ہے، جو قاتل اکیلا ادا نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کے قبیلے کے افراد مجموعی طور پر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

اِمدادِ باہمی کا یہ طریقۂ نہ صرف زمانۂ جاہلیت میں موجود تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں بھی جاری رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے پسند بھی فرمایا۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنے قبیلے کی طرف سے عاقلہ کے نظام کے تحت دیت ادا کی تھی۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اپنی شہرہ آفاق کتاب بہارِ شریعت کے حصہ نمبر

۱۸ میں عاقلہ کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ ’’آج کل کارخانوں اور مختلف اداروں میں ملازمین اور مزدوروں کی یونینیں بنی ہوئی ہیں جن کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی ممبر پر کوئی افتاد (مصیبت) پڑے تو یونین اس کی مدد کرتی ہے۔‘‘

ضمان خطر الطریق

یہ بھی خطرات کو کم کرنے اور ایک دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا ایک طریقہ تھا، جس کے تحت عام طور پر تاجر حضرات کو اپنے سامانِ تجارت محفوظ طریقے سے کسی راستے سے لیجانے کی ضمانت دی جاتی تھی کہ اگر راستے میں کسی قسم کا مالی نقصان ہوا، تو ضامن (Guarantor) اُس نقصان کا ازالہ کریگا۔ خطرات کو کم کرنے کا یہ طریقہ اسلام میں جائز رکھا گیا ۔ عصرِ حاضر میں ٹریولنگ انشورنس ضمان خطر الطریق کی مثال ہے، اگرچہ ان کی عملی صورت شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

موالی الموالات (Delegated Heirs):

موالات کے لغوی معنیٰ ’’ایک دوسرے کے ساتھ دوستی‘‘ کے ہیں اور اصطلاح میں یہ ہے کہ ایک نومسلم شخص نے اُس شخص کو جس کے ہاتھ پر اُس نے اسلام قبول کیا ہے یا کسی دوسرے شخص کو یہ کہا کہ تو میرا مولیٰ (ذمہ دار) ہے یعنی جب میں مرجاؤں تو میرے مال کا وارث ہونا اور اگر میں کسی کو قتل کردوں تو میری طرف سے دیت (خون بہا) ادا کرنا، دوسرے شخص نے یہ کہا کہ مجھے یہ منظور ہے تو یہ موالی الموالات کا معاملہ ہے۔ اِمدادِ باہمی کے اس طریقۂ کار کو بھی اسلام میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

اِسی طرح اِمدادِ باہمی کے حوالے سے قبیلۂ بنی اَشعر کا تذکرہ بھی اَحادیث کی کتابوں میں ملتا ہے کہ قحط سالی خصوصاً جہاد کے موقع پر قبیلے کا ہر شخص اپنا سامان ایک چادر میں ڈال دیتا تھا اور بعد میں اُن تمام سامان کو خلط ملط کر کے ایک مخصوص برتن سے قبیلے کے

تمام افراد میں برابری کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ روایتوں میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قبیلۂ بنی اَشعر کے اِس عمل کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اَنَا مِنْهُمْ وَهُمْ مِنِّیْ ترجمہ: ''میں اُن میں سے ہوں اور وہ مجھ سے ہیں''، (مسند امام احمد بن حنبل، مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: 1463)''۔ درجِ بالا چند مثالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ اِسلام میں بنیادی طور پر اِمدادِ باہمی کے اُن تمام طریقوں کو پسند کیا گیا ہے، جو شرعی اعتبار سے درست ہوں اور افرادِ معاشرہ کے حق میں وہ مفید ثابت ہوں۔ لہذا تکافل کمپنی بھی امدادِ باہمی کے اسی اسلامی نظریئے کے تحت قائم کی جاتی ہے، لہذا اس کے ساتھ معاملہ کرنا شرعی اعتبار سے درست ہوگا۔

تکافل اور توکل:

ہمارے عام طور پر توکل کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ صرف آج کی فکر کرو اور کل کے معاملے کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ یہ نظریہ شریعت کے بیان کردہ اُصول وضوابط اور توکل کے بالکل خلاف ہے۔ توکل کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تمام وسائل واسباب کو حتی المقدور استعمال کر کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ بغیر کسی محنت ومشقت اور تگ ودو کے رزق عطا فرمادے، لیکن اُس نے دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے کچھ قاعدے اور اُصول عطا کئے ہیں، جن پر عمل کرنا ہر ایک پر لازم ہے۔ اُن اُصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص حصولِ رزق کے تمام دستیاب وسائل واسباب کو اپنی طاقت وبساط کے مطابق اختیار کرے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے، یہی توکل ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ☆

ترجمہ: ''اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل

کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے،(سورۂ آلِ عمران، آیت:159)''۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

ترجمہ:''اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمائے گا،(سورۂ یوسف، آیت:6)''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا۔ پھر آگے چل کر قرآنِ مجید عزیزِ مصر کے ایک خواب کا تذکرہ فرماتا ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ☆

ترجمہ:'' اور بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات فربہ گائیں ہیں، جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکھے ہوئے (خوشے دیکھے)، اے میرے درباریو! میرے اِس خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو،(سورۂ یوسف، آیت:43)''۔

جب عزیزِ مصر کے درباری اس خواب کی کوئی معقول تعبیر نہ بتا سکے تو یوسف علیہ السلام کے قید خانے کے ایک ساتھی نے نشاندہی کی کہ مجھے ایک ایسے شخص کا علم ہے، جو خوابوں کی تعبیر جانتا ہے۔ پھر اُس نے قید خانے میں آکر یوسف علیہ السلام سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی، تو آپ نے یہ تعبیر بتائی:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ج فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ☆ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا

مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ☆ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ☆

ترجمہ: ''یوسف نے کہا: تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے، پھر تم جو کھیت کاٹو، تو تمام غلے کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا، ماسوا اس قلیل غلے کے، جس کو تم کھاؤ، پھر اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے، وہ اس غلے کو کھا جائیں گے، جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا، ماسوا تھوڑے سے غلے کے، جس کو تم محفوظ رکھو گے، پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا، جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے، (سورۂ یوسف، آیت: 47 تا 49)۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی طور پر اچھے حالات میں ممکنہ طور پر برے حالات کے لئے منصوبہ بندی کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت ہے اور پسندیدہ عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اسے مقامِ مدح میں بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام اسباب ووسائل کو بروئے کار لانے کے بعد نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا ''توکل'' ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

(۱) قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَعْقِلُهَا وَاَتَوَكَّلُ اَوْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ، قَالَ: اَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ

ترجمہ: ''ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر اللہ پر توکل کروں یا اس کو آزاد چھوڑ دوں اور توکل کروں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں پہلے) اُسے باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، (سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، رقم الحدیث: 2517)۔''

اس حدیث مبارک کی رو سے اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ عینِ توکل ہے، فرق یہ ہے کہ کافر محض اسباب پر بھروسا کرتا ہے اور مومن اسباب کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتا ہے۔

(۲) اِنَّکَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَھُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ

ترجمہ: ”تم اپنی اولاد کو خوشحال چھوڑو، یہ اُس سے بہتر ہے کہ انہیں تنگ دست کر کے چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں، (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب رثاء النبی، رقم الحدیث:1295)۔“

اس حدیث مبارک سے بھی منصوبہ بندی اور حالات کے مطابق پیش بندی کی تعلیم دی گئی ہے۔تکافل بھی اسی اسلامی نظریئے پر مبنی ہے۔

تکافل اور رسک مینجمنٹ(Risk Management):

آج کل پوری دنیا میں رسک مینجمنٹ کے حوالے سے مختلف قسم کے کورسز کروائے جارہے ہیں اور اس کی اہمیت کو مزید اُجاگر کرنے کی غرض سے باقاعدہ عملی وتربیتی پروگرامز اور سیمینار کا انعقاد بھی ہوتا رہتا ہے۔لیکن اگر ہم اسلام کا عمیق مطالعہ کریں تو پتا چلے گا کہ اسلام نے سب سے پہلے رسک مینجمنٹ کا نظریہ دیا ہے اور اُس کا عملی اطلاق بھی کیا ہے۔اسلام نے عقائد، عبادات اور معاملات ہر ایک میں رسک کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مختلف اوقات میں رسک کو کور (Cover) کرنے کا حکم دیا۔ جان بچانے اور انتہائی ناگزیر حالات میں دل میں ایمان پر قائم رہتے ہوئے وقتی طور پر کلمۂ کفر کہنے کی اجازت جسے قرآن نے حالاتِ اکراہ سے تعبیر کیا ہے۔میدانِ جنگ میں اپنی بچاؤ کے لئے عام حالات سے ہٹ کر نمازِ خوف ادا کرنے کا حکم، جان یا کسی عضو کے تلف کردینے کی یقینی دھمکی پر نہ

چاہتے ہوئے خرید وفروخت کا معاملہ کر لینا یہ سب رسک مینجمنٹ ہی کی مثالیں ہیں۔

قرآنِ مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کے مذکورہ بالا واقعہ میں بھی رسک مینجمنٹ کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے مستقبل میں پیش آمدہ رسک (خطرات) کو کور کرنے کے لئے اناج ذخیرہ کرنے کی تدبیر بتائی۔اسی طرح سورۂ کہف میں مذکور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے کشتی والے واقعہ میں بھی رسک مینجمنٹ کا تصور موجود ہے، یعنی اس اِمکانی خطرے کے تدارک کے لئے کہ بادشاہ اچھی کشتی کو غصب کر لیتا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کو عیب دار بنا دیا۔

اسی طرح تکافل بھی دراصل آنے والے خطرات کے منفی اثرات کو ختم یا کم کرنے کی ایک صورت ہے اور قرآن وحدیث کی رو سے یہ مستحسن امر ہے۔

بیمہ اور تکافل کے قیام کے مقاصد:

جہاں تک بیمہ اور تکافل کو شروع کرنے کے مقصد کا تعلق ہے، تو دونوں کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے: ''لوگوں کو مستقبل میں پیش آمدہ مالی نقصانات کی تلافی کے لئے امکانی حد تک مالی امداد فراہم کرنا اور اُن کے نقصانات کے بوجھ کو کسی حد تک کم کرنا''۔ یہ نظریہ اپنی مقصدیت کے اعتبار سے یقیناً قابلِ تحسین اور پسندیدہ ہے۔

اسلام نہ صرف اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى:**

ترجمہ: ''اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو،، (سورۂ مائدہ، آیت: 2)''۔

اور مصیبت میں دوسروں کے کام آنا بھی ایک نیکی ہے بلکہ افضل نیکی ہے۔ اِس عنوان پر چند احادیثِ مبارکہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) **وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ**

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے،(مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:10772)''۔

(۲) مَن نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: ''جو شخص کسی مسلمان کو دنیا کی کسی تکلیف سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ (جزا کے طور پر) قیامت کے دن اُس کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو رفع فرمائے گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، والتوبۃ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث:2699)۔

تکافل جائز اور بیمہ ناجائز کیوں؟۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا کہ تکافل کی طرح بیمہ بھی اپنے مقاصد کے اعتبار سے ایک قابلِ تحسین کام ہے لیکن اِس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بیمہ کے نظام میں جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے، وہ شرعی اعتبار سے ناجائز ہے۔ ہم اس مسئلے کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں: فرض کریں کہ ایک شخص لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ میری خواہش ہے کہ میں غرباء ومساکین اور ضرورت مندوں کی مدد کروں تو لوگ اُس کی اس نیت کے بارے میں سن کر اُس کی تعریف کریں گے، کیونکہ یہ ایک نیک خواہش ہے۔ اب وہ شخص اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے باہر سڑک پر کسی شخص کو روکتا ہے اور اُسے لُوٹ کر لوگوں کی امداد کرتا ہے، تو اب وہ تمام افراد جو پہلے اُس کی تعریف کر رہے تھے، اُس کی بھرپور مذمّت کرینگے اور اُس کے اس عمل کو ناجائز وحرام قرار دیں گے، کیونکہ نیت اور خواہش کے پسندیدہ ہونے کے باوجود اُس کا نیک مقصد کو حاصل کرنے کا طریقۂ کار غلط ہے اور شریعت وقانون کی رُو سے باطل ہے، بالکل یہی معاملہ انشورنس کا ہے۔

مروّجہ بیمہ کے نظام میں احکامِ شریعت کے اعتبار سے جو قباحتیں ہیں اور جن کی بنا پر اُس کی حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے، درجِ ذیل ہیں:

☆ سود (Interest/Usury)

☆ جوا (Gambling)

☆ غَرَر (Uncertainty)، اس کو غیر یقینی کیفیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

☆ بیع الکالی بالکالی (خرید و فروخت کا ایسا معاملہ، جس میں شئے کی قیمت اور فروخت شدہ شئے دونوں ادھار ہوں)، انشورنس کی حرمت کے اس سبب کی نشاندہی سب سے پہلے عصرِ حاضر کے عظیم مفسّر، محدّث اور فقیہ علّامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''شرح صحیح مسلم'' میں کی ہے، جسے بعد میں اور مفتیانِ کرام نے بھی قبول کیا ہے۔

بیمہ اور سود:

انشورنس میں بلاواسطہ (Direct) اور بالواسطہ (Indirect) دونوں طرح سود کا عنصر موجود ہے۔ عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پالیسی ہولڈر اور انشورنس کمپنی کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا ہے، جس میں پالیسی ہولڈر (Purchaser) اپنی انشورنس کمپنی (Seller) سے پریمیم (Price) کے عوض پالیسی (Subject Matter) خریدتا ہے حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے یہ خیال درست نہیں ہے۔ کیونکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر اور انشورنس کمپنی کے درمیان قرض خواہ اور قرض دار کا تعلق پیدا ہوتا ہے، جس کے تحت پالیسی ہولڈر (قرض خواہ) انشورنس کمپنی (قرض دار) کو کچھ رقم بطورِ پریمیم (قرض) دیتا ہے اور چونکہ شرعی اعتبار سے قرض پر معاہدے کے تحت کچھ زائد لینا سود ہے لہٰذا کمپنی اپنے پالیسی ہولڈر کو اس پر کچھ زائد نہیں دے سکتی جبکہ بیمہ کے اس معاملے میں کمپنی اُس رقم پر معاہدے کے تحت کچھ زائد رقم ادا کرنے کی پابند

ہوتی ہے، جوکہ شرعی اعتبار سے سود ہے۔ حدیث مبارک میں سود کی تعریف یہ بیان کی گئی

ہے کہ:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ الرِّبٰوا یعنی ہر وہ قرض، جس سے منافع حاصل ہو وہ سود

ہے۔اور یہ بلاواسطہ (Direct) سود ہے۔

بالواسطہ (Indirect) سود اس طرح ہے کہ انشورنس کمپنی عام طور پر پالیسی ہولڈر سے

حاصل شدہ پریمیم پر منافع کمانے کی غرض سے اُسے سودی بینکوں میں رکھواتی ہے اور اُس پر

سود لیتی ہے اور اُس سود میں سے کچھ اپنے لئے اور کچھ پالیسی ہولڈر کے لئے مختص کرتی

ہے۔اس طرح پالیسی ہولڈر بالواسطہ سود میں ملوّث ہو جاتا ہے، جوکہ شرعاً ممنوع ہے۔

بیمہ اور غرر:

غیر یقینی اور متزلزل کیفیت کو عربی زبان میں غرر کہتے ہیں۔شرعی نقطۂ نگاہ سے خرید وفروخت

کا ایسا معاملہ، جس میں دھوکے کا عنصر موجود ہو، وہ ناجائز ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں

بھی ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب

التجارات، باب النھی عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر، رقم الحدیث:2194)۔''

یعنی شریعت نے ہر ایسے مالی معاملے سے منع فرمایا ہے، جس میں غرر ہو اور بیمہ میں غرر اس

طرح ہے کہ جس واقع یا خطرے پر انشورنس کمپنی اپنے پالیسی ہولڈرز کو تحفظ فراہم کرتی ہے

وہ غیر یقینی ہوتا ہے اور چونکہ پالیسی ہولڈر اپنی کمپنی سے اس متوقع خطرے کی بنا پر پالیسی

خریدتا ہے، جس کا وقوع غیر یقینی ہے، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

بیمہ اور جوا (Gambling):

بیمے میں جُوئے کا عنصر خاص طور پر جنرل انشورنس میں ہوتا ہے کہ مقررہ مدّت کے دوران کوئی نقصان ہوگیا تو کمپنی کو نقصان کی تلافی کرنی ہوتی ہے اور پالیسی ہولڈر کا فائدہ ہوجاتا ہے کہ کم دے کر زیادہ حاصل کرتا ہے۔اور اگر نقصان نہ ہوا تو پالیسی ہولڈر کی ساری رقم ضبط ہوجاتی ہے اور کمپنی کا فائدہ ہوجاتا ہے، پس یہی جوا ہے جو اسلام میں حرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ☆

ترجمہ:''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم اِن سے اجتناب کرو، تاکہ تم کامیاب ہو، (سورۂ مائدہ، آیت:90)۔''

عقود (Contract) کی اقسام:

بنیادی طور پر عقود کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عقدِ تبرّع (Superiorogatory Contract):

(۲) عقدِ معاوضہ (Commutative Contract):

(۱) عقدِ تبرّع (Superiorogatory Contract)

''تبرّع'' کا لغوی معنیٰ ہے ''احسان کرنا، کسی پر مہربانی کرنا''۔اور شریعت کی اصطلاح میں ''عقدِ تبرّع'' سے مراد ایسا معاہدہ ہے، جس میں ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ بطورِ احسان عقد کر رہا ہو اور وہ اس عقد کے بدلے میں کوئی مالی منفعت حاصل نہ کرے، جیسے وقف، ہبہ اور قرضِ حسن وغیرہ۔لیکن اگر کسی عقد میں فریقین میں سے ہر ایک کو معاوضہ یا بدل کی صورت میں کوئی فائدہ حاصل ہو رہا ہو، تو ایسے عقد کو ''عقدِ مُعاوَضہ'' کہتے

ہیں، جیسے بیع مطلق، مضاربہ، مشارکہ اور اجارہ وغیرہ۔

(۲) عقدِ معاوضہ (Commutative Contract):

معاہدۂ عقد میں اگر تمام فریقوں کو معاوضہ یا بدل کی صورت میں فائدہ حاصل ہو رہا ہو، تو ایسے عقد کو ''عقدِ معاوضہ'' کہتے ہیں۔ جیسے عقدِ بیع کہ اِس میں بائع کو ثمن اور مشتری کو مبیع کی صورت میں فائدہ مل رہا ہوتا ہے۔

تکافل کمپنی اِسلام کے کن اُصولوں کی بنیاد پر کام کرتی ہے؟۔

تکافل کمپنی بنیادی طور پر امدادِ باہمی کے اُصولوں پر کام کرتی ہے اور اِس کے لئے وقف، ہبہ، وکالہ اور مضاربت کے شرعی طریقۂ کار کو اختیار کیا جاتا ہے۔

تکافل اور وقف:

وقف کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیدینا تا کہ اُس کے جملہ منافع اللہ تعالیٰ کے مستحق بندوں کو ملتے رہیں یا اُن اشخاص و مصارف پر صرف ہوتے رہیں، جنہیں واقف نے اِس مقصد کے لئے متعین کیا ہو۔ چنانچہ فقہی اُصول ہے کہ ''واقف کی شرط شارع کی نَص یعنی قرآن وسنت کی طرح (اپنے محل میں) حجت ہوتی ہے''۔ مالِ وقف صدقۂ جاریہ کی طرح ہوتا ہے، جس کا ثواب واقف کو ہمیشہ ملتا رہتا ہے۔ وقف کی ہوئی چیز کو فروخت نہیں کیا جا سکتا بلکہ اُس کی اصل کو قائم رکھتے ہوئے اُس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ سب سے بہترین وقف وہ ہوتا ہے، جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو اور جس کا منافع زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے، مثلاً دینی کتابیں خرید کر وقف کر دینا تا کہ لوگ اُنہیں پڑھ کر دین کے بارے میں آگہی حاصل کریں یا جس علاقے میں پانی کی قلت ہو، وہاں کنواں کھدوا کر عام لوگوں کے لئے وقف کر دینا یا

مسجد و مدرسہ یا رفاہِ عامہ کا ہسپتال بنا دینا، وغیرہ۔

کیا واقف مالِ موقوف سے خود استفادہ کرسکتا ہے یا موقوف علیہ کو متعین کرسکتا ہے؟

شرعی نقطۂ نگاہ سے واقف نہ صرف مالِ موقوف سے خود فائدہ حاصل کرسکتا ہے بلکہ اُن لوگوں کو بھی متعین کرسکتا ہے، جو مالِ موقوف سے فائدہ حاصل کرنے کے مجاز ہونگے ۔ پہلے کی مثال ''بئرِ رومہ'' ہے کہ واقف خود بھی اُس کے پانی کو استعمال کرتے تھے۔ ہمارے ہاں لوگ مختلف اداروں میں واٹرکولر وغیرہ وقف کردیتے ہیں اور خود بھی استفادہ کرتے رہتے ہیں، جبکہ دوسرے کی مثال ''وقف علی الاولاد'' ہے، جس میں مالِ موقوف سے صرف واقف کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض لوگ ایمبولینس وقف کرتے ہیں تاکہ اُسے صرف مریضوں کی ضرورت کے لئے استعمال کیا جائے۔

تکافل پالیسی ہولڈرز (Participants) کے درمیان تعلق:

تکافل کمپنی اور تکافل پالیسی ہولڈرز کے درمیان شرعی اعتبار سے درجِ ذیل تعلق قائم ہوتے ہیں:

(الف) وقف فنڈ میں تکافل پالیسی ہولڈرز واقف اور تکافل کمپنی کی حیثیت متولیِ وقف کی ہوتی ہے۔

(ب) وقف فنڈ کی سرمایہ کاری میں تکافل کمپنی وکالہ ماڈل میں وکیل اور تکافل پالیسی ہولڈرز موکل ہوتے ہیں جبکہ مضاربت کی صورت میں تکافل کمپنی مضارب اور تکافل پالیسی ہولڈرز ربّ المال ہوتے ہیں۔

(ج) اسی طرح Participant Investment Account (PIA) میں کمپنی کی حیثیت مضارب اور تکافل پالیسی ہولڈرز کی حیثیت ربّ المال کی ہوتی ہے۔

تکافل کمپنی میں شریعہ سپروائزری بورڈ کی ضرورت اور اُس کی ذمہ داریاں:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں واضح کیا گیا ہے کہ تکافل کمپنی شریعت کے بیان کردہ قواعد وضوابط کے مطابق لوگوں کو روایتی انشورنس کا متبادل پیش کرتی ہے۔ لہذا اس امر کو یقینی بنانے کیلئے سکیورٹی اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان (SECP) کی جانب سے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ ہر کمپنی کم از کم تین مستند اور فقہ مالی (Islamic Financial Jurisprudence) کے ماہر فقہاء ومفتیانِ کرام پر مشتمل ایک ''شریعہ سپروائزری بورڈ'' قائم کرے، جس کی اوّلین ذمہ داری یہ ہو کہ وہ کمپنی کے تمام اُمور کی شرعی نگرانی کرے اور کمپنی کو پیش آنے والے مسائل پر اُن کی شرعی رہنمائی کرے۔

شرکاء (Participants) سے حاصل شدہ رقم (Contributions) کی سرمایہ کاری:

تکافل کمپنی عام طور پر شرکاء کی جانب سے حاصل شدہ رقوم کو اسلامی بینکوں، صکوک اور اُن کمپنیوں میں جن کی شریعہ سپروائزری بورڈ نے اجازت دی ہو، سرمایہ کاری کرتی ہے اور اُن سے حاصل شدہ منافع کو پہلے سے طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔

تکافل کمپنی کے کام کرنے کا طریقۂ کار:

ذیل میں تکافل کمپنی کے کام کرنے کا طریقۂ کار نکات کی صورت میں درج کیا جا رہا ہے:

۱۔ سب سے پہلے صاحبانِ حصص (Shareholders) شراکت داری کے اصول و ضوابط کے مطابق ایک تکافل کمپنی قائم کرتے ہیں جس میں ہر شریک (Sharehoder/Partner) ایک طے شدہ تناسب سے اپنا سرمایہ ملاتا ہے، اس سرمایہ کو (Paid up capital) یا ابتدائی رأس المال کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی

کیا اصول و قواعد تحریر کئے جاتے ہیں، اس کے کام کرنے کا طریقہ کار طے کیا جاتا ہے اور متعلقہ ادارہ سے اس کو منظور بھی کروایا جاتا ہے تاکہ کمپنی قانونی طور پر وجود میں آجائے۔ اس کمپنی کی حیثیت شخص معنوی یا شخص قانونی (Legal Entity) کی ہوتی ہے۔ ابتدائی راس المال سے جو فنڈ بنایا جاتا ہے اس کو (Shares Holders Fund (SHF کہا جاتا ہے اور اس کی ملکیت صاحبان حصص کے پاس ہی رہتی ہے۔

۲-اس کے بعد اسلامی فقہ خصوصاً اسلامی فقہ مالی پر دسترس رکھنے والے کم از کم تین علماء و اسکالرز پر مشتمل ایک شریعہ بورڈ قائم کیا جاتا ہے۔ یہ شریعہ بورڈ کمپنی کے قیام سے لے کر اس کے تمام مالی معاملات کی انجام پذیری کے ہر مرحلے پر نہ صرف شرعی رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ اس کے تمام معاملات کی باضابطہ نگرانی بھی کرتا رہتا ہے تاکہ غیر شرعی اُمور سے اِجتناب کیا جا سکے۔

۳-شریعہ بورڈ وقف کے شرعی اصولوں کے تحت ایک دستاویز تیار کرتا ہے، جس میں واقف، متولی، موقوف علیہم، مال موقوف، مصارف وقف، آمدن وقف وغیرہ سے متعلق قواعد وضوابط تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ سب سے اہم دستاویز ہوتی ہے اور یہی وہ بنیادی دستاویز ہے جو تکافل کو انشورنس سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ اس کے طریقہ کار کو اِسلامی شرعی اُصولوں سے بھی ہم آہنگ کرتی ہے۔

۴-اس کے بعد صاحبانِ حصص (Shareholders)، ایک مخصوص رقم سے اصل وقف قائم کرتے ہیں، اور اس کا منافع موقوف علیہم پر تصدق کر دیتے ہیں، اس طرح وہ رقم ان کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ بات ضروری ہے کہ اصل وقف قائم کرنے کے لئے جو رقم مختص کی جاتی ہے، اس سے ایسی غیر منقولہ جائیداد خریدی جائے، جس سے منافع حاصل ہوتا رہے اور تبرع کی صورت میں دیے

جانے والے عطیات سے اس کی آمدن میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔ واضح رہے کہ یہ مشروط وقف (Conditional Waqf) ہوتا ہے اور صرف طے شدہ شرائط کے تحت عطیہ دہندگان ہی اس کے موقوف علیہم (Beneficiaries) ہو سکتے ہیں۔ یہ وقف موقوف علیہم کے مستقبل کے اُن نقصانات کی تلافی کرتا ہے، جن کا ان عطیات دہندگان سے وعدہ کیا ہے، یہ سب شرائط وقف نامہ میں تحریر ہوتی ہیں ۔ اس وقف کو Participant Takaful Fund (PTF) کہا جاتا ہے اور یہ ''مِلك لِلّٰہ" ہوتا ہے۔

۵- تکافل کمپنی کا سربراہ (سی ای او) اس کا چیف متولی ہوتا ہے، جو وقف نامہ کے تحت تمام امور انجام دیتا ہے۔ کمپنی کا سربراہ کمپنی کے کاموں کی انجام دہی کے لئے ایسے افراد کا تقرر کرتا ہے، جو اس کی نگرانی میں وقف کے قواعد وضوابط کے مطابق کام کرتے ہیں۔

۶- جو افراد یا ادارے مخصوص شرائط کے تحت اس تکافل وقف فنڈ میں عطیات (Contributions) دیتے ہیں، وہ اس وقف فنڈ کے موقوف علیہم بن جاتے ہیں۔ جب وہ وقف فنڈ میں عطیہ دیتے ہیں ، تو اُن کی حیثیت عطیہ دہندگان (Participants) کی ہوتی ہے۔ عطیات ان کی ملکیت سے نکل کر وقف کی آمدن میں شامل ہو جاتے ہیں، جبکہ عطیات (Contributions) دینے کے بعد وہ موقوف علیہم (Beneficiaries) بن جاتے ہیں۔ اور وہ ضرورت کے وقت وقف فنڈ سے منفعت حاصل کرنے کے حق دار بن جاتے ہیں۔

۷- وقف نامہ میں دیے گئے اختیارات کے تحت تکافل کمپنی شرعی تقاضوں کے مطابق شریعہ بورڈ کی رہنمائی میں تبرع اور مضاربت کی بنیاد پر ایسے مالی عقود تیار کرتی ہے، جو افراد یا اداروں کی مستقبل کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اِن کو کاروباری اِصطلاح میں مصنوعات

(Products) کہا جاتا ہے، جن کی شریعہ بورڈ منظوری دیتا ہے اور ان کے شریعت کے مطابق ہونے کی سند (Shariah Compliant Certificate) جاری کرتا ہے۔اس کے بعد متعلقہ حکومتی ادارے سے بھی اس کی منظوری لی جاتی ہے، تاکہ شرعی اور قانونی تقاضوں کی تکمیل ہو جائے۔

۸-اس کے بعد وہ پروڈکٹ (Product) عوام الناس کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ جب کوئی فرد یا ادارہ اس کو حاصل کرتا ہے، تو وہ جو عطیہ دیتا ہے، وہ وقف فنڈ میں چلا جاتا ہے۔شخصی فیملی تکافل میں وقف فنڈ کے علاوہ ایک اور فنڈ بھی ہوتا ہے جو شرعی مضاربت کے اصولوں پر کام کرتا ہے ، اس دوسرے فنڈ کو Participant Investment Fund (PIF) کہا جاتا ہے۔اس میں جو رقم دی جاتی ہے اس کی ملکیت عطیہ دہندگان کے پاس ہی رہتی ہے۔کمپنی مضارب کی حیثیت سے اس رقم سے شریعت کے مطابق کاروبار کرتی ہے اور طے شدہ طریقہ کار کے مطابق شرکاء کا حصہ ان کے کھاتے میں جمع ہوتا رہتا ہے۔انشورنس اور تکافل کمپنی میں یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ انشورنس کمپنی میں حاصل ہونے والا پریمیم براہ راست انشورنس کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے یہ عقد معاوضہ بن جاتا ہے۔اور چوں کہ انشورنس میں عقد معاوضہ کی شرائط کا خیال نہیں رکھا جاتا ،اس کی وجہ سے اس میں شرعی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ، جو اس عقد (انشورنس) کو ناجائز کردیتی ہیں۔اسی بنا پر اسلام میں انشورنس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور تکافل کو اس کے متبادل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تکافل اور ری تکافل:

بیمہ کمپنیز کی طرح تکافل کمپنیز کے پاس بھی ری تکافل (Re-Takaful) کی سہولت ہوتی ہے تاکہ کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تکافل کمپنی اپنے عطیہ دہندگان کی

ضرورت کو پوری نہ کر سکے تو وہ ری تکافل کے ذریعے سے اِس کمی کو پورا کر سکے۔ واضح رہے کہ تکافل کی طرح ری تکافل بھی شرعی اُصولوں کے مطابق ہی کروائی جاتی ہے اور دنیا بھر میں اس کے کئی ماڈلز متعارف ہیں۔

تکافل اور بیمہ میں فرق:

تکافل	بیمہ
تکافل عقدِ تبرع ہے، جو امدادِ باہمی کے زریں اُصولوں کے تحت کام کرتا ہے۔	جبکہ مروّجہ بیمہ عقدِ معاوضہ کی ایک صورت ہے۔
تکافل کے تمام اُمور کی باقاعدہ نگرانی کیلئے مستند مفتیانِ کرام پر مشتمل ایک شریعہ بورڈ ہوتا ہے۔	مروّجہ بیمہ میں شرعی نگرانی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ ادارہ ہر قسم کی شرعی پابندی سے آزاد ہو کر کاروبار کرتا ہے۔
تکافل میں اگر کوئی سرپلس حاصل ہو جائے ،تو اس میں سے ممبران کو بھی حصہ مل سکتا ہے	اس میں سرپلس کا حقدار صرف ادارہ ہوتا ہے۔ پالیسی ہولڈرز کو کچھ نہیں ملتا۔
تکافل میں ممبران کی طرف سے جمع شدہ رقم کا منافع فنڈ میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے ضابطے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔	پورے منافع کا مالک ادارہ ہوتا ہے۔
تکافل کی صورت میں ادارہ وکیل کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دیتا ہے۔	اس صورت میں ادارہ ہی مالک ہوتا ہے۔
تکافل میں آنے والی رقم کا ایک حصہ وقف فنڈ کی ملکیت ہوتی ہے۔	بیمہ کے ادارے کو حاصل شدہ پریمیم پر ادارہ کی ملکیت ہوتی ہے۔

﴿باب......۱۴﴾

دعویٰ، تحالف، ابراء اور اقرار

دعویٰ (Claim):

دعویٰ کی تعریف اور اس کے بارے میں عمومی مسائل کو تحریر کرنے سے پہلے اِس کے متعلق چند احادیث مبارکہ درج کی جارہی ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا) اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ یُعْطَی النَّاسَ بِدَعْوَاھُمْ لَادَّعٰی نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالَھُمْ وَلٰکِنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِرشاد فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو محض دعوے کی وجہ سے دیدیا جائے تو کتنے ہی لوگ خون اور مال کا دعویٰ کر ڈالیں گے، لیکن مدعیٰ علیہ پر حلف ہے، (صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب الیمین علی المدعیٰ علیہ، رقم الحدیث: 1711)۔“

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّہُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ) یَقُوْلُ: مَنِ ادَّعٰی مَالَیْسَ لَہُ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: ”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص اُس چیز کا دعویٰ کرے، جو اُس کی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں اور اُس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الاحکام، باب من ادعیٰ مالیس لہ وخاصم فیہ، رقم الحدیث: 2319)۔“

دعویٰ کی اصطلاحی تعریف:

اِصطلاحِ فقہ میں ''دعویٰ'' اُس قول کو کہتے ہیں، جسے مدّعی (Plaintiff) قاضی کی عدالت میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔مجلۃ الاحکام العدلیہ میں دعویٰ کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

''دعویٰ سے مراد کسی شخص کا کسی دوسرے آدمی سے حاکم کے سامنے اپنا کوئی حق طلب کرنے کے ہیں۔(مادّہ نمبر:1613)۔''

معجم لغۃ الفقہاء میں دعویٰ کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ:

قول أمام الحاكم يطلب به قائله اثبات حقّ على الغير

ترجمہ:''دعویٰ سے مراد حاکم کے روبروپیش کئے جانے والا وہ قول ہے، جس کے ذریعے کہنے والا کسی دوسرے پر اپنے حق کو طلب کرنے کے لئے عائد کرتا ہے،(معجم لغۃ الفقہاء، صفحہ نمبر:209)۔''

اِصطلاحاتِ دعویٰ:

مدّعی (Plaintiff):

جو شخص قاضی کے سامنے یا عدالت میں دعویٰ دائر کرے، اُسے ''مدّعی'' کہتے ہیں۔فقہِ حنفی کی معروف ومشہور کتاب ہدایہ میں مدّعی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ''مدّعی وہ شخص ہے، جو اگر چاہے،تو دعویٰ سے دست بردار ہوسکتا ہے(یعنی اگر وہ دعوی کو ترک کردے تو اُسے مجبور نہ کیا جاسکے)۔

مدّعیٰ علیہ (Defendant):

جس شخص پر دعویٰ کیا جاتا ہے،اُسے فقہی اصطلاح میں مدّعاعلیہ کہتے ہیں۔جبکہ

صاحبِ ہدایہ کے مطابق ''مدعا علیہ وہ شخص ہے، جو اپنی مرضی سے دعویٰ کو ختم نہیں کرسکتا''۔

مدّعیٰ (Plaintiff):

اِس سے مراد وہ شئے ہے، جسے مدعی اپنے مدّعیٰ علیہ سے قاضی یا عدالت کے ذریعے طلب کرتا ہے۔

تناقض:

تناقض سے مراد مدّعی کا ایسا قول یا فعل ہے، جو اُس کے دعویٰ کے متناقض (Opposite) ہو اور اُس کے سرزد ہو جانے پر اُس کے دعویٰ کو باطل قرار دے دیا جائے

عرضیِ دعویٰ:

وہ بیان، جس کے ذریعے مدّعی اپنے دعویٰ کا اظہار کرے، اُسے اِصطلاحِ فقہ میں ''عرضیِ دعویٰ'' کہتے ہیں۔

قابلیتِ دعویٰ:

قابلیتِ دعویٰ سے مراد مدّعی کی وہ قابلیت ہے، جس کی موجودگی میں دعویٰ دائر کیا جاسکتا ہے۔ شرعی اعتبار سے صرف وہ شخص دعویٰ کرسکتا ہے، جو عاقل و بالغ ہو لہٰذا نابالغ اور مجنون دعویٰ نہیں کرسکتے ہیں۔ البتہ نابالغ اپنے ولی یعنی سرپرست کے ذریعے سے دعویٰ کرسکتا ہے اور اِس طرح ولی کے توسط سے اُس پر بھی دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔

دعویٰ، مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا تعین:

معاملۂ دعویٰ میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فریقین میں سے جو پہل کرے گا وہ مدّعی اور بعد والا مدّعیٰ علیہ ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ فقہاءِ کرام نے مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کی مختلف وضاحت کی ہے، جس کی رو سے کبھی دعویٰ کرنے والا مدّعی

اور جس پر دعویٰ کیا جارہا ہے وہ مدّعی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بہارِ شریعت جلد 13 دعویٰ کے بیان میں رقمطراز ہیں کہ ''دعویٰ میں سب سے زیادہ اہم جو چیز ہے وہ مدّعی ومدّعیٰ علیہ کا تعین ہے۔ اس میں غلطی کرنا فیصلے کی غلطی کا سبب ہوتا ہے۔ عام لوگ تو اُس کو مدّعی جانتے ہیں، جو پہلے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرتا ہے اور اس کے مقابل کو مدّعیٰ علیہ مگر یہ سطحی وظاہری بات ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو صورۃً مدّعی ہے وہ مدّعیٰ علیہ ہے اور جو مدّعیٰ علیہ ہے وہ مدّعی۔ فقہاء نے اس کئی تعریفات بیان کی ہیں۔ اس کی ایک تعریف یہ ہے کہ مدّعی وہ ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے کو ترک کردے، تو اسے مجبور نہ کیا جائے اور مدّعیٰ علیہ وہ ہے جسے مجبور کیا جاتا ہو مثلاً ایک شخص کے دوسرے پر ہزار روپے ہیں اگر وہ (قرض خواہ) مطالبہ نہ کرے تو قاضی کبھی اس کو دعویٰ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اگرچہ قاضی کو معلوم ہو اور مقروض اس کے دعوے کے بعد مجبور ہے۔ اس کو لامحالہ جواب دینا ہی پڑے گا۔ ظاہر میں مدّعی اور حقیقت میں مدّعیٰ علیہ کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس میری امانت ہے، دلادی جائے۔ امین یہ کہتا ہے کہ میں نے امانت واپس کردی ہے۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ اس کی امانت مجھ کو تسلیم ہے مگر میں دے چکا ہوں یہ امین کا ایک دعویٰ ہے مگر حقیقت میں امین ضمان سے منکر ہے۔ کیونکہ امین جب اَمانت سے انکار کرے تو امین نہیں رہتا بلکہ اُس پر ضمان واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا پہلے شخص کے دعوے کا حاصل طلبِ ضمان ہے اور اس کے جواب کا محصل وجوبِ ضمان سے انکار ہے اب اس صورت میں حلف امین کے ذمہ ہوگا اور حلف سے کہہ دیگا تو بات اسی کی معتبر ہوگی۔

لہذا معاملۂ دعویٰ میں درست فیصلے کے لئے یہ ضروری ہے کہ درجِ بالا اُصول کو مدِّنظر رکھتے ہوئے فریقین میں سے مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کا صحیح طور پر تعین کیا جائے وگرنہ

فیصلہ کرنے میں غلطی کا غالب اِمکان رہتا ہے۔

درستگیٔ دعویٰ کے لئے شرائط:

فقہاءِ کرام نے دعویٰ کی درستگی کے لئے درجِ ذیل اُمور کو لازم قرار دیا ہے، جن کی عدم موجودگی میں دعویٰ باطل قرار دیا جائے گا۔ دعویٰ میں اگر اِن اُمور کو لازم قرار نہ دیا جائے تو ہر شخص بغیر کسی وجہ کے دعویٰ کر کے دوسرے کو پریشان کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی اِس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) مدّعی اور مدّعیٰ علیہ دونوں کے لئے عاقل ہونا شرط ہے۔ البتہ ان کے سرپرست یا اِن کے ولی (Guardian) کسی مقدمہ میں مدّعی یا مدّعیٰ علیہ ہو سکتے ہیں۔

(۲) دعویٰ میں مدّعیٰ علیہ کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے لہٰذا کسی غیر متعین و نامعلوم شخص یا نامعلوم کمپنی کے بارے میں دعویٰ درست اور قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

(۳) جس شے کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے، وہ معلوم ہو یعنی متعین ہو لہٰذا نامعلوم شے کے بارے میں دعویٰ ردّ کر دیا جائیگا۔

(۴) دعویٰ کے وقت فریقِ مخالف یعنی مدّعیٰ علیہ کا موجود ہونا بھی دعویٰ کی درستگی کے لئے شرط ہے۔

(۵) مدّعیٰ بہ اگر جائدادِ منقولہ (Moveable) ہے اور وہ عدالت میں موجود بھی ہے تو اُس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے لیکن اگر وہ عدالت میں موجود نہیں ہے تو پھر اُس کی صفات، تعریف اور قیمت بیان کرنا ضروری ہے۔

اِس کے برعکس اگر وہ چیز جائدادِ غیر منقولہ میں سے ہے، تو اُس کی حدود بیان کر کے اُسے متعین کیا جائیگا۔ اِسی طرح مدّعیٰ بہ اگر دَین (Debt) ہے تو جنس، نوع (Kinds) اور مقدار کو بیان کرنا ضروری ہے، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر: 1260)۔

دفعِ دعویٰ:

مدّعیٰ علیہ کی طرف سے ایک ایسا دعویٰ پیش کرنا جو مدّعی کے دعویٰ کو دفع کردے، دفعِ دعویٰ کہلاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی پر کچھ روپے قرض ہونے کا دعویٰ کیا اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میں یہ قرض ادا کرچکا ہوں یا یہ کہا کہ تم اس قرض سے مجھے بری قرار دے چکے ہو یا یہ کہا کہ ہم صلح کرچکے ہیں یا یہ کہا کہ یہ رقم قرض نہیں ہے بلکہ فلاں چیز کی قیمت ہے، جو میں نے تمہارے ہاتھ فروخت کیا تھا یا یہ کہا کہ فلاں شخص کے ذمہ میرا اتنا ہی مطالبہ تھا اور میں نے اس کا حوالہ دیا تھا اور تم نے اس کے عوض مجھے یہ رقم دی تھی۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں مدّعیٰ علیہ نے ایک دعویٰ کیا ہے جو مدّعی کے دعوے کو دفع یعنی دور کردیتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص نے ایک ایسے مال کے بارے میں جو کسی دوسرے شخص کے قبضے میں ہے دعویٰ کیا کہ وہ میرا ہے اور وہ شخص جس کے قبضہ میں یہ مال ہے، اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ تو وہی مال ہے، جس کے بارے میں تم خود ہی گواہ ہو کہ یہ میری ملکیت ہے تو اس نے مدّعی کا دعویٰ دور کردیا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک میت کے ترکہ میں سے اتنی رقم کا دعویٰ کیا اور وارث کے انکار پر دعویٰ کا ثبوت دے دیا اور اس کے بعد وارث نے یہ دعویٰ کیا کہ متوفی نے اپنی زندگی میں یہ رقم ادا کردی تھی تو مدّعی کے دعویٰ کو اس نے دور کردیا۔

جس نے دفعِ دعویٰ کیا ہے اگر اس نے اپنا دعویٰ ثابت کردیا تو مدّعی کا دعویٰ دفع (ختم) ہوگیا اور اگر اس نے ثابت نہیں کیا اور مدّعی سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی سے قسم لی جائیگی۔ اگر مدّعی نے قسم سے انکار کیا تو مدّعیٰ علیہ کا دفعِ دعویٰ ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر حلف لے لیا تو مدّعی کے اصل دعویٰ کے مطابق کاروائی ہوگی۔

اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی پر کچھ رقم کا دعویٰ کیا اور مدّعیٰ علیہ نے کہا کہ میں

نے تم کو فلاں شخص پر اس رقم کا حوالہ دے دیا تھا اور تم دونوں نے اسے قبول بھی کر لیا تھا اگر مدّعی علیہ نے محال علیہ کی حاضری میں کہا تو مدّعی کا دعویٰ دور ہو گیا اور مدّعی علیہ مطالبہ سے رہائی پا گیا۔ اور اگر محال علیہ کی غیر حاضری میں کہا ہے تو مدّعی کا دعویٰ موقوف رہے گا جب تک محال علیہ حاضر نہ ہو جائے۔

تحالف(Giving Oath):

بعض اوقات قاضی کی عدالت میں ایسے معاملات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں مدّعی اور مدّعی علیہ دونوں کو قسم اُٹھانی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر خرید و فروخت کے تنازع میں فروخت کنندہ اور خریدار دونوں گواہ پیش کرنے سے عاجز ہیں اور مفاہمت پر بھی تیار نہیں تو پھر دونوں سے قسم لی جائیگی۔ اس عمل کو اصطلاحِ فقہ میں ''تحالف'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورتیں:

بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی درجِ ذیل چند صورتیں ہیں:

(۱) مقدارِ ثمن میں اختلاف:

اِس کی صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ اور خریدار میں سے ایک مثلاً 5 روپے ثمن کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ دوسرا 10 روپے کا دعویٰ دار ہے۔

(۲) وصفِ ثمن میں اختلاف:

مثلاً فریقین میں سے ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ ثمن میں کویتی دینار مقرر کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے کے مطابق عراقی دینار۔

(۳) جنسِ ثمن میں اختلاف:

جنسِ ثمن میں اختلاف ہونے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک فریق روپے کو ثمن قرار دے، جبکہ دوسرا ڈالر کو۔

(۴) مقدارِ مبیع میں اختلاف:

مقدارِ مبیع میں اختلاف کی صورت یہ ہے کہ ایک فریق یہ دعویٰ کرے کہ مبیع کی مقدار ایک کلو ہے، جبکہ دوسرا دو کلو کا دعویٰ کرے۔

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں شرعی اُصول یہ ہے کہ فریقین میں سے جو اپنے دعوے کو شرعی گواہوں سے ثابت کردے قاضی اُس کے حق میں فیصلہ صادر کرے گا اور صورتِ حال اگر ایسی ہو کہ فریقین میں ہر ایک اپنے دعوے کو گواہوں کے ذریعے ثابت کردے تو فیصلہ اُس کے حق میں ہوگا، جو زیادتی کا دعویٰ کرے۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں فروخت کنندہ یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک کلو آٹا 30 روپے میں فروخت کیا اور خریدار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے دو کلو آٹا 25 روپے میں خریدا اور دونوں نے گواہ بھی پیش کردیئے تو مذکورہ صورت میں شرعی اعتبار سے فیصلہ یہ ہوگا کہ خریدار 30 روپے ادا کرے اور وہ دو کلو آٹا فرخت کنندہ سے لے کیونکہ فروخت کنندہ نے ثمن زیادہ بتایا ہے لہذا فیصلہ اُس کے مطابق ہوگا اور چونکہ خریدار نے مبیع کی مقدار زیادہ بیان کی ہے لہذا اُسے مبیع زیادہ ملے گی۔

اگر ایسی صورت ہو کہ فریقین میں سے ہر ایک گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو، تو خریدار کو فروخت کنندہ کی قیمت پر رضامند کیا جائیگا ورنہ معاملۂ بیع فسخ ہو جائیگا اور اگر فریقین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات ماننے پر تیار نہ ہوں تو، پھر دونوں سے حلف یعنی قسم لی جائیگی۔

حلف پہلے کون دے گا:

اِس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع مطلق ہے، تو پہلے خریدار سے حلف لیا جائیگا اور پھر فروخت کنندہ سے اور اگر بیع مقایضہ ہے (جس میں ثمن و مبیع دونوں عین یعنی سامان ہو) تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ جس سے چاہے پہلے حلف لے۔

تحالف کی درستگی کی شرائط:

(۱) مبیع موجود ہو۔

تحالف کی درستگی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس شئے یعنی مبیع پر تحالف ہو رہا ہو، وہ موجود ہو۔ اگر مبیع کلی یا جزوی طور پر:

(۱) استعمال ہوگئی (۲) یا ضائع ہوگئی

(۳) یا مشتری کی ملکیت سے نکل کر کسی اور کی ملکیت میں چلی گئی ہے، تو تمام صورتوں میں تحالف درست نہیں ہوگا۔ ہلاکت اگر فروخت کنندہ کے پاس رہتے ہوئے ہوئی، تو بیع ہی فسخ ہو جائیگی، لہذا تحالف کی ضرورت نہیں اور اگر خریدار کے قبضے میں آنے کے بعد ہوئی ہو اور مبیع کے بارے میں کوئی تنازع نہیں بلکہ ثمن (قیمت) کے بارے میں فریقین کے درمیان اختلاف ہے تو حلف کے ساتھ مشتری کا قول قابلِ قبول ہوگا۔ اسی طرح مبیع خریدار کی ملکیت سے نکل کر کسی اور کی ملکیت میں چلی گئی یا اُس میں کوئی ایسا عیب ظاہر ہوگیا کہ جس کی وجہ سے واپسی ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں بھی خریدار کا قول حلف کیساتھ معتبر ہوگا اگر مبیع میں کوئی زیادتی (زیادتِ متصلہ یا زیادتِ منفصلہ) ہوگئی ہو، تو بھی تحالف جائز نہیں

بیع مقایضہ میں دونوں (مبیع و ثمن) یا دونوں میں کسی ایک کی موجودگی میں تحالف ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر دونوں ہی ہلاک یا استعمال ہو جائیں، تو پھر تحالف نہیں ہوسکتا ہے۔

جزوی طور پر استعمال یا ضائع ہونے کی صورت میں مبیع کا جو حصہ استعمال ہو چکا ہے اُس کی

قیمت چھوڑ کر باقی میں تحالف کیا جائے۔

تحالف صرف ثمن ومبیع میں اختلاف کی صورت میں ہے۔

تحالف صرف اِس صورت میں ہوتا ہے، جب فریقین میں ذاتِ ثمن یا مبیع میں اختلاف ہو۔ اگر اِن کے علاوہ کسی اور شئے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر تحالف نہیں ہوگا۔ مثلاً ثمن کے میعاد میں یا رہن کے رکھنے یا نہ رکھنے میں اختلاف ہو جائے وغیرہ۔ اس قسم کے اختلاف میں صرف منکر (انکار کرنے والے) پر حلف یعنی قسم ہوگی۔

اِبراء (Release)

کسی شخص کا دوسرے کو اُن تمام حقوق سے بری الذمہ قرار دینا، جس کا دعویٰ اُس نے کیا تھا چاہے حق کو لیکر یا حق چھوڑ کر "اِبراء" کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ فلاں شخص پر میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے اور وہ میری طرف سے بری الذمہ ہے۔

اِبراءِ اِسقاط (Release by way of Renunciation):

اگر مدّعی نے مدّعیٰ علیہ سے اپنا حق لئے بغیر اُسے اپنے تمام حقوق سے بری الذمہ قرار دے کر اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا ہو تو اُس کا اِس طریقے سے ابراء کرنا فقہی اصطلاح میں "ابراءِ اسقاط" ہے۔

اِبراءِ اِستیفاء (Release by Admission of Payment):

اگر مدّعی نے صلح کی صورت میں مدّعیٰ علیہ سے اپنے تمام حقوق لینے کے بعد مدّعیٰ علیہ کے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیا تو یہ عمل "ابراءِ استیفاء" ہے۔

اِبراءِ خاص (Special Release):

کسی خاص چیز کی ذمہ داری سے کسی کو بری قرار دینا ابراءِ خاص ہے۔ مثلاً کسی کو

مخصوص مکان کے دعویٰ سے بری قرار دینا۔

اِبراءِ عام(General Release):

اگر کسی کو کوئی خاص چیز کی ذمہ داری سے بری قرار دینے کی بجائے تمام حقوق سے بری الذمہ قرار دیا جائے تو یہ "ابراءِ عام" کہلاتا ہے۔

اِقرار(Permission):

کسی شخص کا خود پر کسی دوسرے کے حق کے بارے میں خبر دینا اقرار کہلاتا ہے۔

اِصطلاحاتِ اقرار:

مِقر (Admitter): اقرار کرنے والا

مقرلہ(Admitted): جس شخص کے حق میں اقرار کیا گیا ہو۔

مقَر بہ(Admitted Goods): جس شئے یا مال کے بارے میں مقر نے اقرار کیا ہو

اِقرار کی درستگی کے شرائط:

(۱) عاقل و بالغ ہو۔ (۲) اپنی رضامندی سے اقرار کیا ہو۔

(۳) مقر مجور نہ ہو یعنی اُس کے پاگل پن یا کم عقلی کی وجہ سے معاہدہ کرنے سے روکا نہ گیا ہو۔ (۴) مقرلہ مجہول نہ ہو یعنی جس شخص کے حق میں اقرار کیا گیا ہو وہ معلوم شخص ہو۔

اِقرار میں رجوع:

اس حوالے سے شرعی اُصول یہ ہے کہ مقر بہ (جس شئے کا اقرار کیا گیا ہو) کا تعلق

(۱) حقوق العباد سے ہوگا (۲) یا حقوق اللہ سے

اگر مقر بہ کا تعلق حقوق العباد سے ہوگا تو اقرار سے رجوع جائز نہیں ہے اور حقوق اللہ سے ہو، تو پھر مقر کے لئے اقرار سے رجوع کرنا جائز ہوگا۔

باب......۱۵

غصب(Wrongful Appropriation):

اسلام نے انسان کی جان اور عزت وآبرو کی طرح اُس کے مال کو بھی حرمت (عزت) والا قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی کے مال کو ناحق چھین لینے یا اُس پر قبضہ کرنے کو شریعتِ اسلامیہ نے ایک قبیح اور قابلِ مذمت عمل قرار دیکر اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے سدِّ باب کے لئے ایسے قوانین بنائے ،جن پر عمل کر کے معاشرے کو اس قبیح فعل سے پاک کیا جا سکتا ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ:''اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ،اور نہ (بہ طورِ رشوت) وہ مال حاکموں کو دو تا کہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ،(سورۂ بقرہ،آیت 188:)''۔

چوری کے ذریعے مال غصب کرنے والوں کی سزا قرآنِ مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ☆

ترجمہ:''اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ اُن کے کئے ہوئے کی سزا ہے (اور) اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ

بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔(سورۂ مائدہ، آیت:38)۔"

سورۂ لیل میں ناجائز مال جمع کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى ☆

ترجمہ:"اس کا مال اسے (اوندھا) کرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا،(سورۃ اللیل، آیت ۱۱)۔"

اس حوالے سے ذیل میں چند احادیث درج کی جارہی ہیں:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ

ترجمہ:"میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ایک بالشت زمین ظلم کے ساتھ لے لی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنا حصہ طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا،(صحیح بخاری، کتاب المظالم،، باب اثم من ظلم شیئا من الارض، رقم الحدیث 2452)۔"

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ

ترجمہ:"نبی صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کسی کی زمین میں سے کچھ بھی ناحق لے لیا تو قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائیگا،(صحیح بخاری، کتاب المظالم،،

باب اثم من ظلم شیئا من الارض، رقم الحدیث:2454)۔"

عَنْ يَعْلِى بْنِ مُرَّةٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُلِّفَ اَنْ يَّحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ

ترجمہ: "یعلی بن مرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: جس نے ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرلیا تو قیامت کے دن اسے یہ تکلیف دی جائیگی کہ وہ اس زمین کی مٹی اٹھا کر میدانِ حشر میں لائے۔ (کنز العمال، الاکمال من کتاب الغصب من قسم الاقوال، رقم الحدیث:30351)۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا: "تمہارے خون، اموال اور عزتیں ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں"۔ (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دِمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ "مسلمان کا خون، اس کی آبرو اور اس کا مال دوسرے مسلمان کیلئے حرام ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتکارہ، رقم الحدیث:2564)۔"

کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا کس قدر برا فعل ہے، اِس کا اندازہ درجِ ذیل احادیث مبارکہ سے ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن غصب کرنے والوں کو کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ

ترجمہ: جس نے کسی کی زمین ناحق غصب کی، تو وہ قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق

تک دھنسا دیا جائے گا، (اس کو بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا)، (صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب اثم من ظلم شیئا من الارض، رقم الحدیث: 2454)۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

اَیُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ کَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَّحْفِرَهُ حَتّٰی یَبْلُغَ اٰخِرَ سَبْعِ اَرْضِیْنَ، ثُمَّ یُطَوَّقَهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ

ترجمہ: "جو شخص (کسی کی) ایک بالشت زمین ناحق لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف دے گا کہ وہ اس زمین کو کھودے یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے آخر تک پہنچے گا پھر قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے گا، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہو کر فیصلہ فرما دیا جائے (اس کو طبرانی، احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، (مسند احمد بن حنبل، حدیث یعلی بن مرۃ الثقفی، رقم الحدیث: 18037)۔" ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَخَذَ شَیْئًا مِّنَ الْاَرْضِ بِغَیْرِ حِلِّهٖ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ لَایَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا

ترجمہ: "جو کسی کی زمین ناجائز طور پر لے تو اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق ڈالے گا (اور) نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ ہی نفل، (المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5306)۔"

غصب کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ بیان کرنے کے بعد اب غصب کی فقہی تعریف اور اس کے شرعی احکام درج کیے جا رہے ہیں۔

غصب کی تعریف:

کسی کے مال کو زبردستی چھین لینا، ''غصب'' ہے۔ جو کوئی بھی کسی کا مال تھوڑا یا زیادہ غصب کرے، اُس پر شرعاً ضروری ہے کہ مالِ مغصوب کو فوری طور پر اُس کے اصل مالک کو لوٹا دے اور اگر اُس نے مال ضائع یا خرچ کر دیا ہو، تو اِس کا ضمان (نقصان کا ازالہ) ادا کرے، مالِ مثلی ہونے کی صورت میں اُس کی مثل اور مثل نہ ہونے کی صورت میں یومِ انقطاع کی قیمت اور مالِ قیمی ہونے کی صورت میں یومِ غصب کی قیمت واجب ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں غصب کی درجِ ذیل تعریف کی گئی ہے:

الغصب: هو اخذ مال أحدٍ و ضبطه بدون اذنه و يقال للآخذ غاصب و للمال المضبوط مغصوب و لصاحبه مغصوب منه

ترجمہ: ''غصب سے مراد کسی کے مال پر مالک کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لینا یا اسے لے لینا ہے۔ جو قبضہ کرتا ہے، وہ غاصب، جس کا مال ہوتا ہے وہ مغصوب منہ اور وہ مال مغصوب کہلاتا ہے، (مادّہ نمبر: 881)۔''

اصطلاحاتِ غصب:

غاصب: کسی کے مال پر بغیر کسی شرعی حق کے قبضہ کرنے والا ''غاصب'' کہلاتا ہے۔

مغصوب منہ: وہ شخص، جس کا مال ناحق لے لیا گیا ہو، وہ ''مغصوب منہ'' ہے۔

مالِ مغصوب: جس چیز پر کسی نے ناحق قبضہ کر لیا ہو، اُسے ''مالِ مغصوب'' کہا جاتا ہے۔

مالِ مغصوب کے احکام:

مالِ مغصوب کی واپسی اور ضمان:

مالِ مغصوب کا شرعی حکم یہ ہے کہ غاصب پر لازم ہے کہ وہ فوراً اُسے اُس کے

حقیقی مالک کو اُسی مقام پر واپس کردے، جہاں سے اُس نے مال کو غصب کیا تھا۔ اگر مالک سے غاصب کی ملاقات کسی اور مقام پر ہوگئی ہو، تو مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہی اپنا مال واپس لے لے یا غصب کی جگہ پر دینے یا پہچانے کا مطالبہ کرے۔ دوسری صورت میں مال کے پہچانے کے تمام اخراجات غاصب برداشت کرے گا۔ اسی طرح اگر غاصب کسی ایسے مقام پر مال واپس کررہا ہے، جہاں مال لینے میں مالک کو خطرہ ہے تو، مالک اُس وقت لینے سے انکار کرسکتا ہے۔ مقامِ غصب کے پاس حوالگی کے بعد غاصب ضمان سے بری الذمہ ہوجائیگا۔

اگر غاصب نے مالِ مغصوب کو مالک کے پاس اِس طور پر رکھ دیا کہ مالک کے لئے اُس مال پر قبضہ بالکل ممکن ہو، تو یہ مالک کو سپرد کرنا سمجھا جائیگا اگرچہ حقیقی طور پر مالک نے مال پر قبضہ نہ لیا ہو۔

مغصوب منہ اگر ایسا بچہ ہو، جو صاحب تمیز اور مال کی حفاظت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، تو اُس مال کو واپس نہیں کیا جائیگا بلکہ اُس کے ولی (سرپرست) کو واپس کیا جائیگا۔

غاصب کی کوتاہی یا عدمِ کوتاہی کی وجہ سے مالِ مغصوب اگر ضائع ہوجائے یا اُس کی قیمت میں کمی واقع ہوجائے تو ہر دو صورت میں غاصب پر ضمان (حقیقی نقصان کا ازالہ) لازم آئیگا۔

ضمان کی ادائیگی کی صورت یہ ہوگی کہ اگر مالِ مغصوب ذوات القیمت سے ہو، تو اُس کی قیمت ادا کی جائیگی اور اگر وہ ذوات الامثال سے ہو، تو اُسی کی مثل شئے دی جائیگی۔ اسی طرح مالِ مغصوب کی قدر میں کمی آنے کی صورت میں یہ دیکھا جائیگا کہ وہ مالِ مغصوب کی پوری قیمت کی چوتھائی سے کم ہے یا برابر یا زیادہ ہے، پہلی صورت میں ضمان کی ادائیگی اِس طرح ہوگی کہ مغصوب منہ اپنا مال اور جتنی قیمت کم ہوئی ہے وہ لے گا جبکہ

دوسری اور تیسری صورت میں اُسے اختیار ہے کہ چاہے تو مال اور قیمت لے یا صرف پوری قیمت کا مطالبہ کردے۔ مال کی قیمت کے گھٹ جانے پر غاصب پر ضمان لازم نہیں آئیگا۔

ضمان کی ادائیگی میں یہ شرط بھی ہے کہ مالکِ مال قیمت پر حقیقۃً قبضہ کرچکا ہو۔ مال کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اگر غاصب ضمان ادا کرے تو مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ حقیقی مال کا مطالبہ کرنے کی بجائے قیمت وصول کرلے۔ اُس کے انکار کی صورت میں غاصب حاکم کے پاس یہ معاملہ لے جاسکتا ہے، جسے لینے پر مجبور کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

غصب صرف یہ نہیں ہے کہ کوئی کسی کے مال پر ظاہری طور پر قبضہ کرکے اپنی تحویل میں لے لے بلکہ ایسی صورتِ حال کا پیدا کرنا، جس کی وجہ سے مال اپنے حقیقی مالک تک نہ پہنچ پائے، غصب شمار ہوتا ہے، مثال کے طور پر امین سے جب امانت طلب کی گئی تو اُس نے دینے سے انکار کردیا۔ ایسی صورت میں اگر مال ضائع ہوگیا تو امین پر ضمان کی ادئیگی لازم ہوگی کیونکہ اب وہ غاصب کی طرح ہوجائیگا۔

مالِ مغصوب میں تبدیلی:

غاصب نے مالِ مغصوب میں اپنے مال کے اضافہ سے ایسی تبدیلی کردی، جس کی وجہ سے اُس میں تغیرِ حال واقع ہوگیا، تو مغصوب منہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اضافی قیمت ادا کرکے اپنا مال یا اُس مال کی قیمت لے لے۔ مثلاً کسی نے کپڑے کو غصب کرکے اُس کو رنگ دیا تو مالکِ کپڑا اُس کی بڑھی قیمت دے کر کپڑا بھی لے سکتا ہے یا وہ کپڑا نہ لے بلکہ اُس کی قیمت لے لے۔ لیکن اگر غاصب کے عمل کی وجہ سے مالِ مغصوب میں ایسی تبدیلی آگئی کہ جس سے اُس کا نام ہی تبدیل ہوگیا تو اب غاصب پر اُس کا ضمان ہی لازم آئیگا۔ مثلاً گندم کو غصب کرکے اُسے پیس دیا یا بودیا وغیرہ۔

اگر مالِ مغصوب پھل وغیرہ ہو اور اِس کی حالت میں تبدیلی ہوگئی ہو مثلاً وہ سوکھ

گیا ہو، تو مالکِ مال کو اختیار حاصل ہے کہ وہی پھل واپس لے یا اُس کی قیمت کا مطالبہ کرے۔

مالِ مغصوب کی قدر میں فطری تبدیلی کی وجہ سے اضافہ ہو، تو اُس کا حقدار مغصوب منہ ہوتا ہے۔ مثلاً جانور نے بچہ دیدیا یا درختوں پر پھل آ گیا وغیرہ۔ ان اشیاء کے تلف ہو جانے پر مال مغصوب کے تلف ہو جانے کی طرح غاصب پر ضمان ہو گا۔

اشیائے غیر منقولہ کا غصب:

غصب میں اشیائے منقولہ کی طرح غیر منقولہ کو بھی واپس کرنا غاصب کے لئے ضروری ہے، اگر جائیداد میں غاصب کے کسی عمل کی وجہ سے نقص پیدا ہو گیا یا اُس کی قیمت میں کمی آ گئی ہو، تو غاصب پر اس کا مداوا کرنا یعنی ضمان دینا لازم ہو گا۔

☆☆☆

باب......۱۶

حجر، اذن اور اکراہ

حجر (Interdiction):

اپنے گردو پیش نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی عقل وفہم اور سمجھ بوجھ کے اعتبار سے مختلف مراتب پر مشتمل ہوتی ہے۔ بچپن میں اُس میں سمجھ بوجھ کی کمی ہوتی ہے۔ زمانۂ شباب میں جسم کی طرح وہ ذہنی اور عقلی اعتبار سے بھی توانا ہوتا ہے اور پھر بڑھاپے میں دوبارہ بچپن کی طرح ذہنی وجسمانی کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہذا عقل وفہم کی کمی کی وجہ سے انسان بسا اوقات مالی معاملات میں نقصان اُٹھالیتا ہے۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے لہذا اس نے ناسمجھ لوگوں کو اِس قسم کے نقصان وضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں ہر قسم کے قولی تصرفات (Verbal Transactions) سے روک دیا۔ ناسمجھ بچوں کو اِس قسم کے تصرّفات سے روکنے کو ''حجر'' کہا جاتا ہے۔

اگر کسی عقل مند شخص کے عمل سے کسی کا مالی نقصان ہو رہا ہو، تو بعض اوقات اسے بھی دوسروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مالی تصرّفات سے روک دیا جاتا ہے جیسے قرض دار کو قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اُس کے مال میں تصرف سے روک دیا جائے تاکہ قرض خواہ کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح جس مال پر کئی افراد کا دعویٰ ہو، تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ آنے سے پہلے ہر ایک کو اُس مال میں تصرف سے روک دینا یہ بھی حجر ہی کی صورت ہوگی۔ آج کل عدالتوں کے ذریعے حکمِ امتناعی (Stay Order) حجر ہی کی ایک صورت ہے۔

ذیل میں حجر کے حوالے سے چند آیاتِ قرآنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث درج کی جارہی ہیں۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُم قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ☆

ترجمہ: ”اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو، جن کو اللہ نے تمہاری گزراوقات کے ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو، (سورۂ نساء، آیت:5)۔

وَابْتَلُو الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ

ترجمہ: اور یتیموں کا (بہ طورِ تربیت) امتحان لیتے رہو، حتٰی کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو، تو ان کے مال ان کے حوالے کردو ، (سورۂ نساء، آیت:6)۔

حدیث شریف:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا كَانَ فِیْ عُقْدَتِهٖ ضَعْفٌ وَكَانَ يُبَايِعُ وَاَنَّ اَهْلَهٗ اَتَوُا النَّبِیَّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُحْجُرْ عَلَيْهِ، فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَا اَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ: اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَاءَ وَهَاءَ وَلَا خِلَابَةَ

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابی) خرید و فروخت میں اکثر دھوکہ کھاجاتے تھے، اِن کے گھر والوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مجور کردیں یعنی معاملات کرنے سے روک دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کرنے سے رکنے کا حکم دیا۔ اُنہوں نے عرض کیا: یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خرید وفروخت سے رک نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم خرید وفروخت کو نہیں چھوڑ سکتے تو جب بھی بیع کرو، تو یہ کہہ دیا کرو" دھوکہ نہیں ہے"، (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فیمن یخدع فی البیع، رقم الحدیث:1248)۔"

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: اَلَمْ تَعْلَمْ؟اَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنْ ثَلاثَةٍعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یُفِیْقَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یُدْرِکَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تین (قسم) کے لوگوں سے قلم اُٹھالیا گیا ہے:

(١) پاگل سے یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہوجائے۔ (٢) بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے۔ (٣) اور سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ)"

حجر کی اصطلاحی تعریف:

کسی کو عدمِ بلوغت، جنون یا غیر عاقل ہونے کی وجہ سے اُس کی اپنی ہی جائداد میں قولی تصرف سے روک دینا "حجر" کہلاتا ہے۔ جسے تصرف سے روکا جاتا ہے، وہ "مجور" کہلاتا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں حجر کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

الحجر : هو منع شخص مخصوص عن تصرفه القولی

یعنی حجر سے مراد کسی مخصوص شخص کو قولی تصرف سے منع کر دینا ہے، (مادّہ نمبر:941)۔

اِصطلاحاتِ حجر:

(١) مجورِ اصلی:

اِس سے مراد وہ مجور ہے، جو اپنی ذات کے اعتبار سے مجور ہو، جیسے نابالغ

بچہ، مجنون اور معتوہ (مخبوط الحواس) وغیرہ۔ یعنی اِن سب کو اپنے قول سے کسی تصرف کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

(۲) مجورِ غیر اصلی:

وہ شخص جو اپنی ذات کے اعتبار سے مجور نہ ہو بلکہ کسی خارجی وجہ سے اُسے مجور قرار دے دیا گیا ہو، جیسے کسی قرض دار کو قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے حاکم کی طرف سے مجور قرار دے دینا وغیرہ۔

معتوہ (مخبوط الحواس):

ایسا شخص جس میں کسی بات یا معاملے کو سمجھنے کی صلاحیت موجود نہ ہو، جس کی گفتگو بے ربط باتوں پر مشتمل ہو اور اُس کی ہر تدبیر فاسد ہو اُسے "معتوہ یعنی مخبوط الحواس" کہتے ہیں

سفیہ (بیوقوف):

اصطلاحِ فقہ میں سفیہ سے مراد ایسا شخص ہے، جو اپنے مال کو بے موقع محل اور بے اعتدالی کے ساتھ خرچ کرے یعنی اپنے مال کو بے مقصد کاموں میں ضائع کر دے۔

رشید (عقلمند):

ایسا شخص، جو اپنے مال کی حتی الوسع حفاظت کرے اور اُسے بے مقصد اور فضول کاموں میں صرف کرنے سے گریز کرے، اُسے "رشید" کہتے ہیں۔

صغیر غیر ممیّز (ناسمجھ بچہ):

ایسا ناسمجھ بچہ جو خرید و فروخت کا مفہوم نہیں سمجھتا، یعنی یہ نہیں جانتا کہ فروخت کرنے سے شئے سے اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور خریدنے سے ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ظاہر اور واضح دھوکے اور معمولی دھوکے میں فرق نہیں سمجھتا، ایسے بچے کو

اِصطلاحِ فقہ میں ''صغیرِ غیر ممیز'' کہا جاتا ہے۔

صغیر ممیز (سمجھ دار بچہ):

معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ صغیرِ غیر ممیز کا مخالف ہے یعنی ایسا بچہ، جو خرید و فروخت کا مطلب سمجھتا ہو اور ظاہری اور معمولی دھوکے میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اُسے ''صغیرِ ممیز'' کہتے ہیں۔

مجور قرار دینے کا اختیار کسے ہے؟۔

شریعت نے کسی کی کم فہمی و کم عقلی کی وجہ سے اُسے تصرفاتِ قولی سے عارضی طور پر مجور قرار دینے کی اجازت تو دی ہے لیکن مجور قرار دینے کا اختیار ہر کسی کو نہیں دیا بلکہ اِس کے لئے کچھ شرائط عائد کی ہے تاکہ حجر کی اجازت کو کوئی اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کر کے کسی کو مالی اعتبار سے نقصان نہ پہنچائے۔ ذیل میں اُن شرائط کو درج کیا جا رہا ہے۔

(۱) نابالغ بچہ، پاگل، بیوقوف اور قرض خواہوں کی درخواست پر قرض دار کو مجور قرار دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے۔

(۲) اِسی طرح کسی شخص کو مجور قرار دینے سے قبل ضروری ہے کہ نہ صرف اُس کا سبب واضح طور پر بیان کیا جائے بلکہ لوگوں میں اُس کا اعلان بھی کر دیا جائے۔

(۳) جس شخص کو حاکم کی طرف سے مجور قرار دیا جا رہا ہو، اُس کو عدالت میں ہونا ضروری نہیں، بلکہ اُس کی عدم موجودگی میں بھی مجوری کا فیصلہ سنایا جا سکتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ اُس تک اِس کی اطلاع دے دی جائے۔ اطلاع ملنے سے قبل اُس نے جو معاہدے اور معاملات کئے ہونگے وہ سب نافذ العمل ہونگے۔

(۴) حاکم کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی ایسے شخص کو، جس کے قول و عمل سے لوگوں کو نقصان

پہنچ رہا ہو اس کو مکمل طور پر ہر طرح کے قولی و فعلی معاملات میں مجور قرار دے۔ جیسے کسی ایسے تاجر کو جس کی صناعت سے لوگوں کو نقصان پہنچ رہا ہو یا جاہل طبیب وغیرہ۔

(۵) امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک کسی آزاد، عاقل اور بالغ کو مجور قرار نہیں دیا جاسکتا، چاہے وہ بیوقوفی کی وجہ سے مال کو بے جا اور عقل وشرع کے خلاف خرچ کرتا ہو۔ اسی طرح اگر خرید وفروخت میں بھی صحیح طور پر معاملہ نہیں کرتا ہے جیسے ایک روپیہ کی چیز کو دس یا پانچ میں خرید لیتا ہے یا دس کی چیز بلاوجہ ایک روپیہ میں فروخت کردی وغیرہ۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے برعکس صاحبین (امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) کے نزدیک ان صورتوں میں بھی حجر کیا جاسکتا ہے اور صاحبین ہی کے قول پر ہی فتویٰ دیا گیا ہے

(۶) کسی فاسق کو اُس کے فسق وفجور کی وجہ سے مجور قرار نہیں دیا جاسکتا، جب تک کہ وہ اپنے مال میں فضول خرچی اور بربادی کا عمل نہ کرے۔

حجر صرف قول میں ہے فعل میں نہیں۔

(۱) حجر میں مجور کے صرف قولی فعل کو معتبر نہیں سمجھا جائیگا البتہ فعلی تصرفات میں اُس کا عمل قابلِ اعتبار ہوتا ہے یعنی ان کے افعال کو کالعدم (Void) نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس کا اعتبار کیا جائے گا لہذا کسی نابالغ یا مجنون شخص نے کسی کی کوئی چیز ضائع کردی تو اُس پر ضمان یعنی حقیقی نقصان کا ازالہ واجب ہوگا اور نقصان کی تلافی فوری طور پر کی جائیگی۔

(۲) بچہ نے کسی سے قرض لیا یا اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی یا اس کو کوئی چیز عاریت پر دی گئی یا اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی گئی اور یہ سب کام اُس کے ولی کی اجازت کے بغیر ہوئے اور بچہ نے وہ چیز ضائع کردی تو ضمان واجب نہیں ہوگا (درمختار)۔

جس آزاد عاقل بالغ پر حجر ہوا اس کے وہ معاملات جو فسخ ہوسکتے ہیں اور ہزل (دھوکے) سے باطل بھی ہوجاتے ہیں ان میں حجر ہوسکتا ہے اور اس صورت میں مجور نابالغ عاقل شخص

کی طرح ہوتا ہے لیکن جو تصرفات یا معاملات ایسے ہیں کہ جو منسوخ نہ ہوسکیں اور نہ ہزل سے باطل ہوتے ہوں ان میں حجر نہیں ہوتا لہذا نکاح، طلاق، وجوب زکوۃ وفطرہ، حج و دیگر بدنی عبادات، اپنے اور اہل وعیال پر اور ان لوگوں پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے، نیک کاموں میں ایک تہائی تک وصیت کرنا اور عقوبات کا اقرار کرنا یہ وہ معاملات ہیں، جو حجر کے باوجود بھی درست ہیں اور ان کے علاوہ جن میں ہزل کا اعتبار ہے وہ قاضی کی اجازت پر موقوف ہوگا یعنی قاضی اگر نافذ کر دے گا تو نافذ ہو جائیں گے،

(درمختار، ردالمحتار)

صغیر غیر ممیّز و صغیر ممیّز کے متعلق چند اہم مسائل:

(۱) صغیرِ غیر ممیّز کا ہر قولی تصرف قابلِ اعتبار نہیں ہوتا ہے اگرچہ اُس نے یہ عمل ولی (Guardian) کی اجازت سے کیا ہو۔

لیکن اگر کسی صغیر ممیّز نے کوئی ایسا معاملہ کیا ہو، جس میں اُس کا نفع ہی نفع ہو اور نقصان بالکل نہ ہو، تو وہ ولی کے اجازت کے بغیر بھی قابلِ عمل ہو جائیگا مثلاً کسی نے اُسے تحفہ دیا ہو اور اُس نے تحفہ قبول کرلیا ہو۔ اور اگر اِس معاملے سے صغیر ممیّز کا مطلق نقصان ہو رہا ہو، تو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوگا اگرچہ ولی نے اُس کی اجازت دیدی ہو، مثلاً اُس نے اپنی کوئی چیز کسی شخص کو تحفہ میں دیدی ہو۔

صغیرِ غیر ممیّز کا کوئی ایسا معاملہ جو یکساں طور پر نفع ونقصان دونوں کا احتمال رکھتا ہو، اُس کا انعقاد (Execution) ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا یعنی ولی کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی صوابدید پر منعقد ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر دے۔

اذن (Permission):

ایسا شخص جس کو کسی وجہ سے مجور قرار دے دیا گیا ہو، اُس وجہ کے ختم ہو جانے پر دوبارہ سے تصرفاتِ قولی کی اجازت دینے کے عمل کو ''اذن'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جس شخص کو اجازت دی جاتی ہے اُسے ''ماذون'' کہتے ہیں۔

مجنون مطبّق: اِس سے مراد وہ پاگل شخص ہے، جو مستقل طور پر پاگل ہی رہے۔

مجنون غیر مطبّق: اِس سے مراد وہ پاگل شخص ہے، جو کبھی پاگل رہے اور کبھی پاگل نہ رہے

اِکراہ (Constraint):

اِسلام نے زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح مالی معاملات کی درستگی اور وقوع پذیر ہونے کے لئے باہمی رضامندی (Mutual Consent) کو ایک لازمی عنصر قرار دیا ہے۔ لہذا ایسا مالی معاملہ جو زور و جبر کی وجہ سے کیا جائے اور جس میں کسی ایک فریق یا فریقین کو ڈرا دھمکا کر زبردستی معاملہ کرنے پر آمادہ کیا جائے، اسلام اسے جائز اور نافذ العمل قرار نہیں دیتا اور ماحول کے سازگار ہو جانے کے بعد مکرَہ (جس کے ساتھ زبردستی کی گئی) کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے تو معاملے کو منسوخ کر دے۔ ڈرا دھمکا کر کرائے جانے کا یہ عمل اصطلاح میں ''اکراہ'' کہلاتا ہے۔ ذیل میں اکراہ یعنی زور و جبر کے ساتھ معاملہ کرنے کے شرعی مسائل درج کئے جا رہے ہیں:

اِکراہ کی تعریف:

اِکراہ کے لغوی معنیٰ ''زبردستی کرنے'' کے ہیں، جبکہ اِس کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے کام کرنے پر مجبور کرنا، جس کو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر مکرِہ (زبردستی کرنے والا) نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا، جس سے ثابت ہوا کہ اُس نے

مکرَہ (جس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے) کو اپنی مرضی کے خلاف کام پر مجبور کیا ہو، مگر مکرَہ جانتا ہے کہ یہ شخص ظالم و جابر ہے، جو کچھ یہ کہتا ہے اگر میں نے نہ کیا تو مجھے جان سے ماردیگا یا میرے کسی عضو کو ضائع کردے گا تو یہ صورت بھی اِکراہ ہی کی ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اکراہ کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

اکراہ کے معنیٰ کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر کسی ناحق عمل کے لئے خوف دلا کر مجبور کرنے ہیں۔ جس کو مجبور کیا جائے، اُسے "مکرَہ" (ر پر زبر کے ساتھ)، جو مجبور کرے، اُسے "مجبر یعنی جبر کرنے والا"، اِس عمل کو "مکرَہ علیہ" اور جس بات کا خوف دلایا جائے اِسے "مکرہ بہ" کہا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید اور اکراہ:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَن كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡإِيمَانِ وَلَـٰكِن مَّن شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡراً فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٌ☆

ترجمہ: "جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا (اِس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اِس کے لئے بڑا عذاب ہے) مگر جس پر جبر (اکراہ) کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے (اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے)، (سورۂ نحل، آیت نمبر:106)"۔

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ مشرکین نے کلمہ کفر بولنے پر انھیں مجبور کیا اور انھوں نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا پھر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے قلب کو کس حال پر پایا: عرض کی: میرا دل ایمان پر بالکل مطمئن تھا ارشاد فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم کو ایسا ہی کرنا چاہئے یعنی دل ایمان پر مطمئن رہنا

چاہئے۔

تفسیر بیضاوی شریف میں ہے کہ کفار قریش نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اِرتداد پر مجبور کیا ان کے والدین نے انکار کیا تو اُن ظالموں نے دونوں کو قتل کر ڈالا اور یہ پہلے دو لوگ ہیں جو اسلام میں شہید کئے گئے اور لیکن حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبان سے وہ کہہ دیا جو کفار نے چاہا تھا۔ کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ عمار کافر ہوگیا فرمایا ہرگز نہیں، بے شک عمار چوٹی سے قدم تک ایمان سے بھرپور ہے ایمان اس کے گوشت وخون میں سرایت کئے ہوئے ہے اس کے بعد عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے حاضر خدمت اقدس ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھا اور فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا (جو روتے ہو) اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم ویسا ہی کرنا۔

اکراہ کی قسمیں:

اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اِکراہِ تام/ملجی (Major Constraint):

(۲) اِکراہِ ناقص/غیر ملجی (Minor Constraint):

اِکراہِ تام/ملجی (Major Constraint):

اس سے مراد ایسا اکراہ ہے، جس میں جان سے مار ڈالنے یا کسی عضو کے تلف کرنے یا کاٹنے یا شدید چوٹ لگانے کی دھمکی دی جائے اور ایسے قرائن وآثار موجود ہوں کہ عدمِ تعمیل کی صورت میں مکرِہ اپنی دھمکی پر عمل کر بھی لے گا اور ایسا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اِکراہِ ناقص/غیر ملجی (Minor Constraint):

ایسی اکراہ، جس میں جان سے مار ڈالنے یا عضو کے ضائع کردینے کی دھمکی نہ ہو، بلکہ اِس سے کم نقصان پہچانے کی دھمکی ہو اُسے ''اِکراہِ ناقص یا غیر ملجی'' کہتے ہیں جیسے یہ کہا جائے کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تجھے ماروں گا یا کمرے میں بند کردوں گا وغیرہ۔

اِکراہ کے معتبر ہونے کی شرائط:

(۱) مکرَہ (زبردستی کرنے والا) جس کام کے کرنے کی دھمکی دے رہا ہو، اس کام کو کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ لہذا کسی ایسے شخص کی طرف سے اکراہ ثابت نہیں ہوگا، جسے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر قدرت حاصل نہ ہو۔

(۲) مکرَہ (جس کو دھمکی دی گئی ہے) کو یہ غالب گمان بھی ہو کہ اگر اُس نے جبر کرنے والے کے حکم کی تعمیل نہ کی، تو جبر کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے، اُسے کرگزرے گا۔

(۳) اِکراہ میں صرف جان سے مارنے یا کسی عضو کو ضائع کردینے یا حبسِ شدید (قید میں ڈالنے) کی دھمکی قابلِ اعتبار ہوگی۔

(۴) یہ بھی ضروری ہے کہ جس کام کے کرنے پر دھمکی دی گئی، مکرَہ پہلے سے اس کام کو کرنا نہ چاہتا ہو۔ اگر پہلے سے اُس کام کے کرنے کا ارادہ ہو، تو پھر اِکراہ معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو ایسا ہی جیسے خود اُس نے اپنی مرضی سے یہ کام کیا ہو۔

(۵) جس شخص پر اِکراہ (زبردستی) کیا گیا ہو، اگر اُس نے وہ کام جس کے لئے اِکراہ کیا گیا ہے، اکراہ کرنے والے کی یا اِس سے متعلق شخص کی موجودگی میں کردیا تب تو اکراہ معتبر ہوگا اور اگر اِس کی غیر موجودگی میں کیا تو اِکراہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اِس نے اکراہ کے ختم ہوجانے پر اپنی مرضی سے یہ کام کیا ہے۔ مثلاً کسی نے ایک شخص کو مجبور کیا کہ وہ اپنا مال فروخت کردے، اسکے بعد مجبور کرنے والا چلا گیا۔ اب اس کے بعد اِس شخص

اوراس سے متعلق دوسرے شخص کی عدم موجودگی میں مجبور نے اپنا مال فروخت کردیا تو اس صورت میں اکراہ (جبر) قابلِ قبول نہیں ہوگا اور یہ بیع درست ہو جائیگی، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ ۱۰۰۵)۔

اِکراہِ ملجی وغیر ملجی کے اِحکام:

(۱) اکراہِ ملجی وغیر ملجی دونوں کے تحت بیع، خریداری، کرایہ، صلح، اقرار، برأتِ مالی، مہلت ادائے قرض اور اِسقاطِ حقِ شفعہ قابلِ اعتبار نہیں ہوگا۔ لیکن اِکراہ اُٹھ جانے کے بعد اگر مکرَہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) نے اپنی مرضی سے مذکورہ معاملات کو نافذ العمل قرار دے دیا، تو پھر معتبر ہو جائیں گے، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ نمبر ۱۰۰۷)۔

(۲) اکراہِ ملجی فعلی وقولی معاملات دونوں میں معتبر ہوتا ہے لیکن اکراہِ غیر ملجی صرف معاملاتِ قولی میں معتبر ہوتا ہے، فعلی معاملات میں نہیں۔

خرید وفروخت میں اکراہ کا حکم:

خرید وفروخت میں چونکہ فریقین کی دلی رضامندی ضروری ہوتی ہے، لہٰذا اِن میں اکراہ کا حکم یہ ہے کہ اِس سے شرعاً خرید وفروخت منعقد نہیں ہوتی لہٰذا اِکراہ یعنی زبردستی کی صورت ختم وجانے کے بعد مکرَہ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ معاملۂ بیع کو منعقد یا منسوخ کردے

☆☆☆

باب......۱۷

شفعہ (Pre-Emption)

شفعہ کی تعریف (Definition of Pre-emption Right)

غیر منقول جائداد کو کسی نے جس قیمت پر خریدا ہے، اتنے ہی قیمت پر اس جائداد کے مالک ہونے کا حق دوسرے کو حاصل ہو جانا "شفعہ" کہلاتا ہے۔ شفعہ کے لئے مشتری یعنی خریدار کی رضامندی ضروری نہیں ہے بلکہ اُس کے راضی نہ ہونے کے باوجود بھی شفیع کو حقِ شفعہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ حق کبھی شرکت اور کبھی جوار (پڑوس) کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں شفعہ کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

الشفعة: هی تملک الملک المشتری بمقدارِ الثمن الذی قام علی المشتری

ترجمہ "کسی خریدار سے اس کے حق ملکیت کو اسی قیمت پر حاصل کرنا، جو اس نے خریداری میں ادا کیا ہو، (مجلۃ الاحکام العدلیہ، ماڈ نمبر:950)۔"

شفعہ صرف جائیداد غیر منقولہ (Immovable Property) میں ہو سکتا ہے، جس کی ملکیت عقد معاوضہ کے ذریعے (مال کے عوض) حاصل ہوئی ہو اگر چہ وہ جائیداد تقسیم کے قابل نہ ہو۔ لہٰذا جائیداد منقولہ (Movable Property) میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ نیز خریدار نے جتنے داموں میں جائیداد خریدی تھی شفیع کو بھی اتنی ہی قیمت میں ملے گی۔

اِصطلاحاتِ شفعہ:

(۱) شفعہ (First Right to buy the Im-movable Asset):

غیر منقول جائیداد کو خریدنے کا پہلا حق

(۲) شفیع(One who claims the pre-emption right):

کسی غیر منقول جائیداد کو خریدنے کا پہلا حقدار جسے حاصل ہوتا ہے، وہ شفیع ہے۔

(۳) غیر منقول جائیداد(Fixed or Im-movable Asset):

مثلاً زمین، مکان، دوکان وغیرہ۔

احادیثِ مبارکہ اور شفعہ:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهٖ يَنْتَظِرُ بِهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے، وہ پڑوسی کا انتظار کرے گا اگرچہ وہ غائب ہو، جبکہ دونوں کا راستہ ایک ہو، (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الشفعہ، باب الشفعۃ بالجوار، رقم الحدیث:2494)۔''

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَضٰى رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِالشُّفْعَةِ فِىْ كُلِّ شِرْكَةٍ لَّمْ تُقْسَمْ: رَبْعَةٍ اَوْحَائِطٍ، لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهٗ فَاِنْ شَاءَ اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشترک چیز میں شفعہ کا حکم دیا ہے جب تک اِس کی تقسیم نہ ہوئی ہو، خواہ وہ مشترکہ چیز مکان ہو یا باغ۔ مالک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اسے بیچ ڈالے (بلکہ اس کو اطلاع دینی ضروری ہے) پھر شریک کو اختیار ہے کہ اس کو لے لے یا چھوڑ دے لیکن جب مالک اس مکان یا باغ (یا زمین) کو بیچ ڈالے اور شریک کو اطلاع نہ

دے، تو شریک اس چیز (مکان، باغ یا زمین) کا زیادہ مستحق ہوگا، (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الشفعۃ، رقم الحدیث: 1608)۔"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:: قَالَ رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: اَلشَّرِیْکُ شَفِیْعٌ وَالشُّفْعَۃُ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ

ترجمہ: "حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر شئے میں ہے، (سنن ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء ان الشریک، رقم الحدیث: 1371)۔

ایک اور حدیث مبارک ہے، جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

ترجمہ: "حضرت عمرو بن شرید سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ اتنے میں ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور یہ کہا کہ سعد تمہارے گھر میں جو میرے دو مکان ہیں؛ انہیں خرید لو۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں خریدوں گا۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، واللہ تمہیں خریدنا ہوگا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: واللہ میں چار ہزار درہم سے زیادہ نہیں دونگا اور وہ بھی قسطوں میں۔ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے پانچ سو اشرفیاں مل رہی ہیں اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا نہ ہوتا کہ پڑوسی کو قرب کی وجہ سے حق ہوتا ہے تو میں چار ہزار میں نہیں دیتا جبکہ پانچ سو دینار مجھے مل رہے ہیں۔ یہ کہہ کر چار ہزار میں (انہیں) دیدیا، (صحیح بخاری، کتاب الشفعۃ، باب عرض الشفعۃ علی صاحبی قبل البیع، رقم الحدیث: 2258)۔"

اَسباب شفعہ اور اس کے مراتب (Causes to Claim the Pre-emption Right and its Degrees)

شفعہ کے مندرجہ ذیل تین اسباب ہیں، جنہیں مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بیان یوں کیا گیا ہے

۱۔شرکت:

اگر کسی شئے کی ملکیت میں دو افراد ہوں اور اُن میں سے ایک شخص اپنا حصہ فروخت کر رہا ہو، تو دوسرے فریق کو شراکت کے سبب سے حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔جیسے مثلاً ایک زمین مشترکہ طور پر دو افراد کی ملکیت میں ہو اور حصوں کے درمیان کوئی فرق اور حد بندی نہ ہو۔

۲۔خلیط (جڑا ہوا ہونا):

اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جا رہی ہے، اُس کے ساتھ شربِ خاص یا طریقِ خاص کی شرکت قائم ہو۔(شربِ خاص سے مراد کسی جاری پانی سے چند مخصوص لوگوں کا فائدہ حاصل کرنے کا حق ہے اور طریقِ خاص سے مراد وہ گلی یا راستہ ہے، جس کے دونوں منہ کھلے ہوئے نہ ہوں) مثلاً ایک خاص نالی سے کئی باغوں کو سیراب کیا جا رہا ہو، تو اگر اُن میں سے ایک باغ فروخت کیا گیا، تو باقی باغوں کے مالکوں کی حیثیت ہمسایہ شفیعوں کی طرح ہوگی چاہے وہ ہمسایہ ہوں یا نہ ہوں۔جبکہ ایک نہرِ عام سے، جس سے لوگ فائدہ حاصل کر رہے ہوں، متعدد باغوں کی سیرابی ہو اور اُن میں سے ایک باغ فروخت کیا جائے یا متعدد مکانات جن کے دروازے شارعِ عام پر کھلتے ہوں، ان میں سے ایک مکان فروخت کیا جائے، تو ان دونوں صورتوں میں دوسرے باغ کے مالکوں یا دوسرے گھر والوں کو حقِ شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

۳۔ہمسائیگی:

شفعہ کا تیسرا سبب ایک دوسرے سے بالکل ملی ہوئی ہمسائیگی ہے جسے ''جارِ ملاصق'' کہا جاتا ہے

حقِ شفعہ کی ترتیب:

شفعہ میں پہلا حق شریک کو حاصل ہوتا ہے، اِس کے بعد خلیط (طریقِ خاص یا شربِ خاص میں شریک) کا حق ہوتا ہے اور اِس کے بعد جارِ ملاصق (ہمسایہ بلا

فاصلہ) کا۔ جب حق شفعہ کا مطالبہ اوّل کی طرف سے ہو، تو دوسرے اور تیسرے کو کوئی حق حاصل نہ ہوگا اور اگر دوسرے کی طرف سے ہو، تو تیسرے کو کوئی حق حاصل نہ ہوگا

اگر فروخت شدہ چیز میں کوئی شریک نہ ہو یا ہو لیکن اس نے اپنا حقِ شفعہ چھوڑ دیا ہو، تو خلیط کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا اور اگر کوئی خلیط بھی نہ ہو یا اس نے اپنا حق چھوڑ دیا ہو تو جارِ ملاصق (ہمسایہ) کو حقِ شفعہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے اپنا مکان یا زمین فروخت کی یا کسی ایسی جائداد میں اپنا حصہ فروخت کیا، جس میں شریک نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا تو حقِ شفعہ اس خلیط کو حاصل ہو جائے گا، جو طریقِ خاص یا شربِ خاص میں شریک ہو اگر کوئی ایسا خلیط نہیں ہے یا ہے اور اس نے بھی اپنا حقِ شفعہ چھوڑ دیا ہے تو دونوں صورتوں میں ہمسایہ کو حقِ شفعہ حاصل ہو جائے گا۔

شفعہ کی بنیادی شرائط (Basic Conditions for Pre-emption Right):

(ا) جائیداد کی منتقلی عقد معاوضہ (Commutative Contract) کے ذریعہ ہوئی ہو۔ عقد معاوضہ دو طرح سے ہو سکتا ہے:

(الف) بیع سے (یعنی جس چیز کے ذریعے خرید و فروخت کیا جاتا ہو مثلاً روپے، پیسے سونے چاندی کے عوض)

(ب) معنیٰ بیع سے (یعنی کسی چیز کی خرید و فروخت اسی جیسی کسی اور چیز کے ذریعے سے مثلاً ایک جائیداد کی بیع کسی دوسری جائیداد کے ذریعے سے اس کو بدل صلح بھی کہا جاتا ہے)

لہٰذا ہبہ، صدقہ، میراث، وصیت یا وقف کی صورت میں اگر جائیداد منتقل کی جائے تو اس پر شفعہ نہیں ہو سکتا البتہ ہبہ بشرط العوض (کسی چیز کا ہبہ اس شرط کے ساتھ کہ

دوسرا بھی اس کو کوئی چیز ہبہ کرے گا) میں اگر دونوں جانب سے تقابض بدلین (ایک دوسرے کی چیز پر قبضہ) ہوگیا تو شفعہ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں اور ہبہ میں شرط تو نہیں تھی لیکن موہوب لہ نے بھی اس کو کوئی چیز ہبہ کردی تو اب شفعہ نہیں ہوسکتا مثلاً ایک شخص الف نے کسی دوسرے شخص ب کو ایک مکان بغیر کسی شرط عوض کے ہبہ کردیا، شخص ب نے بھی شخص الف کو ایک مکان ہبہ کردیا تو دونوں میں سے کسی پر شفعہ نہیں۔

(۲) مبیع عقار یعنی جائیداد غیر منقولہ ہو، منقولہ اشیاء میں شفعہ نہیں ہوسکتا

(۳) بائع کی ملکیت زائل ہوگئی ہو یعنی جائیدادِ غیر منقولہ فروخت کنندہ کی ملکیت سے خارج ہوچکی ہو لہٰذا فروخت کنندہ کو خیار شرط حاصل ہونے کی صورت میں شفعہ نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ وہ اپنا خیار شرط ساقط نہ کردے لیکن اگر خریدار کو یہ خیار حاصل ہو تو شفعہ ہوسکتا ہے۔

(۴) بائع کا حق بھی زائل ہوگیا ہو یعنی مبیع کو واپس لینے کا اسے حق نہ ہو

(۵) جس جائیداد کے ذریعے سے اس جائیداد پر شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوا ہے وہ جائیداد شفیع کی ملکیت میں ہو لہٰذا وہ جائیداد اگر شفیع کے کرایہ یا عاریت میں ہو، یا وقف شدہ جائیداد ہو تو اس کو شفعہ کا حق نہیں۔

(۶) شفیع نے اس جائیداد کی بیع سے نہ واضح طور پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہو اور نہ ہی کسی ایسے عمل سے جس سے اُس کی رضامندی ظاہر ہو۔

شفعہ کا حکم (Validity of Pre-emption Right):

(۱) جب کوئی جائیداد غیر منقولہ فروخت کی جائے تو اس کے شریک یا پڑوسی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس سے فروخت کی جائے، لیکن اگر فروخت کنندہ نے ایسا نہیں کیا تو شفیع کے لئے اپنا حقِ شفعہ استعمال کرنا جائز ہے۔ اس کے طلب کرنے کے بعد یہ لازم ہوجاتا ہے۔ اور قاضی کے فیصلے یا خریدار کی رضامندی سے شفیع اس چیز کا مالک ہوجاتا ہے۔

(۲) شفعہ کا یہ حق نابالغ اور مجنون کو بھی حاصل ہوتا ہے البتہ اس کی طرف سے اس کا وصی یا ولی اس کا مطالبہ کرے گا۔

(۳) شفعہ کے ذریعے سے جو جائیداد حاصل کی جاتی ہے، اس میں جس طرح خریدار کو خیار رؤیت یا خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے اسی طرح شفیع کو بھی یہ حق حاصل ہوگا۔

(۴) خریدار نے جتنی مالیت میں جائیداد لی تھی؛ شفعہ کے ذریعے حاصل کرتے وقت شفیع بھی اتنی ہی مالیت ادا کرے گا۔

شفعہ کب ہوسکتا ہے اور کب نہیں؟۔

(۱) جائیداد موقوف کے متصل اگر کوئی جائیداد فروخت ہو تو نہ واقف شفعہ کرسکتا ہے، نہ متولی نہ موقوف علیہ (وہ شخص جس پر وقف ہے) کیوں کہ شفعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کے ذریعے سے شفعہ کیا جائے وہ مملوک ہو اور جائیداد موقوف مملوک نہیں (وقف کے بعد جائیداد واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، نہ متولی مالک ہوتا ہے اور نہ ہی موقوف علیہ لہٰذا ان میں سے کوئی شخص بھی شفعہ نہیں کرسکتا)۔

(۲) (الف) زمین موقوف میں کسی نے مکان بنایا اور اس کے جوار (پڑوسی) میں کوئی مکان فروخت ہو رہا ہو تو شفعہ نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ شفعہ کیلئے شرط ہے کہ شفیع کو جس جائیداد کے ذریعے شفعہ کا حق حاصل ہو رہا ہے وہ اس کی ملکیت میں ہو، جبکہ زمین موقوف میں بنایا جانیوالا مکان بھی وقف ہے اس کی ملکیت نہیں، لہٰذا اس کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(ب) اسی طرح اگر خود اپنی عمارت کو فروخت کرے تو اس پر بھی شفعہ نہیں ہوسکتا۔

(۳) جس جائیداد موقوفہ کی خرید و فروخت نہیں ہوسکتی اگر کسی نے بیع کردی تب بھی اس پر شفعہ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ شفعہ کے لئے بیع کا ہونا ضروری ہے اور اس جائیداد موقوف کی خرید و فروخت نہیں ہوسکتی، اس لئے اس پر شفعہ بھی نہیں ہوسکتا۔

(۴)(الف)۔ جس جائیداد موقوف کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اگر اس کو فروخت کیا جائے تو اس پر شفعہ ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ شفعہ کے لئے شئے کا قابلِ خرید وفروخت ہونا بھی ضروری ہے اور اس جائیداد موقوف کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اس لئے اس پر شفعہ بھی ہوسکتا ہے۔

(ب) جس جائیداد موقوف کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اگر اس کے پڑوس میں کوئی جائیداد فروخت ہوئی، تو وقف کی جانب سے اس پر شفعہ نہیں کیوں کہ وقف کا کوئی مالک نہیں جو اس پر شفعہ کر سکے۔

(ج) یوں ہی اگر جائیداد کا ایک حصہ وقف ہے اور ایک حصے پر ملکیت قائم ہے لہذا جو حصہ ملکیت میں ہے وہ فروخت ہوا، تو وقف کی جانب سے اس پر شفعہ نہیں ہوسکتا کیوں کہ وقف کا کوئی مالک نہیں جو اس پر شفعہ کر سکے۔

(۵) کسی جائیداد کو نکاح کا مہر قرار دیا گیا یا اس کو اجرت قرار دیا گیا تو اس پر شفعہ نہیں ہے کیونکہ شفعہ کے لئے ضروری ہے کہ جائداد فروخت کی جائے جبکہ اس جائیداد کی بیع نہیں ہوئی لہٰذا اس پر شفعہ بھی نہیں۔

(۶) مہر کوئی دوسری چیز ہے، مکان کو اس کے بدلے میں بیع فروخت کیا یا نکاح میں مہر کا ذکر نہیں ہوا بلکہ مہر مثلی واجب ہوا اور مکان کو اس کے بدلے میں فروخت کیا تو اس پر شفعہ ہوسکتا ہے کیوں کہ شفعہ کے لئے بیع ہونا ضروری ہے اور اس جائیداد کی بیع ہوئی ہے، اس لئے اس پر شفعہ بھی ہوسکتا ہے۔

طلبِ شفعہ کی اقسام:

طلبِ شفعہ کی تین قسمیں ہیں، جنہیں ذیل میں بالترتیب درج کیا جا رہا ہے:

(۱) طلبِ مواثبہ:

:(Immediate Demand of Pre-emption)

اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے ہی شفیع کو جائیداد کے فروخت ہونے کا علم ہو اسی وقت یہ ظاہر کردے کہ میں طالب شفعہ ہوں اگر علم ہونے کے بعد اس نے طلب نہ کی تو اس کا حقِ شفعہ ختم ہو جائیگا۔ شفیع کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اس پر گواہ بنالے۔ طلبِ مواثبہ میں ادنیٰ تاخیر بھی شفعہ کو باطل کر دیتی ہے۔ طلبِ مواثبہ کے لئے کوئی لفظ مخصوص نہیں بلکہ جس لفظ سے اس کا طالب ہونا سمجھ میں آجائے اُس کے ذریعے طلب کر سکتا ہے۔

(۲) طلبِ تقریر/طلبِ اشہاد

:(Making Witnesses for Demand of Pre-emption)

یعنی شفیع، فروخت کنندہ یا خریدار یا جائیداد کے پاس جا کر گواہوں کے سامنے یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ جائیداد خریدی ہے اور میں فلاں جائداد کی وجہ سے اس کا شفیع ہوں اور اس سے پہلے بھی میں طلبِ شفعہ کر چکا ہوں، اب پھر طلب کرتا ہوں، تم لوگ اس کے گواہ رہو۔ فروخت کنندہ کے پاس جا کر طلب شفعہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اب تک وہ جائیداد فروخت کنندہ ہی کے قبضے میں ہو، اس نے اب تک خریدار کو قبضے میں نہ دی ہو، البتہ خریدار کے پاس طلب شفعہ دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے چاہے مبیع فروخت کنندہ کے پاس ہو یا خریدار نے اپنے قبضے میں کر لی ہو۔ جبکہ جائیداد کے سامنے بھی طلبِ اشہاد ہر وقت کی جاسکتی ہے۔

(۳) طلبِ تملیک:

اگر شفیع قاضی کے روبرو جا کر یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ جائیداد خریدی ہے اور میں فلاں جائیدا کے ذریعے سے اس کا شفیع ہوں اور اس سے پہلے میں طلبِ شفعہ کر چکا ہوں، اب

پھر طلب کرتا ہوں، لہٰذا یہ جائیداد مجھے دلائی جائے، تو یہ طلبِ تملیک ہے۔

شفعہ میں خیار (Options in Pre-emption Right):

دوسری بیوع کی طرح حقِ شفعہ کے تحت خریداری پر بھی شفیع کو خیارِ رویت اور خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے یعنی اگر اس نے جائیداد مشفوعہ نہیں دیکھی ہے تو دیکھنے کے بعد لینے سے انکار کرسکتا ہے اسی طرح اگر اس میں کوئی عیب ہو، تو بھی لینے سے انکار کرسکتا ہے۔

البتہ اس میں خیارِ شرط نہیں ہوسکتا نہ ہی اس کو ادا کرنے کے لئے کوئی میعاد مقرر کی جاسکتی ہے۔علاوہ ازیں اس میں غرر یا دھوکے کی وجہ سے ضمان بھی لازم نہیں آیگا۔

شفعہ باطل ہونے کی صورتیں (Causes to Void the Pre-emption Right)

درج ذیل صورتوں میں شفعہ باطل ہوجاتا ہے:

(۱) طلبِ مواثبت نہ کرنے سے (۲) طلبِ اشہاد نہ کرنے سے

(۳) بیع کی تسلیم سے (یعنی بیع ہوجانے کے بعد بائع کے لئے، مشتری یا وکیل مشتری کے لئے تسلیم کرلے) (۴) شفعہ باطل یا ساقط کرنے سے یعنی یہ کہہ دینے سے کہ میں نے شفعہ باطل کردیا ہے۔(۵) نابالغ کے لئے شفعہ تھا تو اس کے باپ یا وصی کے تسلیم کردینے سے۔(٦) جس شخص کے لئے شفعہ تھا اس کے خاموش رہنے سے مثلاً باپ یا وصی کے خاموش رہنے سے۔

تمّت بالخير

مصنف کی دیگر مطبوعہ کتب و رسائل

- انوارِ اعتکاف
- انوارِ قربانی
- عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند اصلاح طلب پہلو
- طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح اسباب و محرکات اور تدارک
- اربعین تجارت و معیشت
- اصطلاحاتِ اسلامی معیشت و وراثت
- سعودی عرب کے ساتھ رمضان اور عیدین کیوں نہیں؟

غیر مطبوعہ

- اسلامی بینکاری نظام میں خیرات کا تصور اور تعزیر بالمال
- اسلام اور عالمی ایام
- تکافل کی شرعی حیثیت
- تدریب المعلمین